

نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے

(۱۹۸۹ تا ۲۰۱۷ء)

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

جملہ حقوق بحوالہ ناشر محفوظ

نام کتاب : نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے
صفحات : ۳۲۱
سن طباعت : مئی ۲۰۱۷

ناشر

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

F-161 جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: 9746

جامعہ نگر، نئی دہلی - 110025

ای میل: fiqhacademy@gmail.com

fiqhacademy@yahoo.com

ویب سائٹ: www.islamicfiqhacademy.org

فون: 011 - 26981779, 26983728

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فہرست

- پیش لفظ: حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ ۱۳
- ابتدائیہ: حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی قاسمی ۱۵

باب اول: تمہیدی تحریر

- نئے مسائل کے حل کے سلسلہ میں اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کا منہج (مولانا خالد سیف اللہ رحمانی) ۱۹
- فقہی سمینار - ایک نظر میں (چارٹ) ۵۶

باب دوم: فیصلے اور تجاویز

الف: اصولی مسائل:

- ۱- فقہی اختلاف کی شرعی حیثیت ۶۳
- ۲- ضعیف احادیث کے احکام ۶۵
- ۳- شریعت میں ضرورت و حاجت کی رعایت اور اس کے حدود ۶۸
- ۴- شریعت میں عرف و عادت کا اعتبار اور اس کے اصول و قواعد ۷۶
- ۵- غذائی مصنوعات میں حلال و حرام ۸۰

- ۶- حلال سرٹیفکٹ ۸۲
- ۷- وحدت امت- اصول و آداب ۸۴

۸۷-۱۴۶

ب: عباداتی مسائل:

- ۱- انقلاب ماہیت اور طہارت و نجاست و حلت و حرمت پر اس کا اثر ۸۹
- ۲- مسجد کی شرعی حیثیت ۹۱
- ۳- حج و عمرہ کے مسائل ۹۳
- ۴- اوقاف سے متعلق مسائل ۹۸
- ۵- زکاۃ میں بنیادی حاجت ۱۰۵
- ۶- دین (قرض) کی زکاۃ ۱۰۶
- ۷- تجارت میں پیشگی دی ہوئی قیمت اور کرایہ دوکان و مکان میں دی گئی ڈپوزٹ کی رقم پر زکوٰۃ ۱۰۸
- ۸- ہیرے و جواہرات پر زکاۃ ۱۱۰
- ۹- پراویڈنٹ فنڈ پر زکاۃ ۱۱۳
- ۱۰- مدرسہ کے سفراء، محصلین اور مہتمم کی حیثیت ۱۱۴
- ۱۱- اموال مدرسہ پر زکاۃ ۱۱۵
- ۱۲- کمیشن پر زکاۃ کی وصولی ۱۱۶
- ۱۳- مال حرام کی زکاۃ ۱۱۷
- ۱۴- اموال زکاۃ کی سرمایہ کاری ۱۱۹
- ۱۵- فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے؟ ۱۲۱
- ۱۶- عشری و خراجی اراضی ۱۲۳

- ۱۲۶ - ادا نیگی خراج کا طریقہ اور خراج سے سرکاری محصول کی منہائی
- ۱۲۸ - زمینی پیداوار، درخت و سبزیوں پر عشر
- ۱۳۰ - مزارعت (بٹائی) والی کاشت پر عشر
- ۱۳۱ - عشر سے اخراجات زراعت کی منہائی
- ۱۳۳ - مکھانہ، مچھلی و ریشم پر عشر
- ۱۳۴ - مکان، چھت، گرد و پیش کی افتادہ اراضی اور اراضی اوقاف پر عشر
- ۱۳۵ - وقف
- ۱۳۶ - رمی جمار
- ۱۳۸ - روزہ میں جدید طریقہ علاج کا استعمال
- ۱۴۰ - مسافت سفر کا آغاز
- ۱۴۱ - جائے ملازمت کا حکم
- ۱۴۲ - ایام قربانی میں کس مقام کا اعتبار ہے؟
- ۱۴۴ - قرآن کے متن و ترجمہ کی کتابت و اشاعت سے متعلق تجاویز
- ۱۴۶ - برصغیر میں مطبوعہ قرآن مجید کے نسخے

۱۹۸-۱۴۷

ج: سماجی مسائل :

- ۱۴۹ - ۱ - نکاح میں لڑکی، لڑکے اور اولیاء کے اختیارات
- ۱۵۱ - ۲ - فون، ویڈیو کانفرنسنگ اور انٹرنیٹ کے ذریعہ نکاح
- ۱۵۲ - ۳ - جبری نکاح
- ۱۵۴ - ۴ - نکاح میں کفایت

| | |
|---------|--|
| ۱۵۷ | ۵- عقد نکاح میں شرائط کی فقہی حیثیت |
| ۱۵۸ | ۶- مہر کا شرعی حکم |
| ۱۵۹ | ۷- مطالبہ جہیز شریعت کی نظر میں |
| ۱۶۰ | ۸- حالت نشہ کی طلاق |
| ۱۶۳ | ۹- خواتین کی میراث |
| ۱۶۴ | ۱۰- مسلم و غیر مسلم تعلقات |
| ۱۶۷ | ۱۱- تعلیم گاہوں میں جنسی تعلیم |
| ۱۶۹ | ۱۲- قیدیوں کے حقوق |
| ۱۷۴ | ۱۳- غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق |
| ۱۷۶ | ۱۴- مشترکہ و جداگانہ خاندانی نظام |
| ۱۷۹ | ۱۵- آبی وسائل اور ان کے شرعی احکام |
| ۱۸۲ | ۱۶- شقاق بین الزوجین |
| ۱۸۴ | ۱۷- نشہ آور اشیاء |
| ۱۸۷ | ۱۸- الیکشن سے مربوط شرعی مسائل |
| ۱۸۸ | ۱۹- میراث و وصیت سے متعلق مسائل |
| ۱۹۰ | ۲۰- اسلام میں بچوں کے حقوق |
| ۱۹۳ | ۲۱- اہل کتاب سے متعلق مسائل و احکام |
| ۱۹۵ | ۲۲- اسلام میں بوڑھوں اور کمزوروں کے حقوق |
| ۱۹۸ | ۲۳- طلاق غضبان |
| ۱۹۹-۲۷۴ | د: معاشی مسائل : |

| | |
|-----|--|
| ۲۰۱ | ۱- جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعہ عقد و معاملات |
|-----|--|

| | |
|-----|---|
| ۲۰۲ | ۲- کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت |
| ۲۰۴ | ۳- قسط پر خرید و فروخت |
| ۲۰۸ | ۴- عقد مراحمہ کے شرعی اصول |
| ۲۱۰ | ۵- حقوق کی فقہی حیثیت |
| ۲۱۱ | ۶- قبضہ کی حقیقت اور اس سے متعلق احکام |
| ۲۱۳ | ۷- پانی میں رہتے ہوئے مچھلی کی خرید و فروخت |
| ۲۱۵ | ۸- شیراز اور ان کی خرید و فروخت |
| ۲۱۸ | ۹- کمپنیوں کے شیراز |
| ۲۱۹ | ۱۰- پکڑی کی شرعی حیثیت |
| ۲۲۱ | ۱۱- بینک انٹرسٹ |
| ۲۲۲ | ۱۲- تجارتی سود |
| ۲۲۳ | ۱۳- ہندوستان کے پس منظر میں انشورنس کا حکم |
| ۲۲۹ | ۱۴- دو ملکوں کی کرنسیوں کا ادھار تبادلہ |
| ۲۳۰ | ۱۵- سود |
| ۲۳۲ | ۱۶- اسلامی مالیاتی ادارہ |
| ۲۳۳ | ۱۷- اسلامی بنکاری |
| ۲۳۷ | ۱۸- غیر سودی امدادی سوسائٹیاں |
| ۲۴۰ | ۱۹- غیر سودی بینکنگ |
| ۲۴۳ | ۲۰- بینک سے جاری ہونے والے مختلف کارڈ |
| ۲۴۴ | ۲۱- نیٹ ورک مارکنگ |

| | |
|-----|---|
| ۲۴۵ | ۲۲- تعلیمی قرض |
| ۲۴۸ | ۲۳- خواتین کی ملازمت |
| ۲۵۱ | ۲۴- موجودہ کرنسی کی شرعی حیثیت |
| ۲۵۲ | ۲۵- تورق کا مسئلہ |
| ۲۵۳ | ۲۶- کاروبار میں والد کے ساتھ اولاد کی شرکت |
| ۲۵۶ | ۲۷- مختلف النوع ملازمتیں |
| ۲۵۹ | ۲۸- اسلامی تکافل |
| ۲۶۱ | ۲۹- بیع الوفاء |
| ۲۶۳ | ۳۰- صکوک |
| ۲۶۴ | ۳۱- ہبہ سے متعلق مسائل |
| ۲۶۵ | ۳۲- عقد استصناع سے متعلق مسائل |
| ۲۶۷ | ۳۳- سرکاری اسکیموں سے استفادہ |
| ۲۶۹ | ۳۴- زمین کی خرید و فروخت سے متعلق بعض مسائل |
| ۲۷۳ | ۳۵- سونا چاندی کی تجارت سے متعلق مسائل |

۲۹۶-۲۷۵

۵: طبی مسائل :

| | |
|-----|------------------------------------|
| ۲۷۷ | ۱- طبی اخلاقیات اور اطباء کے فرائض |
| ۲۷۹ | ۲- ضبط ولادت |
| ۲۸۱ | ۳- اعضاء کی پیوندکاری |
| ۲۸۳ | ۴- ایڈز |
| ۲۸۵ | ۵- کلوننگ |

| | |
|-----|----------------------------------|
| ۲۸۶ | ۶- جلاٹین |
| ۲۸۷ | ۷- الکحل |
| ۲۸۸ | ۸- میڈیکل انشورنس |
| ۲۸۹ | ۹- جنیٹک ٹسٹ |
| ۲۹۰ | ۱۰- ڈی این اے ٹسٹ |
| ۲۹۱ | ۱۱- دماغی موت |
| ۲۹۲ | ۱۲- یوتھنیز یا |
| ۲۹۳ | ۱۳- پلاسٹک سرجری |
| ۲۹۴ | ۱۴- اعضاء و اجزاء انسانی کا عطیہ |

۳۰۸-۲۹۷

و: جدید آلات و ذرائع:

| | |
|-----|--|
| ۲۹۹ | ۱- انٹرنیٹ اور جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال |
| ۳۰۲ | ۲- ذبح کے مسائل |
| ۳۰۷ | ۳- مشینی ذبیحہ |

۳۴۱-۳۰۹

ز: متفرق مسائل:

| | |
|-----|---|
| ۳۱۱ | ۱- اعلامیہ برائے اتحاد امت |
| ۳۱۴ | ۲- دینی و عصری اداروں کے طلبہ |
| ۳۱۵ | ۳- وظیفہ طلبہ |
| ۳۱۶ | ۴- اسلام اور امن عالم |
| ۳۱۷ | ۵- تفریح و سیاحت - اس کے احکام و شرعی ضوابط |

- ۶- تجویز بہ سلسلہ تحفظ خواتین ۳۲۱
- ۷- شہریت سے متعلق مسائل ۳۲۶
- ۸- رحم کو کرایہ یا عاریت پر دینا ۳۲۸
- ۹- اعلامیہ برائے تعلیم اور تعلیمی اداروں کی فرقہ واریت سے حفاظت ۳۳۳
- ۱۰- بین مذہبی مذاکرات- اصول و آداب ۳۳۵
- ۱۱- ماحولیات کا تحفظ ۳۳۷
- ۱۲- فضائی آلودگی کا مسئلہ ۳۳۹
- ۱۳- صوتی آلودگی کا مسئلہ ۳۴۱



پیش لفظ

کوئی بھی فقہ یا قانون اپنی حرکت سے ہی زندہ رہتا ہے۔ زندگی کی حرارت اور حرکت کسی بھی زندہ قانون میں نمایاں ہوتی ہے، بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ قانون کی تطبیق بہت نازک اور ذمہ داری کا کام ہے۔ قانون میں حرکت اور بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ہم آہنگی اصول اور قواعد کلیہ اور تعبیر قانون کے مسلمہ ضوابط کی بنیاد پر ہی برقرار رہ سکتی ہے، فقہ اسلامی کی پابندی اور حالات اور زمانے کی تبدیلیوں کے باوجود انسانی زندگی میں انضباط پیدا کرنے اور صحیح رہنمائی دینے کی بھرپور صلاحیت دراصل ان اصولی احکام کی رہن منت ہے جنہیں فقہاء نے کتاب و سنت سے مستنبط کیا ہے اور ہر عہد میں اس عہد کے حالات کو سامنے رکھ کر احکام فقہیہ کی تطبیق کا نازک فریضہ انجام دیا ہے۔

ایک زمانہ تھا جب ایسی جامع شخصیتیں موجود تھیں جو کتاب و سنت، فقہاء کے اجتماعی اقوال، قیاس کے اصولوں اور استنباط کے طریقوں پر حاوی تھیں، شرع کے عمومی مصالح اور تشریع کے اغراض و مقاصد پر ان کی نگاہ تھی اور وہ زمانہ شناس بھی تھے، لہذا انہوں نے اپنے عہد میں اپنی صلاحیتوں کا استعمال اور ورع و تقویٰ کے ساتھ مقاصد شرع اور قوانین دین پر مضبوط گرفت رکھتے ہوئے اپنے وقت کی مشکلات کا حل نکالا۔ ان اصحاب افتاء بزرگوں کا فتویٰ رائج سکے کی طرح مسلم معاشرے میں قبول عام اختیار کرتا رہا۔

موجودہ حالات یہ ہیں کہ معاشرے میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں، سائنس و ٹکنالوجی کی ترقی نے نئے افق پیدا کئے، دنیا ایک چھوٹی سی بستی بن گئی، معاشی اور اقتصادی امور میں نئی ترقیات نے نئے مسائل کھڑے کئے۔ جو لوگ اسلام پر چلنا چاہتے ہیں اور شریعت کو اپنی

معاشرت، تجارت اور زندگی کے دوسرے میدانوں میں معیار ہدایت قرار دے کر زندگی گزارنا چاہتے ہیں ان کے سامنے ایسے سیکڑوں سوالات پیدا ہو رہے ہیں جن کے بارے میں وہ علماء و اصحاب افتاء کی طرف رجوع کرتے ہیں اور رہنمائی کے طالب ہیں۔ دوسری طرف ایسی جامع شخصیتوں کا فقدان ہو گیا جو علم و تحقیق کی بنیاد پر ان مسائل کو حل کر سکیں اور جن کا تہا فتویٰ بھی مسلم معاشرے میں قابل قبول ہو۔

اس لئے ضرورت تھی کہ اجتماعی فکر کی بنیاد ڈالی جائے اور علماء و اصحاب دانش باہمی تبادلہ خیال کے ذریعہ ان مسائل کا ایسا حل نکالیں جو اصول شرع سے ہم آہنگ ہو اور فکری شذوذ سے پاک ہو۔

یہی وہ مقصد تھا جس کے لئے ”مجمع الفقہ الاسلامی الہند“ کی تشکیل عمل میں آئی جس میں علماء اور فقہاء کے علاوہ ارباب علم و دانش، میڈیکل سائنس، معاشیات، سماجیات اور نفسیات کے ماہرین کو بھی شریک کیا گیا ہے، اور خوشی کی بات یہ ہے کہ اس علمی اور تحقیقی عمل کی آواز بازگشت ہندوستان سے باہر بھی سنی جانے لگی ہے۔

(قاضی) مجاہد الاسلام قاسمی

(مؤسس مجمع الفقہ الاسلامی الہند)



ابتنائیه

بسم الله الرحمن الرحيم

ہر عہد میں جو نئے مسائل پیدا ہوں، ان کو حل کرنا علماء کی ذمہ داری اور ان کا فریضہ منصبی ہے، سلف صالحین نے ان مسائل کو حل کرنے کے لئے انفرادی کوششیں بھی کی ہیں، اور اجتماعی طریقہ کار بھی اختیار کیا ہے، یہ اجتماعی طریقہ استنباط زیادہ محفوظ اور مامون صورت ہے، کیونکہ اجتماعی صلاحیت اور کوششوں کے ذریعہ انفرادی کوتاہیوں کی تلافی ہو جاتی ہے، چنانچہ عہد صحابہ میں حضرت عمر فاروقؓ نے اور صحابہ کے بعد حضرت امام ابوحنیفہؒ نے یہی طریقہ اختیار فرمایا۔

موجودہ عہد تیز رفتار تبدیلیوں کا عہد ہے، اسی لئے دنیا کے مختلف ملکوں میں ان اہل علم نے جن کو اللہ تعالیٰ نے دل درد مند اور فکرارجمند سے نوازا ہے، فقہی مجامع قائم کئے ہیں، اور یہ اکیڈمیاں اجتماعی کاوشوں کے ذریعہ ان مسائل کو حل کرنے میں بہت ہی اہم کردار ادا کر رہی ہیں، ہندوستان کے اکابر علماء بھی اس سلسلہ میں محدود سطح پر اجتماعی غور و فکر کے ذریعہ ایسے مسائل کا حل کرنے پر توجہ دیتے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ جزاء خیر دے حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کو کہ انہوں نے اس مقصد کے لئے مستقل طور پر اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کی بنیاد رکھی، اور وسیع سطح پر نئے پیدا ہونے والے فقہی مسائل پر غور و فکر کے لئے ایک عظیم الشان پلیٹ فارم مہیا کیا، جس نے نہ صرف پورے ہندوستان بلکہ بیرون ملک کے اہم فقہاء اور ارباب افتاء کو یکجا کرنے کی

کامیاب کوشش کی ہے۔

چنانچہ اس اکیڈمی کے تحت اب تک ۲۵ فقہی سمینار منعقد ہو چکے ہیں، جن میں بحیثیت مجموعی ۱۳۵ مسائل پر غور کیا گیا ہے، ان سمیناروں کی تجاویز ”اہم فقہی فیصلے“ کے نام سے طبع ہو چکی ہیں، خیال ہوا کہ ان تجاویز کو اگر فقہی ترتیب کے مطابق فقہ اکیڈمی کے فیصلے کے نام سے شائع کیا جائے تو لوگوں کو استفادہ میں زیادہ سہولت ہوگی۔

چنانچہ ترتیب نو کے ساتھ یہ فیصلے شائع کئے جا رہے ہیں، انشاء اللہ کوشش کی جائے گی کہ آئندہ مختلف شعبہ ہائے زندگی سے متعلق تجاویز کو الگ الگ پمفلٹ کی شکل میں شائع کیا جائے، اور لوگوں تک پہنچایا جائے، تاکہ لوگ اپنی ضرورت کے لحاظ سے استفادہ کر سکیں۔

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اکیڈمی کے مؤسس حضرت قاضی صاحب کے درجات بلند فرمائے اور ہم لوگوں کو اس لائق بنائے کہ ان کی اس چھوڑی ہوئی دینی و علمی امانت کی نہ صرف یہ کہ حفاظت کریں، بلکہ اس کے مزید دوام و استحکام کا ذریعہ بنیں، وباللہ التوفیق۔

خالد سیف اللہ رحمانی قاسمی

(جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)

۲۷ فروری ۲۰۱۶ء



باب اول:
تمهیدی امور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا نئے مسائل کے حل کے سلسلہ میں منہج

خالد سیف اللہ رحمانی

”اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا“ نئے مسائل کے حل کے سلسلہ میں کیا نقطہ نظر رکھتی ہے؟
اس کا طریقہ کار کیا ہے؟ اور اس کی کاوشوں کے کیا نتائج و ثمرات سامنے آئے ہیں؟ — یہ اس کم
سواد تحریر کا اصل موضوع ہے، اور اس کی وضاحت کے لئے ان اُمور پر روشنی ڈالنا ضروری ہے:

- کیا اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا؟
- عصر حاضر میں پیش آنے والے مسائل کے حل کے لئے کس قسم کا اجتہاد مطلوب ہے؟
- اجتہاد و استنباط اور نئے مسائل کے حل کے لئے اجتماعی، علمی و تحقیقی کوشش کی کیا اہمیت ہے؟
- ہندوستان میں اسلامک فقہ اکیڈمی کے قیام سے پہلے اجتماعی اجتہاد و استنباط کی کیا مساعی ہوئی ہیں؟

○ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا طریقہ کار اور منہج کیا ہے؟

○ اکیڈمی کی قراردادوں کا تجزیہ۔

○ اکیڈمی کی کاوشوں کے نتائج و اثرات۔

تحقیق دین اور حفاظت دین کی ذمہ داری

یہ بات کتاب و سنت کی صراحتوں سے ثابت ہے اور اس پر اُمت کا اجماع ہے کہ خاتم
النبین جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر نبوت کا سلسلہ تمام ہو چکا ہے اور اب قیامت تک کے لئے وحی

کا سلسلہ بند ہے، لیکن چوں کہ نئے واقعات پیش آتے رہیں گے اور اسی نسبت سے ہر عہد میں نئے مسائل بھی پیدا ہوں گے، نیز دنیا دار الامتحان ہے، اس لئے انسانوں کی اس بستی میں گمراہی کے اسباب بھی باقی رہیں گے، پھر چوں کہ قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے، اس لئے اہل باطل کے لئے اس میں لفظی تحریف تو ممکن نہ ہوگی، لیکن معنوی تحریف کی ناکام و نامراد کوششیں ہوتی رہیں گی اور نصوص کی غلط اور ناقابل قبول تاویلات کرنے والے لوگ بھی پیدا ہوتے رہیں گے، اس لئے نئے مسائل کے حل اور اہل باطل کی دسیسہ کاریوں سے حفاظت کی ضرورت ہمیشہ پڑے گی۔

یہ دونوں ذمہ داریاں رسول اللہ ﷺ سے پہلے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام انجام دیا کرتے تھے، اسی لئے انبیاء کی بعثت میں تسلسل پایا جاتا تھا، اور ایک نبی کے بعد بلا وقفہ دوسرا نبی آیا کرتا تھا، بلکہ بعض اوقات ایک ہی عہد میں دو پیغمبر بھی مبعوث رہا کئے ہیں، رسول اقدس ﷺ کے بعد اب یہ ذمہ داری اُمت محمدیہ کے حوالہ کر دی گئی ہے، اور اُمت کے اب وہ علماء اس فریضہ کو انجام دیں گے جو علم اور تقویٰ سے بہرہ ور ہوں۔

دین کی باطل سے حفاظت اور اصلاح و تجدید کی ذمہ داری اور اس میں تسلسل کو رسول اللہ ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

إِنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مِنْ

يَجْدُدُ لَهَا دِينَهَا۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، حدیث نمبر ۱۹۲۴)

مجدد کو کیا فریضہ انجام دینا ہے؟ اس کی وضاحت ایک اور روایت سے ہوتی ہے، جو رسول اللہ ﷺ سے مرسل نقل کی گئی ہے:

يَحْمِلُ هَذَا الْعِلْمُ مِنْ كُلِّ خَلْفٍ عَدُولَهُ يَنْفُونَ عَنْهُ تَحْرِيفَ

الْغَالِينَ وَإِنْتِحَالَ الْمُبْطِلِينَ وَتَأْوِيلَ الْجَاهِلِينَ۔ (مشکوٰۃ)

المصابیح، کتاب العلم، بحوالہ بیہقی فی کتاب المدخل)

نئے مسائل کے حل یا اجتہاد کی ذمہ داری حضرت عمرو بن العاصؓ کی اس معروف روایت سے معلوم ہوتی ہے:

عن عمرو بن العاص أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إذا حكم الحاكم فاجتهد، ثم أصاب، فله أجران، وإذا حكم فاجتهد، ثم أخطأ، فله أجر - (بخاری، حدیث نمبر ۲۵۳۷)

پھر اس اجتہاد کے منہج اور اسلوب کی توضیح حضرت معاذ بن جبلؓ کی حدیث سے ہوتی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے انھیں یمن بھیجا تو اس موقع پر قضا کے طریقہ کار کے سلسلہ میں ان کا مختصر سا امتحان بھی لیا، جس کا حدیث میں ان الفاظ میں تذکرہ آیا ہے:

إن رسول الله صلى الله عليه وسلم: لما أراد أن يبعث معاذاً إلى اليمن قال: كيف تقضى إذا عرض لك قضاء؟ قال: أقضى بكتاب الله، قال: فإن لم تجد في كتاب الله؟ قال: فبسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: فإن لم تجد في سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا في كتاب الله؟ قال: أجتهد برأبي ولا الو، فضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم صدره، وقال: الحمد لله الذي وفق رسول رسول الله لما يرضى رسول الله - (ابوداؤد، حدیث نمبر ۲۹۵۳)

قاضی شریح کو حضرت عمرؓ نے طریقہ قضا کے سلسلہ میں جو مکتوب تحریر فرمایا ہے، اس میں ہدایت کی گئی ہے:

..... فإن لم يكن في سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم فاقض بما قضى به الصالحون، فإن لم يكن في كتاب الله ولا في سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم

يقض به الصالحون، فإن شئت فتقدم وإن شئت فتأخر، ولا

أرى التأخر إلا خيراً لك۔ (نسائی، حدیث نمبر ۹۹۳۵)

معلوم ہوا کہ اب حفاظت دین اور تحقیق دین دونوں ذمہ داریاں علماء کے کاندھوں پر آگئی ہیں، حفاظت دین کو تجدید سے اور تحقیق دین کو اجتہاد سے تعبیر کیا گیا ہے،۔۔۔ اجتہاد اس لئے ضروری ہے کہ نصوص محدود ہیں، اور واقعات بے شمار، النصوص معدودة والحوادث ممدودة، پس سوال یہ ہے کہ کیا اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے؟ اس کا فیصلہ کتاب اللہ، سنت رسول اور اجماع ہی سے ہو سکتا ہے۔

جہاں تک کتاب اللہ اور سنت رسول کی بات ہے تو ظاہر ہے کہ ان میں سلسلہ اجتہاد بند ہو جانے پر صراحت تو کیا اشارہ بھی موجود نہیں ہے، بلکہ بعض روایات جو اوپر ذکر کی گئی ہیں، وہ اہل علم کی خدمات کے سلسلہ میں تسلسل اور دوام کو بتاتی ہیں، اس سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ فی الجملہ اجتہاد کا سلسلہ قیامت تک قائم رہے گا، قیاس و مصلحت کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ جب نئے مسائل ہر دور میں پیدا ہوتے رہیں گے، تو ان کا حل بھی ہر دور میں ضروری ہوگا، اور ”حل“ کے لئے بہت سی دفعہ اجتہاد کی ضرورت پڑے گی۔ جہاں تک اجماع کی بات ہے تو اجماع مجتہدین کا معتبر ہے اور مجتہدین امت سے باب اجتہاد بند ہونے پر اتفاق تو الگ بات ہے، انفرادی طور پر بھی شاید ہی کسی فقیہ سے باب اجتہاد مسدود ہونے کی بات صراحۃً منقول ہو۔

عباسی خلفاء کے دل میں یہ بات آئی تھی کہ پورے عالم اسلام کو فقہ مالکی کا پابند بنایا جائے، یہ ایک درجہ میں باب اجتہاد کو بند کرنے کی کوشش بھی کہی جاسکتی ہے، لیکن خود امام مالکؒ نے اس کو قبول نہیں فرمایا، بلکہ آپ نے خلیفہ منصور سے فرمایا:

يا أمير المؤمنين! لا تفعل، فإن الناس قد سبقت إليهم أقاويل

وسمعوا أحاديث ورووا روايات، وأخذ كل قوم بما سبق

إليهم وعملوا به ودانوا به فدع الناس وماهم عليه وما

اختار أهل كل بلد لأنفسهم۔ (سير أعلام النبلاء ۷/۷۸)

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ دوسری صدی ہجری پر اجتہاد کا سلسلہ بند ہو چکا ہے، لیکن یہ بات تو کہی جاسکتی ہے کہ دوسری یا چوتھی صدی کے بعد اُمت کے سوادِ اعظم نے تقلید و اتباع کی راہ اختیار کی، مگر یہ کہنا کہ اس کے بعد مجتہدین پیدا ہی نہیں ہوئے یا اجتہاد کو بالکل ہی ترک کر دیا گیا، درست نظر نہیں آتا، اس ضمن میں چند شخصیتوں کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مختلف ادوار میں کارِ اجتہاد کا تسلسل

○ امام احمد بن محمد طحاوی حنفی (متوفی: ۱۲۳ھ) ممتاز محدثین میں ہیں، ابن کمال پاشا نے ان کو مجتہدین فی المسائل میں شمار کیا ہے، یعنی جن مسائل میں صاحب مذہب سے کوئی روایت منقول نہ ہو، وہ ان ہی مسائل میں اجتہاد کر سکتے ہیں اور اصول یا فروع میں صاحب مذہب سے اختلاف نہیں کر سکتے — مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنؤی اس پر نقد کرتے ہوئے کہتے ہیں:

..... فالحق أنه من المجتهدين المنتسبين إلى إمام معين عن

المجتهدين لكن لا يقلدونه، لا في الفروع ولا في الأصول،

لكونهم متصفين بالاجتهاد۔ (التعليقات السنية على الفوائد البهية ۱۳)

چنانچہ امام طحاوی نے ۶۴۳/ مسائل میں امام ابوحنیفہؒ سے اختلاف کیا ہے، اس کے علاوہ متعدد مسائل میں امام ابوحنیفہؒ و صاحبین اور تمام ائمہ حنفیہ سے ان کی رائے مختلف ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: ڈاکٹر عبداللہ نذیر احمد کی ”ابو جعفر الطحاوی، الامام المحدث الفقيه“۔)

○ امام احمد بن میسر قرطبی (م: ۸۲۳ھ) — یہ مالکی شمار کئے جاتے ہیں، لیکن خود ابن فرحون نے ان کے بارے میں نقل کیا ہے:

كان إذا أُسْتُفْتِيَ، ربما يقول: أما مذهب بلدنا فكذا، وأما

الذي أراه فكذا۔ (الديباج المذهب ۴۳)

○ امام عبدالعزیز دارکی (م: ۵۷۳ھ) — یہ شافعی فقیہ ہیں، لیکن ان کے بہت سے فتاویٰ فقہ شافعی اور فقہ حنفی دونوں سے مختلف ہوا کرتے تھے، خطیب بغدادی نے احمد بن عثمان ہمدانی سے نقل کیا ہے:

كان عبد العزيز الداركي: إذا جاءته مسألة يستفتي فيها تفكر طويلا ثم أفتى فيها، وربما كانت فتواه خلاف مذهب الشافعي وأبي حنيفة، فيقال له في ذلك، يقول: ويحكم، حدث فلان عن فلان عن رسول الله صلى الله عليه وسلم بكذا وكذا، والأخذ بالحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أولى من الأخذ بقول الشافعي وأبي حنيفة رضي الله عنهما، إذا خالفاه.

(تاریخ بغداد ۴۶۴/۰۱، نیز دیکھئے: سیر أعلام النبلاء ۵۰۴/۶۱)

○ فقہاء حنفیہ میں امام کرخی (م: ۷۴۳ھ) — شمس الائمہ حلوانی (م: ۸۴۴ھ)، فخر الاسلام بزدوی (م: ۲۸۴ھ)، فخر الدین قاضی خان (م: ۲۹۵ھ)، ابن کمال پاشا نے ان سبھوں کو ”مجتہدین فی المسائل“ میں شمار کیا ہے، جو ان کے بقول اصول وفروع میں صاحب مذہب سے کوئی اختلاف نہیں کر سکتا، لیکن یہ بات کسی بھی صاحب نظر کے لئے محتاج بیان نہیں کہ ان حضرات کو مکمل طور پر مقلد محض قرار دینا واقعہ کے مطابق نہیں ہے، اسی لئے علامہ شہاب الدین مرجانی (م: ۶۰۳۱ھ) نے اپنی کتاب ”ناظورة الحق فی فرضية العشاء وان لم يغب الشفق“ میں ابن کمال پاشا پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

إن ما خالف هؤلاء الأجلة الإمام أباحنيفة من المسائل لا يعد ولا يحصى، ولهم إختيارات فى الأصول والفروع تخالف أصول صاحب المذهب، وأقوال مستنبطة بالقياس والمسموع واحتجاجات بالمنقول والمعقول، على ما لا

يخفى على من تتبع كتب الفقه والخلافات والأصول۔

(حسن التقاضى ۹۰۱، التعليقات السنية ۸۰۱)

○ امام ابو بکر قفال (م: ۷۱۴ھ) — یہ مشہور شافعی عالم ہیں؛ لیکن یہ بہت سے مسائل میں احناف کی رائے پر فتویٰ دیا کرتے تھے، اور برملا امام شافعی سے اختلاف کرتے تھے، علامہ زرکشی نے ان کے بارے میں نقل کیا ہے:

قد نقل عنه في فتاويه أنه قال: لو قال بعثك صاعاً من هذه

الصبرة، نص الشافعي أنه: يجوز، وعندى أنه لا يجوز۔ (البحر

المحيط ۹۰۲/۶)

○ امام ابو عبد اللہ جوینی (م: ۸۳۴ھ) — یہ امام الحرمین کے والد اور فقہاء شوافع میں بہت اونچے پایہ کے حامل فقیہ ہیں، یہ خود اجتہاد کی طرف مائل تھے، اور اس سلسلہ میں ”المحیط“ کی تالیف بھی شروع تھی، لیکن امام بیہقی کی فن حدیث کے پہلو سے بعض تنقیدات کے بعد اس سے رک گئے اور اپنی اس تصنیف کو بھی نامکمل چھوڑ دیا۔ (دیکھئے: الطبقات الشافعية الكبرى ۶۷-۷۷/۵)

○ حافظ ابن عبد البر اندلسی (م: ۳۶۴ھ) — علامہ ذہبی نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

فإنه ممن بلغ رتبة أئمة المجتهدين۔ (سير اعلام النبلاء ۷۱/۸)

○ علامہ ابو الخطاب کلوذانی حنبلی (م: ۷۱۵ھ) — یہ حنبلی المسلک ہیں، لیکن بہت سے مسئلوں میں امام احمد سے ان کی رائے مختلف ہے۔ (دیکھئے: ابن رجب کی ”ذیل علی طبقات الحنابلة ۲۱/۱“)

○ فقہاء حنابلہ میں امام ابو الوفاء علی بن عقیل (م: ۳۱۵ھ) کے یہاں بھی بہت سے اجتہادات ملتے ہیں، جس میں انھوں نے دلیل کی بنیاد پر صاحب مذہب سے اختلاف رائے کیا

ہے، چنانچہ ان کے نزدیک سود صرف اشیاءِ ستہ میں ناجائز ہے، وقف کا استبدال جائز نہیں، گو وہ معطل ہو جائے، اس طرح کے بعض اور مسائل میں بھی ان کی رائے امام احمد سے مختلف ہے۔ (دیکھئے : ذیل علی طبقات الحنابلة ۱/۷۵) — خود امام ابو الوفاء، ”ابو یعلیٰ بن فراء، ابو الفضل ہمدانی اور ابو نصر صباغ“ کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ ان میں اجتہاد مطلق کی شرائط موجود ہیں۔ (طبقات الشافعية الكبرى ۵/۳۲۱)

○ امام الحرمین عبدالملک بن عبداللہ جوینی (م: ۸۷۴ھ) — امام الحرمین کے علمی مقام سے کون صاحب علم نابلد ہوگا؟ علامہ سبکی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

لا يتقيد بالأشعري ولا بالشافعي وإنما يتكلم على حسب

تأدية نظره واجتهاده۔ (طبقات الشافعية الكبرى ۵/۲۹۱)

علامہ قزوینی نے امام الحرمین کو مجتہد ابن المجتہد قرار دیا ہے۔ (دیکھئے : علامہ سیوطی

کی: الرد علی من أخلد إلى الأرض ۱۹۱)

○ امام ذہبی نے ابوبکر بن عربی (م: ۳۴۵ھ) کے بارے میں لکھا ہے کہ:

كان أبو بكر أحد من بلغ رتبة الإجتهد۔ (سير أعلام النبلاء

۱۰۲/۰۲)

○ علامہ ابن رشد قرطبی (م: ۵۹۵ھ) نے تو اپنی مشہور زمانہ کتاب ”بداية المجتهد“

کی تالیف کا مقصد ہی یہ بتایا ہے کہ اس کے ذریعہ طریقہ اجتہاد سے اہل علم آشنا ہو سکیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

إن هذا الكتاب إنما وضعناه ليبلغ به المجتهد في هذه الصناعة

رتبة الإجتهد ، إذا حصل ما يجب أن يحصل قبله من القدر

الكافي له في علم النحو واللغة وصناعة أصول الفقه۔ (بداية

المجتهد ۲/۲۶۱-۳۶۱)

○ علامہ ابن قدامہ موفق الدین مقدسی (م: ۵۲۶ھ) — یہ فقہ حنبلی کے بلند پایہ ترجمان اور ”المغنی“ جیسی عظیم الشان فقہی انسائیکلو پیڈیا کے مؤلف ہیں، ان کے بارے میں ان کے ایک معاصر حنبلی فقیہ ابوبکر محمد بن معالی (م: ۱۱۶ھ) کہتے ہیں:

ما أعرف أحدا في زمانی أدرک الإجتہاد إلا الموفق - (ذیل

طبقات الحنابلہ ۵۳۱/۲)

○ سلطان العلماء امام عزالدین بن عبدالسلام (م: ۶۲۶ھ) — حافظ ذہبی کے بقول وہ مرتبہ اجتہاد کو پہنچ چکے تھے، (العبر فی خبر من غیر ۹۹۲/۳) اور علامہ سبکی نے صراحۃً ان کا اجتہاد مطلق کے درجہ کو پہنچنا نقل کیا ہے اور ان کے بارے میں علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

فی آخر أمره کان لایتقید بالمذہب بل اتسع نطاقه وأفتی بما

أدى إلیه اجتہاد۔ (الرد علی من أخلد الأرض ۳۹۱)

○ امام مذکور کے معاصر شافعی فقیہ ابوشامہ شہاب الدین دمشقی (م: ۵۶۲ھ) کے لئے حافظ ذہبی نے ”العلامة المجتهد“ کے الفاظ استعمال کئے ہیں (دیکھئے: تذکرۃ الحفاظ ۶۴۱/۴) اور ابن السبکی فرماتے ہیں: ”قد بلغ رتبة الإجتہاد“ (طبقات الشافعية الكبرى ۵۶۱/۸)

○ شیخ الاسلام امام ابن دقیق العید (م: ۲۰۷ھ) — یہ بہت ہی بلند پایہ فقہاء شوافع میں ہیں اور فقہ مالکی پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں، وہ ان دونوں ہی دبستان فقہ کی روشنی میں فتاویٰ دیا کرتے تھے، (دیکھئے: ابن فرحون کی الديباج المذہب ۴۲۳) اور طبقات شافعیہ کے مؤلف ان کو مجتہد مطلق قرار دیتے ہیں: إنه شیخ الإسلام المجتهد المطلق - (طبقات الشافعية الكبرى ۷۰۲/۹)

○ شیخ الاسلام علامہ تقي الدين ابن تيمية (م: ۸۲۷ھ) — کا ان کے معاصر حافظ ذہبی نے ”الفقيه المجتهد“ کے الفاظ سے تذکرہ کیا ہے، (تذکرۃ الحفاظ ۶۹۴/۴) اور علامہ ابن کثیر نے ”ابن الزمکانی“ کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

اجتمعت فيه شروط الاجتهاد على وجهها۔ (البداية والنهاية ۴۱/۷۳۱)

اور یہ بات معلوم ہے کہ علامہ ابن تیمیہؒ نے کتنے ہی مسائل میں ائمہ اربعہ سے مختلف نقطہ نظر اختیار کیا ہے۔

○ علامہ شرف الدین ابن قیم جوزیؒ (م: ۷۵۷ھ) — ابن قیمؒ پوری طرح اپنے استاذ علامہ ابن تیمیہؒ کے نقش قدم پر ہیں، اہل علم اچھی طرح واقف ہیں کہ وہ تقلید جاد کے سخت ناقدین میں سے ہیں، انھوں نے افتاء کے سلسلہ میں بعینہ اسی منہج کی تلقین کی ہے جو مجتہدین کے شایانِ شان ہے۔

○ اسی فہرست میں ایک اہم نام امام عبدالوہاب تاج الدین سبکی (م: ۱۰۷۷ھ) کا آتا ہے، ان کا بیان ہے کہ کوئی زمانہ مجتہد سے خالی نہیں رہا، چنانچہ ”خلو الزمان عن المجتہد“ کے سلسلہ میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

المختار أنه لم يثبت وقوعه۔ (جمع الجوامع ۲/۸۹۳)

— اور اس پر علامہ سیوطیؒ تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

هذا تصريح منه بأن الزمان إلى حين عصره ما خلا عن

مجتهد۔ (الرد إلى من اخلد إلى الارض ۸۹۱)

بلکہ علامہ سبکیؒ کو خود اپنے لئے منصب اجتہاد کا دعویٰ کرنے میں کوئی تکلف نہیں ہے:

وأنا الآن مجتهد الدنيا على الإطلاق، كلمة أقولها غير

مدافع۔ (دیکھئے: مقدمہ موسوعة الفقه الاسلامی ۱/۷۳)

○ آٹھویں صدی کے علماء میں ایک اہم شخصیت محمد بن جماعہ (م: ۹۱۷ھ) کی ہے،

علامہ سیوطیؒ ان کا قول نقل کرتے ہیں:

إحالة أهل زماننا وجود المجتهد يصدر عن جبن ما، والافكثيراً

ما يكون القائلون لذلك من المجتهدين وما المانع من فضل

اللہ واختصاص بعض الفيض والوہب والعطاء ببعض أهل

الصفوة - (الرد الى من أخلد إلى الأرض ۸۴۱)

○ نویں ہجری کے علماء میں ایک ممتاز حنفی عالم علامہ محمد حمزہ فناری (م: ۱۳۳۸ھ) ہیں، مولانا عبدالحی صاحب نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

مجتہد عصرہ فی الخلاف والمذہب - (الفوائد البہیہ ۶۶۱)

○ اسی عہد کے لوگوں میں مشہور محدث و فقیہ علامہ کمال الدین ابن ہمام (م: ۱۶۸ھ) ہیں، جن کے بارے میں مولانا عبدالحی صاحب کا بیان ہے کہ لوگوں نے ان کو اہل اجتہاد میں سے شمار کیا ہے۔ (دیکھئے: الفوائد البہیہ اور التعليقات السنیہ ۰۸۱)

○ اسی دور کے ایک ممتاز عالم حافظ جلال الدین سیوطی (م: ۱۱۹ھ) ہیں، یہ دروازہ اجتہاد کے بند ہونے کے بڑے ناقدین میں شمار کئے جاتے ہیں اور اس سلسلہ میں ان کی کتاب ”الرد علی من اخلد الى الارض“ بڑی اہم ہے، چنانچہ علامہ سیوطی خود اپنے حق میں بھی مجتہد ہونے کے مدعی تھے، اور اس سلسلہ میں اپنے معاصر علماء سے ان کی بڑی چشمکیں بھی رہی ہیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: مقدمہ الرد علی من أخلد إلى الأرض ۳۱-۴۱، الضوء اللامع للسخاوی ۷۶/۲)

○ علامہ شوکانی نے معروف حنفی عالم ملا علی قاری (م: ۱۰۱۰ھ) کو بھی مجتہدین اور مجددین میں شمار کیا ہے۔ (دیکھئے: البدرا الطالع ۵۴۴/۱-۶۴۴)

○ اسی فہرست میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ (م: ۱۱۷۱ھ) کا بھی نام آتا ہے، جنہوں نے بہت سے مسائل میں احناف اور شوافع سے اختلاف رائے کیا ہے، بقول نواب صدیق حسن خاں: ”اگر یہ ائمہ مجتہدین کے دور میں پیدا ہوئے ہوتے تو مجتہد مطلق شمار کئے جاتے“، عقد الجید، حجتہ اللہ البالغہ، مسوی اور مصنفی وغیرہ سے شاہ صاحب کا طریقہ استنباط ظاہر ہے۔

○ بارہویں صدی ہجری میں ہمیں علامہ محمد بن اسماعیل صنعانی (م: ۲۸۱۱ھ) کی شخصیت ملتی ہے، جن کا تعارف علامہ شوکانی ”المجتہد المطلق“ کے لفظ سے کرتے ہیں،

(دیکھئے : البدر الطالع للشوکانی ۳۳۱/۲) ، خود علامہ شوکانی دروازہ اجتہاد کے بند ہونے کے تصور کو ایک عجوبہ قرار دیتے ہیں، فرماتے ہیں:

العجب کل العجب ممن يقول بتعذر الاجتهاد في هذه
الأعصار ، وإنه محال ، ما هذا إلا منع لما بسطة الله من فضله
لفحول الرجال (ارشاد النقاد الى تيسير الاجتهاد ۴۰۱)

○ تیرہویں صدی میں ہمیں علامہ شوکانی کا نام ملتا ہے، جو پہلے فقہ زیدی کے متبع تھے اور بعد کو اجتہاد کے مدعی ہوئے، شوکانی کی تحریروں سے واضح ہے کہ انھوں نے کسی خاص دبستان کا اپنے آپ کو پابند نہیں رکھا؛ بلکہ وہ تو مقلد کے لئے فتویٰ دینے کو حرام قرار دیتے ہیں، چنانچہ رقمطراز ہیں:

عندى أن المفتى المقلد لا يحل له أن يفتى من يسأله عن
حكم الله أو حكم رسوله أو عن الحق أو عن الثابت فى
الشريعة أو عما يحل له أو يحرم عليه لأن المقلد لا يدرى
بواحد من هذه الأمور على التحقيق، بل لا يعرفها إلا المجتهد.

(القول المفيد ۸۰۱)

○ تیرہویں صدی ہی میں علامہ شہاب الدین آلوسی (م: ۱۰۷۲ھ) کی شخصیت علم و تحقیق کے اُفق پر نمودار ہوئی، اور انھوں نے اپنی مایہ ناز تفسیر روح المعانی لکھ کر تفسیر قرآن کے کتب خانہ میں ایسا گرانقدر اضافہ کیا جس کی مثال کم ملتی ہے، یہ شافعی المذہب تھے، لیکن بہت سارے مسائل میں فقہ حنفی کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے، خود ان کی تفسیر اس پر شاہد ہے۔

اس اخیر دور میں علامہ جمال الدین افغانی (م: ۱۳۱۵ھ)، مفتی محمد عبدہ (م: ۱۳۲۳ھ)، شیخ محمد رشید رضا مصری (م: ۱۳۵۳ھ)، فقیہ شام شیخ محمد جمال الدین قاسمی (م: ۱۳۳۱ھ) وغیرہ ان زعماء میں ہیں جنھوں نے خاص طور سے اجتہاد پر زور دیا۔

کیا کوئی عہد مجتہد سے خالی ہو سکتا ہے؟

اس لئے حقیقت یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین کے بعد مختلف صلاحیتوں اور درجات کے حامل مجتہدین ہر دور میں پیدا ہوتے رہے ہیں، اس سلسلہ میں علماء اصول کی اس مشہور بحث کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے جو کسی عہد کے مجتہدین سے خالی رہنے اور نہ رہنے سے متعلق ہے، اس پر تو سب متفق ہیں کہ قیامت کی واضح علامتوں کے ظہور کے وقت دنیا مجتہد سے خالی رہے گی (دیکھئے: التقرير والتحییر ۹۳۳/۳، مسلم الثبوت مع فواتح الرحموت ۹۹۳/۲) لیکن کیا اس سے پہلے بھی ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی زمانہ مکمل طور پر مجتہدین سے خالی ہو؟ --- اس سلسلہ میں دو نقاط نظر ہیں، ایک یہ کہ ایسا ممکن ہے، علامہ آمدی نے اسی کو قول مختار قرار دیا ہے (الإحكام فى أصول الأحكام ۳۱۳/۲)، امام رازی نے بھی اسی کو درست قرار دیا ہے (دیکھئے: زرکشی کی البحر المحيط ۷۱۲/۶)، یہی رائے علامہ ابن ہمام اور علامہ محب اللہ بہاری کی ہے۔ (دیکھئے: التحرير، مسلم الثبوت ۹۹۳/۲)

دوسری رائے یہ ہے کہ کوئی عہد مجتہد سے خالی نہیں ہو سکتا، عام طور پر فقہاء حنابلہ کا رجحان اسی طرف ہے، ابن مفلح حنبلی، قاضی عبدالوہاب مالکی، فقہاء شوافع میں ابو عبد اللہ زبیدی اور علامہ ابواسحاق اسفرائینی وغیرہ کا یہی نقطہ نظر ہے (اس سلسلہ میں تفصیل کے لئے دیکھئے: البحر المحيط ۸۶۱-۸/۶، اور علامہ سیوطی کا رسالہ: الرد على من أخلد إلى الأرض وجهل أن الاجتهاد فى كل عصر فرض)، علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں:

أَنْ لَا يَخْلُو الْعَصْرُ عَنْ مُجْتَهِدٍ إِلَّا إِذَا تَدَاعَى الزَّمَانُ وَقُرْبَتِ
السَّاعَةُ فَالْأَرْضُ لَاتَخْلُو مِنْ قَائِمٍ لِلَّهِ بِالْحُجَّةِ لِأَنَّ الْخَلْوَ مِنْ
مُجْتَهِدٍ يُلْزَمُ مِنْهُ إِجْمَاعُ الْأُمَّةِ عَلَى الْخَطَا هُوَ تَرْكُ الْجَاهِلِيَّةِ

الذی هو فرض کفایۃ۔ (البحر المحيط ۸۰۲/۶، ارشاد الفحول ۳۵۲)

پھر جو لوگ اس بات کو ممکن سمجھتے ہیں کہ کوئی زمانہ مجتہد سے خالی ہے، ان میں بعض حضرات کا تو خیال ہے کہ عملاً اس کا وقوع بھی ہوا ہے؟ امام غزالی اور امام رازی فرماتے ہیں کہ یہ

زمانہ مجتہد مستقل سے خالی ہو چکا ہے:

قد خلا العصر عن المجتهد المستقل۔

— اور علامہ زرکشی نے امام رافعی سے نقل کیا ہے:

الخلق كالمفتقين على أن لا مجتهد اليوم۔ (دیکھئے : البحر

المحيط ٤٠٢/٦ ، نیز ارشاد الفحول ٣٥٢)

— اسی طرح نجم الدین ابن حمدان حنبلی (م: ٥٩٦ھ) فرماتے ہیں:

إن المجتهد المطلق قد عدم منذ زمن طويل الخ۔ (صفة الفتوى

والمفتى والمستفتى ٤١)

اور امام نوویؒ کا بیان ہے:

ومن دهر طويل عدم الفتى المستقل وصارت الفتوى الى

المنتسبين إلى ائمة المذاهب المتنوعة۔ (آداب الفتوى والمفتى

والمستفتى ٥٢)

علامہ سیوطی جو خود اجتہاد کے مدعی ہیں، انہیں بھی اعتراف ہے کہ:

إن المفتى المجتهد المستقل الذى استقل بقواعد لنفسه يبنى

عليها الفقه، خارجاً عن قواعد المذاهب المقررة، قد فقد

من دهر، بل لو أرادہ الانسان اليوم لامتنع عليه، ولم يجوز له،

نص عليه غير واحد۔ (الرد على من اخلد الى الارض ٣١-٢١١)

اس کے مقابل دوسرا نقطہ نظریہ ہے کہ کسی زمانہ کا مجتہد سے خالی ہونا ممکن تو ہے، لیکن ایسا

ہوا نہیں ہے، یہی رائے ابن السبکی کی ہے (دیکھئے: جمع الجوامع ٨٩٣/٢) کیوں کہ اجتہاد ہر عہد

میں فرض کفایہ ہے، اگر کسی زمانہ میں کوئی مجتہد نہ ہو تو فرض کفایہ سے محرومی کی نوبت آئے گی، ان

حضرات نے بعض احادیث اور آثار صحابہ سے بھی استدلال کیا ہے، لیکن درحقیقت ان دونوں آراء

میں کوئی تضاد نہیں، جو لوگ بعض ادوار کے مجتہد سے خالی ہونے کے قائل ہیں، ان کا منشا ”مجتہد مطلق مستقل“ ہے اور جن حضرات نے اس سے انکار کیا ہے، ان کے پیش نظر مجتہد منتسب ہے، چنانچہ علامہ زرکشی فرماتے ہیں:

والحق أن العصر خلا عن المجتهد المطلق المستقل لا عن

مجتهد في مذهب أحد لائمة الأربعة۔ (البحر المحيط ۹۰۲/۶)

— اور ابن امیر الحاج کے نزدیک یہ بات متفق علیہ ہے، ما اظن أن احداً يخالف

فی هذا۔ (البحر المحيط ۹۰۲/۶)

ان سطور سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ:

○ اجتہاد کے بارے میں جمہور اُمت کا نقطہ نظر یہی ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے، بلکہ اجتہاد ہر عہد میں ممکن ہے، خود فقہاء حنفیہ نے قاضی کے لئے اس بات کو مستحب قرار دیا ہے کہ وہ مجتہد ہو، اگر اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا ہوتا تو کیسے قضا کے لئے استحسان کے درجہ میں اجتہاد کے وصف کا ذکر کیا جاتا؟

○ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عہد تقلید میں بھی بہت سے ایسے اہل علم پیدا ہوئے ہیں جن کو اہل علم نے مجتہد مطلق کے درجہ پر مانا ہے اور بعض لوگ وہ ہیں جنہوں نے خود اپنے تئیں مجتہد ہونے کا دعویٰ کیا ہے، اور وہ لوگ جو کسی خاص دبستان فقہ میں رہتے ہوئے اجتہاد و استنباط سے کام لیتے ہیں، کی تو اچھی خاصی تعداد ہر دور میں موجود رہی ہے، اس لئے یہ کہنا کہ کسی خاص عہد کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا، درست نہیں۔

تقلید و اجتہاد — دونوں ضروری

البتہ یہ ضرور ہے کہ چوتھی پانچویں صدی ہجری کے بعد اُمت کے سوادِ اعظم نے ائمہ اربعہ کی تقلید کی راہ اختیار کی اور دین کو نفس پرستی سے بچانے کے لئے اسی کو مؤثر ذریعہ قرار دیا،

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جن کی وسیع الفکری اور فراخ مشربی معروف ہے، رقمطراز ہیں:

منها ان هذه المذاهب الأربعة المدونة المحررة قد اجتمعت
الأمّة أو من يعتد منها على جواز تقليدها إلى يومنا هذا وفي
ذلك من المصالح ما لا يخفى، بما في هذه الأيام التي قصرت
فيها الهمم جدا أو أشربت النفوس الهوى وأعجب كل ذي
رأى برأيه. (حجة الله البالغة مترجم ۶۷۳/۱)

ان باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ مذاہب اربعہ — جو لکھی ہوئی مدون صورت میں
موجود ہیں، — پوری اُمت یا کم از کم اُمت کے قابل لحاظ طبقہ نے آج تک ان کی تقلید جائز
ہونے پر اتفاق کیا ہے، ان میں جو مصلحتیں ہیں بالخصوص موجودہ حالات میں جب کہ ہمتیں کوتاہ
ہیں، ہوئی پرستی کا دور ہے اور ہر شخص اپنی رائے پر نازاں ہے، وہ مخفی نہیں۔

اس لئے یہ تو صحیح ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے اور یہ قیامت تک جاری رہے گا،
لیکن موجودہ دور میں ہوی و ہوس کے غلبہ اور عالم اسلام میں سیاسی دباؤ اور مذہبی طبقہ پر اصحاب
اقتدار کی گرفت کے پس منظر میں عمومی طور پر بہتر صورت تقلید ہی کی ہے، اسی لئے علامہ اقبال
جیسے روشن خیال اور دیدہ ور صاحب نظر کو کہنا پڑا —

اجتہاد اندر زمانِ انحطاط قوم را برہم ہی پیچد بساط
ز اجتہاد عالمانِ کم نظر اقتداء بر رفتگان محفوظ تر

— کہیں تقلید کو اُمت کی جمعیت کے قائم رہنے کا رمز قرار دیتے ہیں۔
مضمحل گردد چوں تقویم حیات ملت از تقلید می گیرد ثبات
راہ آباء رو کہ ایں جمعیت است معنی تقلید ضبط ملت است

اس لئے تقلید بھی ایک ضرورت ہے اور ہر عہد میں پیدا ہونے والے مسائل کو حل کرنے
کے لئے اجتہاد بھی ضروری ہے!

اجتہاد کی قسمیں

اس پس منظر میں اجتہاد کی مختلف اقسام پر ہماری نظر ہونی چاہئے، مختلف دبستانِ فقہ میں مجتہدین کی ان کی اہلیت اور کام کے اعتبار سے مختلف قسمیں کی گئی ہیں، اور ایک حد تک اس تقسیم میں توافق اور ہم آہنگی بھی ہے، فقہ مالکی میں علامہ صاوی نے تین قسمیں کی ہیں:

اعلم ان المجتهد ثلاثة اقسام: مجتهد مطلق ومجتهد مذهب،

ومجتهد فتویٰ۔ (حاشیہ صاوی علی الشرح الصغير للدردیر ۸۸۱/۱)

پھر مجتہد مطلق میں صحابہ اور ائمہ اربعہ کو شامل کیا ہے، مجتہد مذہب میں ابن قاسم اور اشہب کو اور مجتہد فتویٰ میں اس مذہب فقہی سے متعلق بلند پایہ مصنفین کو — وہ مجتہد مذہب اور مجتہد فتویٰ کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

مجتهد المذهب: هو الذي يقدر على إقامة الأدلة في مذهب

إمامه ومجتهد الفتوى: هو الذي يقدر على الترجيح۔

(حاشیہ الصاوی علی الشرح الصغير للدردیر ۸۸۱/۱)

مجتہد مذہب وہ ہے جو اپنے امام کے مسلک پر دلیل قائم کر سکتا ہو اور مجتہد فتویٰ وہ ہے جو ترجیح پر قادر ہو۔

علامہ شاطبی نے ایسے مجتہدین کا بھی ذکر کیا ہے جو فروع میں اجتہاد کرتے ہوں اور اصول میں مقلد ہوں، وصاروا في عداد أهل الاجتهاد مع انه عند الناس مقلدون في الأصول لائمهم، (الموافقات ۴/۸۴) اس کے علاوہ علامہ قرانی نے حفاظ مذہب کی حیثیت سے ان مقلدین کا ذکر کیا ہے، جو اس دبستانِ فقہ کے اجتہادات پر نظر رکھتے ہوں۔

(دیکھئے: الفروق ۲/۷۰۱، الاحکام فی تمیز الفتاوی عن الاحکام ۳۴۲)

فقہاء شوافع کے یہاں بھی مجتہد کی بنیادی طور پر دو قسمیں ملتی ہیں، مستقل اور منتسب،

حافظ ابن صلاح کے بقول مجتہد مستقل سے مراد وہ ہیں جو کسی کی تقلید کے بغیر براہ راست اولہ شرعیہ سے احکام شرعیہ کا استخراج کرتے ہوں، الذی یستقل بإدراک الأحکام الشرعیة من الأدلة الشرعیة من غیر تقلید و تقید مذهب أحد۔ (أدب المفتی والمستفتی ۶۲)

مجتہد منتسب کی پھر حافظ ابن صلاح نے چار قسمیں کی ہیں:

اول: وہ جو نہ احکام میں مقلد ہو اور نہ دلائل میں، لیکن طریقہ اجتہاد میں ہم آہنگی کی وجہ سے کسی امام کی طرف منسوب ہوتا ہو، — اجماع کے منعقد ہونے اور نہ ہونے میں بھی اس کے اتفاق و اختلاف کا اعتبار ہوگا۔ (أدب المفتی والمستفتی ۲۳، نیز دیکھئے: شرح مہذب ۴۴/۱)

دوسرا درجہ: ان مجتہدین منتسبین کا ہے جو نئے واقعات میں (جن کی بابت خود صاحب مذہب کی رائے منقول نہیں) اجتہاد و استنباط سے کام لیتے ہیں (أدب المفتی والمستفتی ۲۳) یعنی اصحاب تخریج یا اصحاب وجہ۔

تیسرا درجہ: اصحاب ترجیح کا ہے (دیکھئے: شرح مہذب ۴۴/۱) — ان کے بعد حافظین مذہب ہیں جن کا حافظ ابن صلاح اور امام نووی وغیرہ نے ذکر کیا ہے (دیکھئے: ادب المفتی والمستفتی ۶۳، المجموع ۴۴/۱) گویا مجتہد مطلق مستقل کے بعد بھی مجتہدین کے تین اور مراتب ہیں، مجتہدین منتسبین، اصحاب تخریج اور اصحاب ترجیح۔

فقہاء حنابلہ میں بھی مجتہد کی مختلف قسمیں کی گئی ہیں، چنانچہ علاء الدین مرداوی (م: ۵۸۸ھ) نے اپنی کتاب ”الإنصاف فی معرفة الراجح من الخلاف“ کے آخر میں قاضی ابن حمدان کے حوالہ سے مجتہد کی چار قسمیں لکھیں ہیں: مجتہد مطلق، دوسرے: اپنے امام یا دوسرے امام کے مذہب میں مجتہد، تیسرے: کسی خاص باب فقہی میں مجتہد، مجتہد فی نوع العلم، چوتھے: ایک یا چند مسائل میں مجتہد، — پھر ابن حمدان نے مجتہد فی المذہب کے چار احوال بتائے ہیں۔ اول: یہ کہ طریقہ استنباط میں مقلد ہو، اور دلیل اور حکم میں مقلد نہ ہو، دوسرے: اصحاب تخریج، تیسرے: اصحاب ترجیح، چوتھے: حفاظ مذہب (دیکھئے: الإنصاف ۵۸۳-۸۸/۳)

(ان میں حفاظ مذہب پر مجتہد کا اطلاق محل نظر ہے، اس لحاظ سے ابن حمدان کی تقسیم کے مطابق مجتہد مطلق کے علاوہ مجتہد کی تین قسمیں قرار پاتی ہیں: (۱) مجتہد منتسب، (۲) صاحب تخریج، (۳) صاحب ترجیح۔ البتہ حنابلہ میں علامہ ابن قیمؒ نے اصحاب تخریج اور اصحاب ترجیح کو ایک ہی درجہ میں رکھا ہے۔ (دیکھئے: أعلام الموقعین ۴/۳۲۱))

رہ گیا ایک باب یا ایک یا چند مسائل میں مجتہد ہونا تو اس کا تعلق اصل میں تجزی اجتہاد کے مسئلہ سے ہے، جن حضرات کے نزدیک اجتہاد میں تجزی ہو سکتی ہے، ان سبھی حضرات کے نزدیک اجتہاد کی یہ قسم پائی جائے گی۔

حنفیہ کے یہاں مجتہدین کے طبقات

فقہاء حنفیہ کے یہاں غالباً سب سے پہلے علامہ ابن الہمام اور ان کے شاگرد ابن امیر الحاج کے یہاں مجتہد مطلق کے علاوہ مجتہد فی المذہب کا ذکر ملتا ہے (دیکھئے: التقرير والتحییر ۳/۶۴۱) تاہم طبقات فقہاء کی مفصل درج بندی شمس الدین رومی معروف بابن کمال پاشا (م: ۷۰۴۹ھ) کے یہاں ملتی ہے، جس کو علامہ شامی نے رسم المفتی میں نقل کیا ہے، یہی درجہ بندی ابن کمال کے ایک اور معاصر مصنف محمود ابن سلیمان کفوی نے اپنی کتاب ”کتائب أعلام الاخیار فی مذہب النعمان المختار“ میں بھی ذکر کیا ہے، لیکن ڈاکٹر عجیل جاسم شمی نے ایک مخطوطہ ”طبقات ذیلہ لی“ کے حوالہ سے حافظ قاسم بن قطلوبغا (م: ۷۸۷ھ) سے نقل کیا ہے، اور ابن قطلوبغا نے اسے شہاب الدین مقریزی شافعی (م: ۷۴۸ھ) سے نقل کیا ہے (دیکھئے: مقدمہ الفصول فی الاصول للجصاص ۲۰) اس طرح غالباً حنفیہ کے یہاں یہ تقسیم شوافع ہی کے یہاں سے ماخوذ ہے۔

بہر حال ابن کمال پاشا نے مجتہدین کی پانچ یا چھ قسمیں کی ہیں:

۱۔ مجتہدین فی الشرع — یعنی وہ فقہاء جو نہ اصول میں کسی کے مقلد ہیں اور نہ فروع کے

استنباط میں۔

۲- مجتہدین فی المذہب — وہ مجتہدین جو اُصول میں مقلد ہوں، لیکن صاحب مذہب کے مقرر کئے ہوئے اُصولوں کی روشنی میں احکام کے استنباط کی صلاحیت رکھتے ہوں اور فروع میں مقلد نہ ہوں۔

۳- مجتہد فی المسائل — جن مسائل میں صاحب مذہب کی کوئی رائے منقول نہیں ہو، ان میں احکام کا استنباط کرتے ہیں۔

ان تینوں کو ابن کمال پاشا نے مجتہدین میں شمار کیا ہے۔

۴- اصحابِ تخریج — یہ اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتے، لیکن اگر امام کا کوئی قوم مجمل اور دو صورتوں کا محتمل ہو تو اُصول و ضوابط سے واقفیت اور آگہی کی بناء پر وہ اس کی مراد و مقصود کی تعیین کر سکتے ہیں۔

۵- اصحابِ ترجیح — اگر کسی مسئلہ میں اس مذہب فقہی کی ایک سے زیادہ رائے منقول ہو، تو یہ ان میں سے کسی ایک رائے کو ترجیح دیتے ہیں۔

۶- اصحابِ تمیز — یعنی مقلدین میں وہ اہل علم جو قوی اور ضعیف اور ظاہر و نادر اقوال میں فرق کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور اصحابِ ترجیح کی ترجیحات سے واقف ہوں۔ (

دیکھئے: شرح عقود رسم المفتی ۹۲-۲۳، ردالمحتار ۸۱/۱)

۷- عام مقلدین — یعنی جو مذکورہ امور میں سے کسی پر بھی قادر نہ ہوں۔

گویا ابن کمال پاشا کی تفصیل کے مطابق تین طبقے مجتہدین کے ہوئے اور چار مقلدین کے، دوسرے انھوں نے ”مجتہدین فی المسائل“ اور اصحابِ تخریج میں فرق کیا ہے، ان کے نزدیک اصحابِ تخریج کا کام صرف اجمال و ابہام کی تعیین و توضیح ہے، جب کہ دوسرے فقہاء کے ہاں ”مجتہدین فی المسائل“ کو اصحابِ تخریج کا نام دیا گیا ہے، یعنی ان کا کام ان مسائل میں اجتہاد و استنباط کرنا ہے، جن میں صاحبِ مذہب سے کوئی رائے منقول نہیں ہو، حقیقت یہ ہے کہ تخریج و ترجیح بھی ایک حد تک اجتہاد و استنباط ہی کا کام ہے، جن مسائل میں صاحبِ مذہب سے

رائے منقول نہ ہو ان میں اجتہاد کرنا اولہ شرعیہ سے استفادہ کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے، اسی طرح مذہب کے مختلف اقوال میں، ترجیح کے لئے صاحب مذہب کے اُصول و قواعد میں پوری بصیرت کی بھی ضرورت ہے، اور اولہ شرعیہ سے باخبری کی بھی؛ کیوں کہ بعض دفعہ مختلف اقوال میں دلیل کی بنیاد پر بھی ترجیح دی جاتی ہے۔

مجتہدین کی جملہ اقسام

اس طرح فی الجملہ مجتہدین کی حسب ذیل قسمیں ہوں گی:

۱۔ مجتہد مطلق — جو اُصول اور فروع دونوں میں مجتہد ہو۔

۲۔ مجتہد منتسب — جو ہو تو خود مجتہد، لیکن کسی اور مجتہد مطلق کے نہج کا پابند ہو، جیسے امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ وغیرہ۔

۳۔ وہ مجتہد جو اُصول میں مقلد ہو اور فروع میں اجتہاد سے کام لیتا ہو۔

۴۔ مجتہد فی المسائل — یعنی جن مسائل میں صاحب مذہب امام سے کوئی رائے منقول نہ ہو، ان میں ان ہی کے مقرر کئے ہوئے اُصول کی روشنی میں نصوص سے اجتہاد و استنباط کرتا ہو۔

۵۔ اصحاب تخریج — جن مسائل میں صاحب مذہب کا قول مجمل و مبہم ہو اور اس میں ایک سے زیادہ معنی مراد لینے کی گنجائش ہو، ان میں کسی ایک قول کی تعیین اور اجمال و ابہام کی تفصیل اصحاب تخریج کی ذمہ داری ہوتی ہے اور اس کے لئے بھی گہرے علم اور بصیرت کی ضرورت ہے، کیوں کہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی مسئلہ میں امام کا کوئی صریح قول منقول ہوتا ہے اور اصحاب تخریج امام کے دوسرے قول کو نظیر بناتے ہوئے اس میں دوسرا قول بھی ذکر کرتے ہیں اور بعض اوقات متبعین مذہب اسی کو ترجیح دیتے ہیں، جیسے امام احمد سے منقول ہے کہ جس شخص کے پاس پاک کپڑے نہ ہو، وہ فی الحال ناپاک کپڑوں میں ہی نماز ادا کر لے، اور بعد میں اس کا اعادہ کر لے، امام احمد سے ایک دوسرا مسئلہ اس طرح منقول ہے کہ اگر نماز پڑھنے کے لئے پاک جگہ میسر نہ ہو تو

ناپاک جگہ میں ہی نماز ادا کر لے، اور اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، اس دوسرے قول کو بنیاد بنا کر اصحابِ تخریج نے ناپاک کپڑوں میں نماز کے سلسلہ میں بھی امام احمد کا ایک قول مستنبط کیا ہے کہ ان ہی کپڑوں میں نماز ادا کر لے، اور نماز کو لوٹانے کی ضرورت نہیں، یہ دوسرا قول تخریج کہلائے گا (دیکھئے: شرح مختصر الروضہ ۱۲۶/۳) اس لئے تخریج کے کام کو کم اہم نہ سمجھنا چاہئے۔

علامہ قرافی اصحابِ تخریج کی ذمہ داریوں کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فلا يجوز التخریج حينئذٍ إلا لمن هو عالم بتفاصيل أحوال
الأقضية والعلل ورتب المصالح وشروط القواعد وما يصلح
ان يكون معارضا ومالا يصلح، وهذا لا يعرفه إلا من يعرف
أصول الفقه معرفة حسنة، فإذا كان موصوفا بهذه الصفة
وحصل له، هذا المقام تعين عليه مقام آخر، وهو النظر وبذل
الجهد في تصفح تلك القواعد الشرعية..... فإذا بذل جهده
فيما يعرفه ووجد مايجوز أن يعتبره إمامه فارقاً أو مانعاً أو
شرطاً وهو ليس في الحادثة التي يروم تخریجها حرم عليه
التخریج، واذ لم يجد شيئاً بعد الجهد وتمام المعرفة جاز له

التخریج حينئذٍ۔ (كتاب الفروق للقرافی ۸۰۱/۲)

۶- اصحابِ ترجیح -- یہ وہ اہل علم ہیں جو ایک ہی مذہب کی متضاد اور متعارض آراء کے درمیان ترجیح سے کام لیتے ہیں، ان کے لئے بھی اس مذہبِ فقہی کے اصول پر اپنے عہد کے حالات اور اس کے تقاضوں پر اور فی الجملہ ادلہ شرعیہ اور اس کے اصولوں پر نظر کا حامل ہونا ضروری ہے، کیوں کہ بعض اقوال کو عرف و ضرورت کی مطابقت اور استحسان یا قیاس سے زیادہ موافقت وغیرہ کی وجہ سے بھی ترجیح دی جاتی ہے، اور اس کے لئے ادلہ شرعیہ پر نظر اور زمانہ آگہی ضروری ہے۔

مجتہدین کی ان اقسام پر غور کیجئے تو موجودہ دور میں نئے مسائل کو حل کرنے کے لئے

اجتہاد فی المسائل (جن کو بعض اہل علم نے تخریج سے تعبیر کیا ہے) اور ترجیح کی ضرورت پڑے گی جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

کیا اجتہاد مطلق کی ضرورت ہے؟

اجتہاد مطلق کی اس دور میں چنداں ضرورت نہیں کیوں کہ اس میں فائدہ سے زیادہ نقصان کا اندیشہ اور خدا پرستی کے بجائے نفس پرستی پیدا ہو جانے کا امکان ہے اور غور کیا جائے تو اس کی ضرورت بھی نہیں، کیوں کہ مجتہد کو بنیادی طور پر چار کام کرنے ہوتے ہیں:

- ۱۔ اگر نص میں ایک سے زیادہ معنوں کا احتمال ہو تو شارع کے مقصد و منشأ کی تعیین۔
- ۲۔ اگر نصوص میں بظاہر تعارض محسوس ہو تو تعارض کو دور کرنا، خواہ دونوں میں تطبیق پیدا کی جائے یا ایک کو نسخ دوسرے کو منسوخ سمجھا جائے یا ایک کو راجح دوسرے کو مرجوح قرار دیا جائے۔
- ۳۔ جو نصوص تعبدی اور ناقابل قیاس نہیں ہیں، ان میں حکم کی علت متعین کرنا۔
- ۴۔ جو واقعات پیش آئیں، ان میں اس علت کو منطبق کرنا۔

مجتہد مطلق بنیادی طور پر ان میں سے پہلے تین امور کو انجام دیتا ہے، اور یہ تین امور وہ ہیں کہ سلف صالحین ان سے فارغ ہو چکے ہیں، نصوص کے مفہوم کی تعیین، ان کی تحقیق اور ان سے علت کا استنباط و استخراج کی خدمات اتنے بڑے پیمانے پر انجام پا چکی ہیں کہ اب ان میں اضافہ کی بہت کم گنجائش باقی رہ گئی ہے، البتہ چوتھا کام یعنی ہر عہد میں پائے جانے والے مسائل پر نصوص سے ثابت اور مستنبط علت کی تطبیق وہ عمل ہے جو قیامت تک جاری رہے گا، اسی کو فقہاء نے ”تحقیق مناط“ سے تعبیر کیا ہے، دراصل قیاس کا عمل تین مرحلوں سے گذرتا ہے، تخریج مناط، تنقیح مناط اور تحقیق مناط، ان میں تخریج و تنقیح کا تعلق علت کے استخراج و استنباط سے ہے اور تحقیق مناط کا تعلق علت کی تطبیق سے، چنانچہ علامہ آمدی فرماتے ہیں:

اما تحقیق المناط فهو النظر في معرفة وجود العلة في الاحاد

الصورة بعد معرفتها في نصها سواء كانت معروفة بنص أو

إجماع أو إستنباط. (الإحكام في أصول الأحكام للآمدى ۵۳۳/۳)

پس، ”تحقیق مناط“ قیاس کی ایک ایسی قسم ہے جو قیامت تک باقی رہے گی؛ کیوں کہ یہ رسول اللہ ﷺ پر ختم نبوت اور شریعت کی ابدیت و دوام کا لازمی تقاضا ہے۔

ضرورة قول ضعیف پر فتویٰ

نئے مسائل کے سلسلہ میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ عرف کی تبدیلی اور ضرورت کے تقاضے کے تحت بعض اجتہادی احکام میں تبدیلی قبول کی جاتی ہے، اس کی ایک صورت زمانہ قدیم سے یہ اختیار کی جاتی رہی ہے کہ ازراہ ضرورت مذہب کے کسی قول مرجوح پر فتویٰ دیا جاتا ہے، یا دوسرے فقہاء مجتہدین کی آراء سے استفادہ کیا جاتا ہے، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:

قلت: لكن هذا في غير موضع الضرورة، فقد ذكر في حيض

البحر في بحث ألوان الدماء أقوالاً ضعيفة، ثم قال: وفي المعراج

عن فخر الأئمة: لو أفتى مفتي بشيئ من هذه الأقوال في مواضع

الضرورة طلباً للتيسير كان حسناً، وكذا قول أبي يوسف في

المنى إذا خرج بعد فتور الشهوة ليجب به الغسل ضعيف

وأجازوا العمل به للمسافر، والضعيف الذي خاف الريبة

كما سيأتى في محله وذلك من مواضع الضرورة. (شامی ۱۵/۱)

..... میں کہتا ہوں کہ یہ ان مواقع کے لئے ہے جہاں کہ ضرورت نہیں، بحر کی

کتاب الحیض میں ”ألوان دم“ کی بحث میں چند ضعیف اقوال نقل کئے گئے

ہیں، پھر کہا ہے کہ ”معراج“ میں فخر الأئمة سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر مفتی

ضرورت کے موقع پر ان اقوال میں سے کسی پر ازراہ سہولت فتویٰ دے تو

یہ بہتر ہوگا، منی کے سلسلہ میں امام ابو یوسفؒ کی رائے کہ فتور شہوت کے بعد منی نکلنے سے غسل واجب نہ ہوگا، ضعیف ہے، مگر فقہاء نے مسافر اور ایسے مہمان کے لئے اس کی اجازت دی ہے، جو اتہام کا اندیشہ رکھتا ہو — اپنی جگہ یہ بحث آئے گی — اور یہ مواقع ضرورت میں سے ہے۔

اسی طرح ”تضمین ساعی“ کے قائل امام زفر ہیں، اور امام زفر کا قول ائمہ ثلاثہ کے مقابل مقبول نہیں، مگر ازراہ ضرورت فقہاء متاخرین نے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔

ضرورت ایک فقہ سے دوسری فقہ کی طرف عدول

یہی معاملہ ایک فقہ سے دوسرے فقہ کی طرف کسی خاص مسئلہ میں عدول کا ہے کہ ضرورت کے مواقع پر دوسرے مجتہدین کی آراء سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

والحاصل أنه إذا اتفق أبو حنيفة وصاحباہ علی جواب لم یجز

العدول عنه إلا للضرورة۔ (رسم المفتی ۷۰، سعیدیہ سہارنپور)

خلاصہ یہ ہے کہ امام صاحب اور صاحبین جس جواب پر متفق ہوں اس سے عدول جائز نہیں، البتہ ضرورت کی بنا پر جائز ہے۔

”ممتدة الطهر“ عورت کی عدت کے سلسلہ میں فقہاء مالکیہ کی رائے ہے کہ نو ماہ کے اختتام پر اس کی عدت تمام ہو جائے گی، بزازیہ میں اسی قول پر فتویٰ دیا گیا ہے، شامی اسی ذیل میں فرماتے ہیں:

نظير عدة ممتدة الطهر التي بلغت بروية الدم ثلاثة أيام ثم امتد طهرها فإنها تبقى في العدة إلى أن تحيض ثلاث حيض وعند مالك تنقضي عدتها بتسعة أشهر وقد قال في البزازیة : الفتوى في زماننا على قول مالك وقال الزاهدي

كان بعض أصحابنا يفتون به للضرورة - (ردالمحتار ۳/۳۰۳ ،

نیز دیکھئے : کتاب مذکور ۲/۲۰۲)

جس عورت کو تین دنوں خون آیا اور وہ بالغ ہوگئی ، پھر اس کا طہر طویل تر ہو گیا ، ایسی ممتدة الطہر عورت تین حیض تک عدت میں رہے گی ، امام مالکؒ کے نزدیک نو ماہ میں اس کی عدت پوری ہو جائے گی اور بزاز یہ میں کہا ہے کہ ہمارے زمانہ میں امام مالکؒ کے قول پر فتویٰ ہے اور زاہدی کا بیان ہے کہ ہمارے بعض اصحاب اسی پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔

حنفیہ کے یہاں مدیون کی کوئی ایسی چیز حاصل ہوگئی جو دین کی جنس سے ہو تو وہ اپنا دین وصول کر سکتا ہے ، اگر خلاف جنس شئی حاصل ہوئی ہو تو اس سے دین وصول نہیں کر سکتا ، لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک وصول کر سکتا ہے ، اس پر حنفی نے ”المجتبیٰ“ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اس میں زیادہ وسعت ہے ، لہذا ازراہ ضرورت اس پر عمل کیا جاسکتا ہے ، ”وہو أوسع فیعمل بہ عند الضرورة“ شامیؒ نے اس پر قہستانی سے یہ توجیہ نقل کی ہے :

وإن لم یکن مذهبنا فإن الإنسان یعذر فی العمل بہ عند

الضرورة - (ردالمحتار ۳/۳۰۲)

گو ہمارا یہ مذہب نہیں مگر آدمی ضرورت کے مواقع پر اس پر عمل کرنے میں معذور ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ”عمدة الاحکام“ کی ”کتاب الکراہیت“ سے نقل کیا ہے :

سور الکلب والخنزیر نجس خلافا لمالک وغیرہ ولو افتی

بقول مالک جاز - (عقد الجید ۷۷)

کتے اور سور کا جو ٹھانا پاک ہے ، بخلاف امام مالک وغیرہ کے ، تو اگر امام مالکؒ کے قول پر فتویٰ دے دیا جائے تو جائز ہے۔

فقہاء حنفیہ کے یہاں اس سلسلہ میں بہت سی نظیریں موجود ہیں، شوہر میں بعض عیوب و امراض پیدا ہو جانے کی صورت میں تفریق کا حق، مفقود الخبر کی زوجہ کے لئے تفریق کا حق، تعلیم قرآن اور اذان و امامت پر اجرت، کمیشن ایجنٹ (سمسار) کا کاروبار وغیرہ کتنے ہی مسائل ہیں جن میں فقہاء متاخرین نے دوسرے مکاتب فقہ کی آراء سے فائدہ اٹھا کر اُمت کو مشقت سے بچایا ہے اور ”اختلاف اُمتی رحمة“ کا عملی ثبوت پیش کیا ہے۔

البتہ اس میں بھی یہ احتیاط مناسب ہے کہ حتی المقدور ائمہ اربعہ کے مسالک کے حدود سے باہر نہ جایا جائے، چنانچہ علامہ ابن ہمام اور ان کے تلمیذ ابن امیر الحاج فرماتے ہیں:

(وعلى هذا ما ذكر بعض المتأخرين) وهو ابن الصلاح (منع
تقليد غير) الأئمة (الأربعة) أبى حنيفة ومالك والشافعي
وأحمد لانضباط مذاهبهم وتقليد مسائلهم وتخصيص عمومها
وتحرير شروطها إلى غير ذلك ولم يدر مثله فى غيرهم من
المجتهدين الآن لانقراض اتباعهم وحاصل هذا انه امتنع تقليد غير
هؤلاء الأئمة لتعذر نقل حقيقة مذاهبهم وعدم ثبوته حق الثبوت
لأنه لا يقلد وهو صحيح - (التقرير والتحجير ۳/۴۵۳)

اسی بنا پر بعض متاخرین ”ابن صلاح“ نے ذکر کیا ہے کہ ائمہ اربعہ کے علاوہ کی تقلید ممنوع ہے، کیوں کہ ان ائمہ کے مذاہب منضبط ہیں، مسائل بہ قید تحریر ہیں، عموماً کی تخصیص اور شرائط کی تنقیح وغیرہ کا کام ہو چکا ہے، اب تک دوسرے مجتہدین کے معاملہ میں ایسا نہیں ہو پایا ہے، کیوں کہ ان کے متبعین نہیں رہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ ان ائمہ کے علاوہ دوسروں کی تقلید کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ ان کے حقیقی مذہب کا نقل کرنا دشوار ہے اور ان کا ثبوت نہیں، اس لئے نہیں کہ وہ قابل تقلید نہیں ہیں، یہی صحیح ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب جیسے معتدل الفکر اور مسلکی تعصبات سے ماوراء شخصیت نے بھی مذاہب اربعہ کو بڑی مصلحتوں کا حامل قرار دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

منها أن هذه المذاهب الأربعة المدونة المحررة قد اجتمعت
الأمّة أو من يعتد منها على جواز تقليدها إلى يومنا هذا وفي
ذلك من المصالح مالا يخفى لا سيما في هذه الأيام التي
قصرت فيها الهمم جداً و أشربت النفوس الهوى وأعجب
كل ذي رأى برأيه. (حجة الله البالغة ۱/ ۶۷۳)

من جملہ مصالح کے یہ ہے کہ ان مدون و مرتب چاروں مذاہب پر اُمت اور
اُمت کے معتد بہ لوگوں کا اتفاق ہو گیا ہے اور وہ آج تک ان مذاہب اربعہ کی
تقلید کے جواز پر متفق ہیں، اس میں ایسی مصلحتیں ہیں جو مخفی نہیں، بالخصوص فی
زمانہ کہ ہمتیں بہت کوتاہ ہیں اور لوگ بتلاء ہوس ہیں اور ہر صاحب رائے اپنی
رائے کی بابت عجب کا شکار ہے۔

پس اُصول یہ قرار پایا کہ نئے مسائل کو حل کرنے کے لئے بوقت ضرورت مذہب کے
قول ضعیف پر بھی عمل کیا جاسکتا ہے اور دوسرے دبستانِ فقہ سے استفادہ بھی کیا جاسکتا ہے۔
نئے مسائل کے حل کے لئے نقشہ کار

لہذا اس عہد میں جو فقہی مسائل پیدا ہوئے ہیں، ان کے حل کے سلسلہ میں نقشہ کار اس
طرح ہوگا:

۱۔ جن مسائل کے بارے میں صاحبِ مذہب کی صراحت منقول نہ ہو اور فقہاء کے یہاں
اس کی کوئی نظیر بھی موجود نہ ہو، ان میں نصوص اور مقاصد شریعت کو سامنے رکھ کر حکم لگانا۔۔۔ لیکن
اس حقیر کا خیال ہے کہ ایسے مسائل بہت ہی کم مل سکتے ہیں جن کے بارے میں ائمہ مجتہدین اور
اصحابِ تخریج کے یہاں صراحت بھی نہ ہو اور ان کے اجتہادات میں اس کی نظیر بھی موجود نہیں ہو۔

۲۔ جن مسائل میں اصحابِ مذاہب کا اجتہاد منقول نہ ہو، لیکن اس کی نظیر موجود ہو، خواہ مجتہد مطلق کے یہاں، خواہ مجتہد منتسب اور اصحابِ تخریج کے یہاں، تو ان میں پہلے کے نظائر اور اجتہاد استنباط کے اُصول و قواعد کو سامنے رکھ کر حکم لگانا۔

۳۔ جن مسائل میں ائمہ مجتہدین یا مذاہب کے دائرہ میں رہتے ہوئے اجتہاد کرنے والے فقہاء کی آراء موجود ہوں، لیکن عرف اور طریقہ کار میں تبدیلی، سیاسی و معاشی نظام میں تغیر، اخلاقی انحطاط، اور نئے وسائل کی ایجاد کی وجہ سے ان آراء پر عمل کرنے میں اباحت کا دروازہ کھلتا ہو، یا قابلِ لحاظ حرج اور تنگی پیدا ہوتی ہو، تو ایسی رائے کو ترجیح دینا جس میں موجودہ احوال کی رعایت ہو، — اس کی دو صورتیں ہیں :

(الف) مذہب کے قول ضعیف کو اختیار کرنا۔

(ب) دوسرے مکاتبِ فقہ سے استفادہ کرنا۔

۴۔ بعض ایسے مسائل بھی ہیں جن میں واضح طور پر وہ علت پائی جاتی ہے، جس علت کی وجہ سے نص میں اس کے حلال یا حرام ہونے کا حکم لگایا گیا ہے، اس نئی پیش آمدہ صورت پر اس علت کو منطبق کرتے ہوئے حکم لگانا، --- جس کو علماء اُصول نے ”تحقیق مناط“ سے تعبیر کیا ہے۔

اجتماعی اجتہاد کیوں؟

اب سوال یہ ہے کہ اجتہاد و استنباط کا یہ کام کون شخص کرے؟ — مجتہد کے اندر بنیادی طور پر دو وصف مطلوب ہیں، ایک علم، دوسرے ورع و تقویٰ، اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اسبابِ سہولت کی فراوانی اور اس کی طلب کی وجہ سے ایسے لوگ خال خال ہی پائے جاتے ہیں، جنہوں نے اپنی زندگی کو علم و تحقیق کے کام کے لئے وقف کر دیا ہو، اس میں شبہ نہیں کہ آج کل علم کے ایسے ذرائع پیدا ہو گئے ہیں، جس نے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ استفادہ کو ممکن بنا دیا ہے، لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ ان وسائل نے انسان کے اندر سہولت پسندی اور ثانوی درجہ کے مراجع پر

قناعت کا مزاج پیدا کر دیا ہے — اس سے بھی زیادہ اہم مسئلہ ورع و تقویٰ کا ہے، نفس پرستی، ارباب اقتدار کے دباؤ سے تاثر، جماعتی مفادات کا تحفظ اور احکام شریعت کے معاملہ میں سہل انگاری اور سہولتوں کی تلاش، ایسی کوتاہیاں ہیں جن سے ہر شخص باخبر ہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ اس دور میں امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور ان جیسے فقہاء کی عزیمت، خشیت الہی اور خدا کی رضا جوئی کا جذبہ افسانہ ماضی محسوس ہوتا ہے، ان حالات میں انفرادی اجتہاد یا مسائل فقہیہ کے بارے میں انفرادی غور و فکر نا کافی اور مخدوش طریقہ نظر آتا ہے، اور موجودہ حالات میں صحیح طریقہ اجتماعی اجتہاد یا اجتماعی غور و فکر کا ہے، کیوں کہ اجتماعیت انفرادی کوتاہیوں اور غلطیوں کی تلافی کر دیتی ہے۔

اجتماعی اجتہاد کا ثبوت

اجتماعی اجتہاد کا یہ تصور نیا نہیں ہے، چنانچہ حضرت علیؓ سے روایت ہے:

قلت: یا رسول اللہ! إن نزل بنا أمر ليس فيه بيان أمر، ولا نهي،

فما تأمرنا؟ قال: تشاوروا الفقهاء والعابدين، ولا تمضوا فيه

رای خاصہ۔ (مجمع البحرين ۵۲۲/۱، حدیث نمبر ۱۴۲)

اس روایت کو طبرانی نے معجم اوسط میں نقل کیا ہے، اور علامہ ہیشمی نے اس کے روایت کو ثقہ

قرار دیا ہے، ورجاله موثقون من اهل الصحيح (مجمع الزوائد ۸۷۱/۱) اسی طرح

حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں میمون بن مہران نے نقل کیا ہے کہ جب آپ کے سامنے کوئی

مقدمہ آتا تو قرآن و حدیث میں تلاش کرتے، صحابہ سے دریافت کرتے کہ کیا اس سلسلہ میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ منقول ہے؟ اگر آپ کا کوئی فیصلہ نہیں مل پاتا تو:

جمع رؤساء الناس وخيارهم فاستشارهم، فان اجمع رأی

على شیء قضیٰ بهم۔ (اعلام الموقعین ۲۶/۱)

یہی معمول حضرت عمرؓ کا منقول ہے کہ جن مسائل میں کتاب و سنت کی کوئی ہدایت اور حضرت ابوبکرؓ کا فیصلہ نہیں ملتا، ان میں اہم شخصیتوں کو بلا کر فیصلہ کرتے، والدعا رؤس الناس، فإذا اجتمعوا على الأمر قضى به (حوالہ سابق) حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ بھی منقول ہے:

فكان اذا رفعت اليه قضية، قال: ادعوا لي عليا، وادعوا لي زيدا،

وكان يستشيرهم، ثم يفصل بما اتفقوا عليه۔ (حوالہ سابق)

اسی طرح حضرت عمرؓ نے قاضی شریح کو عہدہ قضا پر مقرر کرتے ہوئے یہ ہدایت دی:

إقض بما استبان لك من قضاء رسول الله صلى الله عليه

وسلم فان لم تعلم كل أقضية رسول الله، فاقض بما استبان

لك من ائمة المجتهدين، فان لم تعلم فاجتهد رأيك

واستشر أهل العلم والصلاح۔ (الفتاوى الكبرى لابن تيمية

(۱۰۲/۹۱-۰۰۲)

اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے — جب وہ مدینہ کے والی مقرر ہوئے —

مدینہ کے دس ممتاز فقہاء کو جمع کیا اور ان سے فرمایا:

إنما دعوتكم لأمر تؤجرون عليه، وتكونون فيه أعوانا على

الحق، ما أريد أن أقطع أمراً إلا برأيكم أو برأى من حضر منكم۔

(تاریخ طبری ۸۲۴/۶-۷۲۴)

عہد صحابہ اور عہد تابعین میں متعدد مسائل اجتماعی اجتہاد کے ذریعہ طے پائے ہیں (

تفصیل کے لئے دیکھئے: الاجتہاد الجماعی و دور المجامع الفقہیہ فی تطبیقہ للدکتور شعبان محمد

اسماعیل ۳۸ تا ۲۱۱) ائمہ مجتہدین میں اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا طریقہ اجتہاد اسوہ کا درجہ

رکھتا ہے، امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں میں مختلف علوم و فنون کی ممتاز شخصیتیں شامل تھیں، ہر مسئلہ پر

جو زیر بحث آتا، مختلف اہل علم اپنی آراء کا اظہار کرتے، مناقشہ ہوتا اور بعض مسائل میں ایک ایک ماہ گفتگو ہوتی، پھر جو رائے قرار پاتی اسے اتفاق کے ساتھ یا اختلاف رائے کے ساتھ لکھا جاتا، چنانچہ جامع المسانید کے مقدمہ میں ہے:

وكان رحمه الله اذا وقعت واقعة شاوَرهم وناظرهم وحاوَرهم
وسألهم ، فيسمع ما عندهم من الأخبار والآثار ويقول ما عنده
، ويناظرهم شهراً أو أكثر حتى يستقر أحداً لأقوال ، فيثبته
أبويوسف - رحمه الله - حتى أثبت الأصول على هذا

المنهج - (جامع مسانيد الامام الاعظم ۳۳/۱ ، ط : انڈيا)

موجودہ عہد میں بھی نئے مسائل کے حل کے لئے اجتماعی اجتہاد ہی کا طریقہ موزوں ہے، چنانچہ ماضی قریب کے ممتاز فقیہ اور صاحب نظر مصنف شیخ زرقاء فرماتے ہیں:

إذا أردنا نعيد للشرعية فقهها وروحها ، وحيويتها بالاجتهاد
الذي هو واجب كفائي ، لا بد من استمراره في الأمة شرعاً
..... هذه الحلول لا بد لها من الاجتهاد الجماعي ليحل
محل الاجتهاد الفردي في القضايا الكبيرة - (الفتى ، نشأتها

وتطورها ، لكذكتور شيخ حسين ۷۷)

اللہ کا شکر ہے کہ نئے مسائل کے حل کی ضرورت کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے عصر حاضر میں اس اجتماعی اجتہاد کے سلسلہ میں بڑی اہم کاوشیں انجام پا رہی ہیں، عالم عرب میں مجمع الجوٹ الاسلامی مصر، مجمع الفقہ الاسلامی جدہ، مجمع الفقہی رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی خدمات، مغرب میں اسلامی یورپی کونسل برائے افتاء اور برصغیر میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا اور اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان اس سلسلہ میں خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

ہندوستان میں اجتماعی غور و فکر کی کاوشیں

اگر ہندوستان میں فقہی مسائل میں اجتماعی غور و فکر کا جائزہ لیا جائے تو شاید اس کی ابتداء فتاویٰ عالمگیری کی تدوین سے قرار پائے، جسے حضرت اورنگ زیبؒ نے پورے ملک سے منتخب علماء کی ایک کمیٹی بنا کر مرتب کر دیا تھا، اس طرح فقہ حنفی کا ایک ایسا انسائیکلو پیڈیا وجود میں آیا، کہ احکام فقہ کی جامعیت، کثرت اور وسعت کے اعتبار سے اس کی نظیریں کم ہی مل پائیں گی۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے اقتدار کا سورج غروب ہونے کے بعد اس سلسلہ کی ایک کوشش حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجادؒ اور مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کے زیر سایہ سرانجام پائی، اور اسی کوشش کے نتیجے میں الحیلۃ الناجزہ اور انفساخ نکاح مسلم ایکٹ کی ترتیب عمل میں آئی۔

پھر جمعیت علماء ہند کے ذمہ داروں میں ایک اہم علمی شخصیت حضرت مولانا محمد میاں صاحب دیوبندیؒ نے جمعیت کے تحت ”ادارۃ المباحث الفقہیہ“ قائم فرمایا، جس نے ابتدائی دور میں رویت ہلال کے موضوع پر ایک اہم کانفرنس بھی منعقد کی، اور عام طور پر مولانا مرحوم اہم مسائل پر ملک کے مختلف دارالافتاء اور ملک کی اہم شخصیتوں کو استفتاء ارسال کرتے تھے، اور اس کے جوابات طلب کئے جاتے تھے، اس طرح علماء میں ان مسائل پر غور کرنے کی تحریک پیدا ہوتی تھی، لیکن اجتماعی نشست اور مناقشہ کا کوئی مستقل سلسلہ نہیں تھا، البتہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے قیام کے بعد اس ادارہ نے بھی دو تین فقہی اجتماعات منعقد کئے ہیں۔

دوسری کوشش حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تحریک پر ندوۃ العلماء کے زیر اہتمام ”مجلس تحقیقات شرعیہ“ کے قیام (۱۹۶۱ھ) سے شروع ہوئی، مجلس نے ہندوستان کے حالات کے تناظر میں انشورنس، رویت ہلال اور نس بندی کے مسائل پر نشستیں منعقد کیں اور بعض اہم فیصلے بھی کئے، مختلف نئے مسائل پر مجلس کے ذمہ داران حضرت مولانا محمد اسحاق سندیلوی اور حضرت

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی نے قلم اٹھایا، لیکن بعد کو اجتماعی تبادلہ خیال کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ یہ دونوں ادارے نئے مسائل کے حل میں فعال کردار اس لئے ادا نہیں کر پائے کہ دوسرے بڑے ادارہ یا تنظیم کے ساتھ ان کی حیثیت ضمنی ادارہ کی تھی، اور اس کاوش کا دائرہ ادارہ کے متعلقین و متفقین تک محدود تھا، اس لئے پیش آنے والے مسائل کی تیز گامی اور کثرت کو ملحوظ رکھتے ہوئے محسوس کیا گیا کہ خاص اس مقصد کے لئے ایک مستقل ادارہ ہو، تاکہ اس کام میں تسلسل باقی رہے اور مختلف افکار اہل علم کو اکٹھا کر کے زیادہ وسعت کے ساتھ غور و فکر کیا جاسکے، اسی پس منظر میں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے ۱۹۸۹ء میں اسلامک فقہ اکیڈمی کی بنیاد رکھی، جس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے پورے خطہ میں ایک نئی علمی اُمنگ، ذوق تحقیق، اعتدال فکر اور فقہی تحریک کو وجود بخشا، اکیڈمی کے فقہی مجلات جن کی پوری دنیا میں تحسین کی جا رہی ہے اور جن کے حوالہ سے اہل علم اپنی تحقیقات کو پیش کر رہے ہیں، اس کے شاہد عدل ہیں۔

اسلامک فقہ اکیڈمی کی اجتہادی کاوشیں — ایک نظر میں

اکیڈمی نے اپنی ۲۸ سالہ عمر کے عرصہ میں ۲۵ سمینار کئے، ان سمیناروں میں مجموعی اعتبار سے ۱۱۰ مرکزی موضوعات پر غور و خوض کیا گیا ہے، جن میں اسلام کے اصول قانون، عبادات، سماجی مسائل، معاشی و تجارتی مسائل، طبی مسائل، بین الاقوامی مسائل سے متعلق موضوعات شامل ہیں، اور ان کے علاوہ مختلف اہم موضوعات پر اعلامیہ بھی جاری کیا گیا، بعض موضوعات وہ ہیں جن میں قطعی فیصلہ کو ملتا ہی رکھا گیا ہے اور مختلف موضوعات کی شقوں میں فیصلے اختلاف رائے سے ہوئے ہیں، باقی فیصلے باتفاق رائے کئے گئے ہیں، یہ قراردادیں سمیناروں کی ترتیب سے بھی اور فقہی ترتیب پر بھی شائع ہو چکی ہیں، ان سمیناروں میں جو مقالات پیش کئے گئے ہیں، ان کی تعداد دس ہزار کے قریب ہے اور ہندوستان کے مختلف علاقوں سے جن اہل علم اور اصحاب افتاء نے مسلسل شرکت کی ہے مجموعی طور پر ان کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے،

بیرون ملک سے سیمینار میں شرکت ہونے والے فضلاء کی تعداد تقریباً ۵۰ ہے، جن کا تعلق دنیا کے تیس ملکوں سے ہے، اب تک ان سیمیناروں کے مقالات پر مشتمل ۱۲۰ مجموعے شائع ہو چکے ہیں، جو بحیثیت مجموعی تقریباً بیس ہزار صفحات پر مشتمل ہیں۔

اکیڈمی کا طریقہ کار

اس بات کا ذکر کرنا بھی مناسب ہے کہ اکیڈمی کے نئے مسائل پر غور و فکر کرنے کا نہج کیا ہے اور تحقیق و تنقیح کے بعد کس طرح فیصلے کئے جاتے ہیں؟ سب سے پہلا مرحلہ سیمینار کے لئے زیر بحث آنے والے موضوعات کے انتخاب کا ہے، اس کے لئے سیمینار میں شریک ہونے والے حضرات سے آئندہ سیمینار کے لئے تحریری رائے لی جاتی ہے، اب تک مختلف سیمیناروں میں جو آراء آئی ہیں، اس کی مکمل فہرست مرتب کر دی گئی ہے، اکیڈمی کی مجلس علمی بھی عنوانات کے سلسلہ میں اپنا مشورہ پیش کرتی ہے، جس میں پورے ملک سے ممتاز اہل قلم اور اہل علم شامل ہوتے ہیں، پھر مجلس منظمہ ان تمام آراء کو سامنے رکھ کر اور عالمی اور ملکی حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے آئندہ سیمینار کے لئے موضوعات کا انتخاب کرتی ہے، کوشش کی جاتی ہے کہ یہ موضوعات مختلف شعبہ ہائے زندگی سے متعلق اور موجودہ حالات و ضروریات سے زیادہ مطابقت رکھنے والے ہوں۔

اب اس موضوع سے متعلق قابل بحث نکات پر مشتمل سوالنامہ اکیڈمی کے سکریٹریز میں سے کوئی ایک مرتب کرتا ہے، پھر جنرل سکریٹری برائے سیمینار اس سوالنامہ کو مزید منقح اور واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کے بعد اسے اکیڈمی کے ارکان انتظامی (جو سترہ ہیں اور سبھی معروف اصحاب علم اور اہل نظر میں سے ہیں) کے پاس غور و فکر کے لئے بھیجا جاتا ہے، اور ان کی آراء کی روشنی میں اسے آخری صورت دی جاتی ہے، اب یہ سوالنامہ ملک و بیرون ملک کے فقہاء اور ارباب افتاء اور اسکالرس کے پاس بھیجا جاتا ہے اور اگر سوال کا تعلق کسی جدید سائنسی ایجاد، یا سماجی و معاشی مسئلہ سے ہو تو اس کے عملی اور سائنسی پہلو پر ان شعبوں کے ماہرین سے مقالات

لکھائے جاتے ہیں اور یہ مقالات اگر انگریزی میں ہوں تو ان کا اُردو ترجمہ کرایا جاتا ہے اور یہ بھی علماء و اربابِ افتاء کے پاس بھیجا جاتا ہے، تاکہ صورتِ مسئلہ پوری طرح واضح ہو جائے اور وہ اس کی تفصیلات سے واقف ہو جائیں، ہندوستان میں اہل سنت کے تمام مکاتبِ فکر سے متعلق اہم درس گاہوں کے اربابِ افتاء، نیز ان تمام شخصیتوں کے نام یہ دعوت نامہ جاتا ہے، جو تصنیف و تالیف، تدریس، قضاء یا اور کسی جہت سے فقہ سے مربوط ہوں۔

اہل علم کی طرف سے جو مقالات آتے ہیں، ان کی بڑی تعداد ہوتی ہے، اس لئے اکیڈمی کے شعبہ علمی کے رفقاء ان مقالات کی اس طرح تلخیص کرتے ہیں کہ ہر مسئلہ میں تمام مقالہ نگاروں کی رائے آجائے، اگر اتفاق ہو تو متفقہ رائے اور اختلاف ہو تو اختلافِ رائے کا اظہار کیا جائے اور مقالہ نگاروں نے کتاب و سنت سے جو استدلال اور فقہاء کی عبارتوں سے جو استشہاد کیا ہو، اختصار کے ساتھ اس کا بھی ذکر ہو، اس تلخیص کو شرکاء کو سیمینار کے موقع سے تقسیم کیا جاتا ہے، تاکہ انھیں بحث کرنے میں سہولت ہو۔

پھر موضوع کے مختلف پہلوؤں کے لئے مقالات کی معنوی کیفیت کو سامنے رکھتے ہوئے ”عارض“ مقرر کیا جاتا ہے، اس پہلو سے متعلق تمام مقالات کی نوٹو کا پی انھیں فراہم کی جاتی ہے، وہ ان مقالات میں پیش کئے ہوئے نقاطِ نظر کو مرتب کرتے ہیں اور جو دلائل آئے ہیں، ان کا ذکر کرتے ہیں اور پھر کسی ایک نقطہ نظر کو ترجیح دیتے ہوئے اس کے دلائل اور وجوہ کا ذکر کرتے ہیں، اب شرکائے سیمینار خود اپنی تحقیق و مطالعہ، مقالات کی تلخیص اور عارض کی بحث کو سامنے رکھتے ہوئے اظہارِ خیال کرتے ہیں اور تمام ہی شرکاء کو بحث میں حصہ لینے کی اجازت حاصل ہوتی ہے، اور اس کے لئے خاصا وقت دیا جاتا ہے، یہ بحث ریکارڈ کے ذریعہ ٹیپ بھی کی جاتی ہے اور ایک صاحبِ علم کو اسی کام کے لئے متعین کیا جاتا ہے کہ وہ مباحثہ کے درمیان آنے والے تمام نکات کو نوٹ کرتے جائیں، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ پوری بحث نہایت ہی سنجیدہ اور ٹھنڈے ماحول میں حق اور سچائی کو حاصل کرنے کے جذبہ سے باہمی احترام کی رعایت کے ساتھ ہوتی ہے اور

اختلافِ رائے کی وجہ سے کبھی کوئی ناخوشگوار پیدا نہیں ہوتی۔

اس موقع سے صورتِ مسئلہ کو واضح کرنے کی ذمہ داری ماہرین کو دی جاتی ہے اور اسی لئے زیر بحث موضوع کی مناسبت سے چند ماہرین بھی سیمینار میں شریک ہوتے ہیں، انہیں حکم شرعی کے بارے میں اظہارِ خیال کی اجازت نہیں ہوتی، کیوں کہ یہ علماء اور اربابِ افتاء کا حق ہے، بحث مکمل ہونے کے بعد اس مسئلہ پر تجویز مرتب کرنے کے لئے ایک سب کمیٹی بنادی جاتی ہے، اس کمیٹی کے انتخاب میں اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ یا تو انھوں نے اس موضوع پر بہتر مقالہ لکھا ہو یا نمایاں طور پر بحث میں حصہ لیا ہو، یا ان کو فتویٰ نویسی کا قدیم تجربہ ہو، اگر بحث کے دوران اتفاق رائے نہیں ہو سکا تو کمیٹی میں دونوں آراء کے حامل نمائندہ افراد کو شامل کیا جاتا ہے، اب یہ کمیٹی مقالات اور بحث کے دوران آنے والے نکات کو سامنے رکھتے ہوئے مزید تبادلہٴ خیال کے بعد تجویز کو سیمینار کے مندوبین کی عمومی مجلس میں پیش کیا جاتا ہے اور بعض اوقات اس مرحلہ میں بھی جزوی ترمیمات کی جاتی ہیں، نیز سب کمیٹی کی مرتب کی ہوئی تجویز لوگوں پر مسلط نہیں کی جاتی، جس تجویز پر اتفاق ہوا ہے، اسے متفقہ حیثیت سے ذکر کیا جاتا ہے، جس میں شرکاء کی غالب ترین اکثریت کی ایک رائے ہو اور ایک دو اشخاص کو اختلاف ہو، ان میں پہلی رائے کا بحیثیت تجویز ذکر کرتے ہوئے اختلاف رکھنے والے حضرات کے نام اور نقطہٴ نظر کے حاملین کی مناسب تعداد ہو تو تجویز میں اختلافِ رائے کا ذکر کرتے ہوئے دونوں نقاطِ نظر کو مساویانہ حیثیت میں بیان کیا جاتا ہے اور ہر رائے کے قائلین میں معروف، نمایاں اور اہم شخصیتوں کا بھی ذکر کر دیا جاتا ہے، اور جس طرح تجاویز سیمینار میں پیش کی جاتی ہیں، بعینہ اسی طرح اسے طبع کیا جاتا ہے۔ یہ ہے اکیڈمی کا وہ محتاط، منصفانہ اور شورائی طریقہٴ غور و فکر جو احکام شرعیہ کے حل کرنے میں اختیار کیا جاتا ہے، اسی لئے ہمیشہ اس اکیڈمی کو اکابر علماء ہند کی شفقت و عنایت حاصل رہی ہے۔



فقہی سمینار - ایک نظر میں

۱۹۸۹ تا ۲۰۱۷ء

| سمینار | تاریخ | مقام | موضوعات |
|----------|---------------------------------|-----------------|---|
| پہلا | ۱-۳ اپریل ۱۹۸۹ء | نئی دہلی | اعضاء کی پیوندکاری، برتھ کنٹرول، پگڑی۔ |
| دوسرا | ۸-۱۱ دسمبر ۱۹۸۹ء | نئی دہلی | کرنسی نوٹ، بینک انٹرسٹ، تجارتی سود۔ |
| تیسرا | ۸-۱۱ جون ۱۹۹۰ء | بنگلور | اسلامی بنکاری، مرابحہ، حقوق کی بیج۔ |
| چوتھا | ۹-۱۲ اگست ۱۹۹۱ء | حیدرآباد | دو ملکوں کی کرنسیوں کا تبادلہ، انشورنس، اسلامی بینکنگ |
| پانچواں | ۳۰ اکتوبر تا ۲ نومبر ۱۹۹۲ء | اعظم گڑھ | زکوٰۃ سے متعلق جدید مسائل، ایک اہم مصرف: فی سبیل اللہ |
| چھٹا | ۳۱ دسمبر ۱۹۹۳ء تا ۳ جنوری ۱۹۹۴ء | عمر آباد | اسلام کا نظام عشر و خراج، اراضی ہند کی شرعی حیثیت۔ |
| ساتواں | ۳۰ دسمبر ۱۹۹۴ء تا ۲ جنوری ۱۹۹۵ء | بھروچ، گجرات | مشیینی ذبیحہ، رؤیت ہلال، احکام شرعیہ میں ضرورت و حاجت کی رعایت۔ |
| آٹھواں | ۲۲-۲۴ اکتوبر ۱۹۹۵ء | علی گڑھ یوپی | طبی اخلاقیات، نکاح میں شرط کا حکم، احکام شرعیہ اور عرف و عادت۔ |
| نواں | ۱۱-۱۴ اکتوبر ۱۹۹۶ء | جے پور راجستھان | مچھلیوں کی تجارت، قبضہ سے پہلے خرید و فروخت، شیراز، اوقات سحر راجستھان۔ |
| دسواں | ۲۴-۲۷ اکتوبر ۱۹۹۷ء | ممبئی | اوقاف، حج و عمرہ، قسطوں پر خرید و فروخت، کلوننگ، اتحاد امت۔ |
| گیارہواں | ۱۷-۱۹ اپریل ۱۹۹۹ء | پٹنہ | کفایت، نکاح میں ولی کے اختیارات، احادیث ضعیفہ کا حکم۔ |

| | | | |
|-----------|--------------------------|---------------------|--|
| بارہواں | ۱۱-۱۴ فروری ۲۰۰۰ء | بستی، یوپی | انٹرنیٹ، نشہ کی طلاق، اختلافات ائمہ کی شرعی حیثیت |
| تیرہواں | ۱۶-۱۲ اپریل ۲۰۰۱ء | ملیح آباد لکھنؤ | انقلاب ماہیت، اموال زکوٰۃ کی سرمایہ کاری، جبری شادی، جدید ذرائع ابلاغ۔ |
| چودھواں | ۲۰-۲۲ جون ۲۰۰۴ء | حیدر آباد | غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل، اسلام اور امن عالم، جلاٹین، الکحل۔ |
| پندرہواں | ۱۱-۱۳ مارچ ۲۰۰۶ء | میسور کرناٹک | جنٹیک سائنس، میڈیکل انشورنس، بینک سے جاری ہونے والے کارڈ، ڈی این اے ٹسٹ۔ |
| سولہواں | ۳۰ مارچ تا ۲ اپریل ۲۰۰۷ء | اعظم گڑھ یوپی | رمی جمار کا مسئلہ، مصنوعی آلہ تنفس، یوتھینز یا، نیٹ ورک مارکیٹنگ۔ |
| سترہواں | ۵ تا ۷ اپریل ۲۰۰۸ء | برہان پور ایم پی | ماحولیات کا تحفظ، تعلیم گاہوں میں جنسی تعلیم، روزہ میں جدید طریقہ علاج کا استعمال، مسافت سفر کا آغاز، جائے ملازمت کا حکم۔ |
| اٹھارہواں | ۲۸ فروری - ۲ مارچ ۲۰۰۹ء | مدورائی تاملناڈو | قیدیوں کے حقوق، تعلیمی قرض، خواتین کی ملازمت، پلاسٹک سرجری۔ |
| انیسواں | ۱۲-۱۵ فروری ۲۰۱۰ء | ہانسوٹ گجرات | غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق، کاروبار میں والد کے ساتھ اولاد کی شرکت، ایام قربانی میں کس مقام کا اعتبار ہوگا، سونے اور چاندی کا نصاب، تورق کا مسئلہ، موجودہ کرنسی کی شرعی حیثیت۔ |
| بیسواں | ۵-۷ مارچ ۲۰۱۱ء | راپور یوپی | آبی وسائل اور ان سے متعلق شرعی احکام، مختلف النوع ملازمتیں اور ان کا شرعی حکم، مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام، تفریح - اس کے جائز وسائل اور شرعی ضوابط۔ |
| اکیسواں | ۳-۵ مارچ ۲۰۱۲ء | اندور ایم پی | نشہ آور اشیاء، شقاق بین الزوجین کی وجہ سے فسخ نکاح، شریعت کے دائرہ میں انشورنس (بکافل) کی صورت |

| | | | |
|-----------|-------------------|----------------------|---|
| بائیسواں | ۹-۱۱ مارچ ۲۰۱۳ء | امروہہ، یوپی | الیکشن سے مربوط شرعی مسائل، بیع وفا، بیع صلوک۔ |
| تئیسواں | ۱-۳ مارچ ۲۰۱۲ء | جمبوسر، گجرات | عقد استصناع، میراث اور وصیت سے متعلق بعض پیش آمدہ مسائل، ہبہ سے متعلق ایک کثیر الوقوع مسئلہ، شہریت اور اس سے متعلق حقوق۔ |
| چوبیسواں | ۱-۳ مارچ ۲۰۱۵ء | اوچیرا، کیرالا | قرآن مجید کے متن و ترجمہ کی کتاب و اشاعت سے متعلق بعض مسائل، اسلام میں بچوں کے حقوق، غذائی مصنوعات میں حلال و حرام کے اصول، حلال سرٹیفکٹ کے اجراء کے لئے شرائط و معیارات، اعضاء و اجزاء انسانی کا عطیہ۔ |
| پچیسواں | ۵-۷ فروری ۲۰۱۶ء | بدرپور، آسام | اہل کتاب سے متعلق مسائل و احکام، اسلام میں بوڑھوں اور کمزوروں کے حقوق، طلاق غضبنا، وحدت امت-اصول و آداب، بین مذہبی مذاکرات-اصول و آداب۔ |
| چھبیسواں | ۲-۶ مارچ ۲۰۱۷ء | اجین، مدھیہ پردیش | ماحولیات، سونے چاندی کی تجارت، سرکاری اسکیموں سے استفادہ، زمینوں کی خرید و فروخت اور موجودہ قانون۔ |
| ستائیسواں | ۲۵-۲۷ نومبر ۲۰۱۷ء | ممبئی | حیوانات کے حقوق اروان کے احکام، عصری تعلیمی اداروں سے متعلق شرعی مسائل، مکانات کی خرید و فروخت سے متعلق نئے مسائل، طلاق اور اس سے پیدا ہونے والے سماجی مسائل |



باب دوم:
فصلے اور تجاویز

اصولی مسائل

☆ فقہی اختلاف کی شرعی حیثیت

۱- احکام شرعیہ کے دو حصے ہیں: منصوص اور غیر منصوص، منصوص سے مراد وہ احکام شرعیہ ہیں جو کتاب و سنت میں مذکور ہیں، اور غیر منصوص سے مراد وہ احکام ہیں جن کا تعلق ائمہ مجتہدین اور فقہاء امت کے اجتہاد و استنباط سے ہے۔ بلاشبہ ائمہ و فقہاء کے اجتہادات و استنباطات اور ان کا فقہی ذخیرہ ہمارا قیمتی سرمایہ اور شریعت اسلامیہ کا حصہ ہیں۔

۲- ائمہ مجتہدین کے درمیان مسائل میں جو اختلاف رائے ہے وہ اختلاف حق و باطل نہیں ہے بلکہ مختلف فیہ مسائل کی ایک بڑی تعداد وہ ہے جن میں افضل، غیر افضل، رائج، غیر رائج کا اختلاف ہے، باقی مسائل میں اختلاف کی نوعیت یہ ہے کہ ایک رائے صواب با احتمال خطا اور دوسری رائے خطا با احتمال صواب پر محمول ہے۔

۳- عامی جو کتاب و سنت اور دلائل شرعیہ سے واقف نہیں ہے، اس کے لئے راہِ عمل یہ ہے کہ وہ کسی معتمد و مستند عالم دین سے مسئلہ شرعی معلوم کر کے اس پر عمل کرے، وہ اسی طرح شریعت پر عمل پیرا قرار دیا جائے گا۔

۴- ائمہ مجتہدین کی آراء پر عمل کرنے والی مختلف جماعتوں یا افراد کا ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہنا یا ان اکابر سلف کی مذمت کرنا یا ان کے فقہی استنباطات کو تمسخر کا نشانہ بنانا قطعاً حرام ہے اور یہ کسی مسلمان کے لئے دنیا و آخرت میں سخت بد نصیبی اور خسارہ کا سبب ہے۔

۵- اختلافی مسائل میں سلف صالحین کی روش رواداری، ادب واحترام، ایک دوسرے کے مقام ومنصب کو ملحوظ رکھنے اور ان کے علوم ومعارف کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھنے کی رہی ہے، ان حضرات نے علمی مباحثات میں ان آداب کی پوری رعایت کی ہے، بلاشبہ سلف صالحین کی روش ہمارے لئے مشعل راہ ہے، افراد امت کی ذمہ داری ہے کہ اسی روش کو اختیار کریں اور اختلافی مسائل میں راہ اعتدال پر چلیں۔

۶- اگر وقت اور حالات کی تبدیلی سے معاشرہ کسی مشکل صورت حال کا شکار ہو اور ائمہ مجتہدین کی فقہی آراء میں سے ایک پر عمل حرج اور دشواری کا باعث ہو اور دوسری فقہی رائے پر عمل سے یہ حرج دور ہو جائے تو ایسی صورت میں علماء وفقہاء جو اصحاب ورع وتقویٰ اور ارباب علم وفہم ہوں ان کے لئے دوسری رائے پر فتویٰ دینا جائز ہے جو باعث دفع حرج ہو، البتہ اس طرح کے مسائل میں انفرادی طور پر فتویٰ دینے کے بجائے اجتماعی طریقہ اختیار کیا جائے۔

۷- ایسے مسائل جن میں مستند علماء وفقہاء کی ایک جماعت عدول کی ضرورت سمجھے اور مسئلہ مجتہد فیہ میں ایک خاص فقہی رائے کو دفع حرج کے لئے اختیار کرے اور اس پر فتویٰ دے، اور دوسری جماعت اس سے اختلاف کرے اور اس فقہی رائے کو اختیار کرنے کی ضرورت محسوس نہ کرے، ایسی صورت میں عام لوگوں کے لئے اس رائے پر عمل کرنا جائز ہے جس میں عدول کر کے سہولت کی راہ اختیار کی گئی ہے، اور اصحاب افتاء کے لئے اس رائے پر بھی فتویٰ دینا جائز ہے۔



☆ ضعیف احادیث کے احکام

۱- اس موضوع پر غور کرتے ہوئے سمینار اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ فی زمانہ اہل علم کے یہاں اس باب میں افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ بعض حضرات کا حال یہ ہے کہ انہوں نے ہر قسم کی معتبر و نامعتبر روایات کو صحیح و ثابت روایات کا درجہ دے رکھا ہے جو کسی بھی طرح ”من کذب علی متعمداً فلیتبعوا مقعده من النار“ کے تحت مطلوبہ احتیاط سے ہم آہنگ نہیں۔ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو محض کسی حدیث کے سند کے اعتبار سے ضعیف ہونے کی وجہ سے اس کو یکسر ناقابل اعتبار اور لائق رد سمجھتے ہیں، حالانکہ ضعیف احادیث بھی بعض مواقع پر مقبول ہیں، اور حدیث کا سند کے اعتبار سے ضعیف ہونا اس کے متن و مضمون کے مردود و نامقبول ہونے کو مستلزم نہیں۔

۲- جو روایات موضوع ہیں وہ قطعاً غیر معتبر ہیں، نہ ان سے استدلال کی گنجائش ہے اور نہ ان کے موضوع ہونے کی صراحت و وضاحت کے بغیر ان کو نقل کرنا جائز ہے۔ البتہ اگر کسی سند میں واضح حدیث راوی آجائے تو جب تک متن حدیث کے دوسرے طرق کی تحقیق نہ کر لی جائے محض اس سند کی وجہ سے حدیث کے متن و مضمون کو موضوع قرار دینا درست نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ کسی ایسی سند سے بھی یہ متن منقول ہو جس میں واضح حدیث راوی نہ آیا ہو۔

۳- اگر کسی حدیث کو متعدد فقہاء و مجتہدین اور محدثین نے بطور استدلال نقل کیا ہو یا اس

☆ گیارہواں فقہی سمینار (پھلواری شریف پٹنہ) بتاریخ ۲۹/ رزی الحجہ ۱۴۱۹- ۲/ محرم ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۷-۱۹/

اپریل ۱۹۹۹ء۔

روایت پر عمل کرنے کا حکم دیا ہو یا اس حدیث کو رد کرنے کے بجائے اس کے متن میں تاویل کا راستہ اختیار کیا ہو، اور ظاہر و متبادر معنی کے بجائے دوسرا معنی متعین کیا ہو، تو یہ ”تلقی بالقبول“ ہے۔

۴- تلقی بالقبول کی وجہ سے سنداً ضعیف احادیث بھی مقبول کا درجہ حاصل کر لیتی ہیں۔

۵- تلقی بالقبول کے علاوہ احادیث صحیحہ سے اور صحابہ کے فتاویٰ سے مطابقت کی بنا پر بھی احادیث ضعیفہ درجہ اعتبار حاصل کر لیتی ہیں۔

۶- جن احادیث کے رواۃ متہم بالکذب اور فاسق نہ ہوں، لیکن راوی کے خفت ضبط کے باعث روایت ضعیف ہو، ان کے لئے تعدد طرق مفید ہے، اور ایسی روایت ”حسن لغیرہ“ کے درجہ میں آ جاتی ہے، بشرطیکہ دوسرے طرق میں بھی راوی پر خفت ضبط ہی کی تہمت ہو نہ کہ کذب و فسق کی۔ ایسی ضعیف حدیثیں جو دوسری نصوص ثابتہ سے متعارض ہوں یا جن میں ضعف راوی کے متہم بالکذب یا فسق کی وجہ سے ہو، تو یہ نہ فضائل میں معتبر ہوں گی اور نہ احکام میں۔

۷- ترغیب و ترہیب میں ضعیف روایات معتبر ہیں، بشرطیکہ ان میں ضعف شدید نہ پایا جاتا ہو، اور وہ شریعت کی کسی اصل عام کے تحت آتی ہوں، اور ان پر عمل کرتے ہوئے اس میں بیان کئے ہوئے ثواب و عقاب کی امید تو رکھی جائے لیکن یقین جازم نہ ہو۔

۸- موجودہ علمی انخطاط کو دیکھتے ہوئے مناسب ہے کہ اہل علم اپنی تحریروں اور تقریروں میں صحیح و ثابت احادیث کے نقل کا اہتمام کریں، اور جہاں ایسی ضعیف حدیثیں پیش کرنی پڑیں وہاں مناسب انداز پر ایسی حدیث کا درجہ اور مقام بھی واضح کر دیں، تاکہ ضعیف و بے اصل روایات کے نقل کرنے کا چلن نہ ہو جائے۔

۹- ایسی احادیث جو سند کے اعتبار سے ضعیف ہوں، لیکن ان میں ضعف خفت ضبط کی وجہ سے ہو نہ کہ فقدان عدالت کی وجہ سے، اور کسی نص صحیح و ثابت سے متعارض نہ ہوں، ان

سے احتیاطی احکام یعنی کراہت و استحباب ثابت کئے جاسکتے ہیں۔

۱۰۔ نیز جن احکام میں کوئی دوسری دلیل شرعی موجود نہ ہو، ان میں ایسی ضعیف الاسناد

احادیث سے دیگر احکام بھی ثابت کئے جاسکتے ہیں۔ ایسی احادیث علت غیر منصوصہ پر مبنی قیاس سے اولیٰ ہیں، یہی جمہور سلف کا مسلک ہے۔

نوٹ: مولانا عبداللہ جو لم صاحب کوشق ۹ اور ۱۰ سے اتفاق نہیں ہے۔



شریعت میں ضرورت و حاجت کی رعایت

☆ اور اس کے حدود ☆

اسلامی شریعت کا دائرہ کسی زمانہ یا ملک و قوم تک محدود نہیں ہے، بلکہ قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کے لئے اسلامی شریعت پر عمل کرنا واجب ہے، اسلامی شریعت جس طرح ان ممالک کے لئے ہے جن کی زمام اقتدار مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے، اسی طرح غیر مسلم ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کے لئے بھی لازم العمل ہے۔

دور حاضر میں حکومت کا دائرہ کار چند میدانوں تک محدود نہیں رہ گیا ہے، بلکہ زندگی کے تمام شعبوں کے بارے میں قانون سازی، منصوبہ بندی اور نگرانی حکومت اپنا فرض اور حق سمجھتی ہے، مغرب کے برپائے ہوئے غیر اسلامی نظام و ماحول میں رہنے والے کروڑوں مسلمان (خصوصاً غیر مسلم ممالک کے مسلمان) سخت گھٹن اور تنگی میں ہیں، بہت سے اسلامی احکام پر عمل ان کے لئے حکومت کے قوانین کی وجہ سے دشوار تر ہو گیا، اگر اسلامی احکام کو چھوڑتے ہیں تو ان کا دل انہیں ملامت کرتا ہے، آخرت میں باز پرس اور عذاب کا خوف ان کے لئے سوہان روح بن جاتا ہے، اور اگر ان اسلامی احکام کی کامل پابندی کرتے ہیں تو انتہائی ضیق اور تنگی میں مبتلا ہوتے ہیں، مروجہ قوانین ان پر قدغن لگاتے ہیں، زندگی کے بہت سے میدانوں سے انہیں دست کش ہونا پڑتا ہے۔

☆ ساتواں فقہی سمینار (بھروچ گجرات) بتاریخ ۲۶-۲۹ رجب ۱۴۱۵ھ مطابق ۳۰ دسمبر ۱۹۹۴ء-۲ جنوری ۱۹۹۵ء۔

ان حالات میں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ شریعت کے رفع حرج، دفع ضرر، ضرورت و اضطرار کے اصول کی روشنی میں ان بنیادی رہنما خطوط کی نشاندہی کر دی جائے جن کی بنیاد پر علماء اور اصحاب افتاء دور حاضر کے عمومی ابتلاء اور حاجت کے مسائل کے بارے میں صحیح فیصلہ کر سکیں تاکہ شرعی اصول و قواعد کی روشنی میں جن مسائل میں شرعی جواز اور گنجائش موجود ہو، ان کے بارے میں امت مسلمہ کو غیر معمولی ضیق و حرج سے نکالا جائے، شریعت کے دائرے میں مسلمانوں کے لئے یسر و سہولت پیدا کی جائے، اور اصول ضرورت و حاجت کے بے محابا استعمال سے اباحت اور ہوا پرستی کا جو سنگین خطرہ درپیش ہے اس کا سد باب بھی کیا جاسکے۔

اس سلسلے میں شرکائے سمینار بہ اتفاق آراء درج ذیل تجاویز منظور کرتے ہیں:

محور اول

۱- بنیادی طور پر پانچ مصالح ہیں جن کا حصول احکام شرعیہ کا مقصود ہے۔ دین، حیات و زندگی (بشمول عزت و آبرو)، نسل، عقل اور مال کا تحفظ، جو امور ان مصالح کے حصول کے لئے اس قدر ناگزیر ہو جائیں کہ ان کے فقدان کی وجہ سے ان مصالح کے فوت ہو جانے کا یقین یا ظن غالب ہو، وہ ضرورت ہیں، ضرورت فقہاء کے یہاں ایک مستقل اصطلاح ہے، جس میں ”اضطرار“ بھی داخل ہے، تاہم یہ اصطلاح بمقابلہ اضطرار کے عام اور وسیع مفہوم کی حامل ہے۔

۲- حاجت ایسی کیفیت ہے جس میں انسان ان مصالح پنجگانہ کے حاصل کرنے میں ایسے قابل لحاظ مشقت و حرج میں مبتلا ہو جائے جن سے بچنا شریعت کا مقصود ہے۔ البتہ فقہاء کے یہاں کبھی ضرورت پر حاجت اور کبھی حاجت پر ضرورت کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔

۳- ضرورت و حاجت دونوں کا تعلق بنیادی طور پر مشقت سے ہے، مشقت کا ایک درجہ وہ ہے جو تمام ہی احکام شرعیہ میں لازم ہوتا ہے، اس کا اعتبار تبدیلی احکام میں نہیں ہے، اور

مشقت کبھی اس درجہ شدید ہو جاتی ہے کہ اگر اس کی رعایت نہ کی جائے تو ضرر شدید لاحق ہو جانے کا یقین یا غالب گمان ہو، یہ ضرورت ہے۔ کبھی اس سے کم درجہ کی مشقت ہوتی ہے، لیکن شریعت نے جس طرح کی مشقتوں کا انسان کو پابند کیا ہے وہ اس کے مقابلہ میں غیر معمولی ہوتی ہے، یہ کیفیت حاجت ہے۔ بس ضرورت و حاجت کی حقیقت میں بنیادی فرق مشقت کی کمی و زیادتی کا ہے۔

۴- ضرورت و حاجت کے احکام میں بھی فقہاء نے فرق کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ضرورت کے ذریعہ ایسے منصوص احکام سے بھی استثناء کی گنجائش ہوتی ہے جن کی ممانعت قطعی ہو اور جو بذات خود ممنوع ہوں۔ حاجت اگر عمومی نوعیت کی نہ ہو تو اس کے ذریعہ ان ہی احکام میں استثناء کی گنجائش پیدا ہوتی ہے جن کی ممانعت بذات خود مقصود نہ ہو بلکہ دوسری محرّمات کے سدّ باب کے لئے ان سے منع کیا جاتا ہے۔

۵- حاجت اگر عمومی نوعیت کی ہو اور لوگ عام طور پر اس میں مبتلا ہوں تو یہ ضرورت کے درجہ میں آتی ہے، اور اس سے نصوص میں تخصیص و استثناء کی گنجائش ہو جاتی ہے۔

۶- ضرورت و حاجت کی بنیاد مشقت پر ہے اور مشقت ایک اضافی چیز ہے، اس لئے ضرورت و حاجت کی تعیین میں علاقہ و مقام، احوال زمانہ، لوگوں کی قوت برداشت، مسلم اکثریتی ممالک اور ان ممالک کے لحاظ سے جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں فرق واقع ہو سکتا ہے، اس لئے ہندوستان اور اس جیسے ممالک میں جہاں مسلمان اس موقف میں نہیں ہیں کہ قانون سازی کے کام میں موثر کردار ادا کر سکیں، ضرورت و حاجت کی تعیین میں اس پہلو کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

۷- کسی امر کے بارے میں یہ متعین کرنا کہ وہ موجودہ حالات میں ضرورت یا حاجت کا درجہ رکھتا ہے، یہ نہایت نازک، احتیاط اور دقت نظر کا متقاضی ہے، اس لئے ہر عہد کے علماء، ارباب افتاء کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے حالات کو پیش نظر رکھ کر طے کریں کہ اب کون سے

امور ہیں جو ضرورت و حاجت کے درجہ میں آگئے ہیں اور ان کی وجہ سے احکام میں تخفیف ہو سکتی ہے، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے نازک مسئلہ میں افراد و اشخاص کے بجائے علماء کی ایک مقتدر جماعت ہی فیصلہ کرے، تاکہ دفع حرج کے نام پر اباحت کا راستہ کھلنے نہ پائے۔

۸- محرمات کی کسی خاص صورت کو نص کے ذریعہ صراحۃً یا دلالتاً حرمت سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہو تو اس صورت میں حرمت باقی نہیں رہتی ہے، اور اس رخصت سے فائدہ اٹھانا واجب ہے، اس کے علاوہ جن صورتوں میں نص کے ذریعہ یا فقہاء کے اجتہاد کے ذریعہ رخصت و سہولت ثابت ہوتی ہے وہاں صرف رفع اثم ہوتا ہے۔

۹- ضرورت و حاجت کی بنا پر جو سہولت دی جاتی ہے، اصولی طور پر ان کی حیثیت استثنائی ہوتی ہے۔

مخوردوم

ضرورت کی بنا پر اباحت و رخصت کا حکم حرام لعینہ از قبیل حق العبد، قتل نفس اور زنا کے ماسوا حقوق العباد، معاملات اور تمام ابواب فقہیہ پر اثر انداز ہوگا، اور اس کی تاثیر کے حدود درج ذیل تفصیلات کے مطابق مختلف ہوں گے:

۱- احکام اگر مامورات کے قبیل سے ہوں اور ان کے عدم امتثال سے صرف حق شارع متاثر ہوتا ہو، جیسے کلمہ کفر وغیرہ، تو حالت اضطرار میں فی نفسہ حرام ہوتے ہوئے بھی ان امور کے ارتکاب کی رخصت ہوگی، یعنی بقائے حرمت کے باوجود صرف رفع اثم ہوگا۔

۲- اگر احکامات از قبیل منہیات ہوں اور ان کی خلاف ورزی سے صرف حق شارع متاثر ہوتا ہو، جیسے اکل میتہ، لحم خنزیر، شرب خمر وغیرہ، تو بحالت اضطرار یہ چیزیں مباح ہو جاتی ہیں، یعنی رفع اثم و رفع حرمت دونوں ہو جاتے ہیں، اور محظور پر عمل واجب ہوگا۔

۳- اگر احکامات از قبیل منہیات ہوں اور ان کی خلاف ورزی سے حق العبد متاثر ہوتا ہو، جیسے ناحق قتل، زنا، اتلاف مال مسلم، تو اس کی دو صورتیں ہیں:

الف: اگر حق العبد کی تلافی ممکن ہو جیسے اتلاف مال مسلم، کہ اس کی تلافی بصورت ضمان ممکن ہے، تو اضطرار کی صورت میں بقائے حرمت کے ساتھ رخصت ہوگی۔

ب: لیکن اگر تلف شدہ حق العبد کی تلافی ممکن نہ ہو جیسے قتل و زنا، تو اس کی رخصت بصورت اضطرار بھی حاصل نہ ہوگی، اور اس پر عمل کرنا حرام ہوگا۔

محور سوم

محرمات کی اباحت میں ضرورت کی طرح کبھی کبھی حاجت بھی موثر ہوتی ہے، اور بعض حالات میں حاجت کو ضرورت کے قائم مقام قرار دیا جاتا ہے، البتہ اس کے لئے کچھ حدود و قیود ہیں جن کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

الف: حاجت کے وقت محرمات کی اباحت میں دفع مضرت مقصود ہو، جلب منفعت مقصود نہ ہو، محض جلب منفعت کی غرض سے کسی حرام کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

ب: حاجت کی بنا پر غیر عادی مشقت کو دفع کرنا مطلوب ہو، وہ مشقت حاجت معتبرہ کے حدود میں نہیں آتی جو عام طور پر انسانی اعمال اور شرعی احکام میں پائی جاتی ہے۔

ج: مقصد کے حصول کے لئے کوئی جائز متبادل طریقہ موجود نہ ہو، یا موجود تو ہو مگر مشقت شدیدہ سے خالی نہ ہو۔

د: حاجت کی بنا پر جو حکم ثابت ہوگا وہ بقدر حاجت ہی ثابت ہوگا، اس سے زیادہ اس میں توسع پیدا کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

ه: کسی مفسدہ کو دور کرنے میں کوئی اس سے بڑا مفسدہ لازم نہ آئے۔

و: حاجت واقعی ہو، محض موہوم نہ ہو۔

محور چہارم

اباحت محظورات کے سلسلہ میں ضرورت معتبرہ کے لئے درج ذیل شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

۱- ضرورت بالفعل موجود ہو، مستقبل میں پیش آنے والی ضرورتوں کا اندیشہ و خطرہ معتبر نہیں۔

۲- کوئی جائز مقدور متبادل نہ ہو۔

۳- ہلاکت و ضیاع کا خطرہ یقینی ہو یا مظنون بظن غالب ہو۔

۴- محرّمات کے استعمال یا ارتکاب سے ضرر شدید کا ازالہ یقینی اور نہ استعمال کرنے کی صورت میں اس کا وقوع یقینی ہو۔

۵- بقدر ضرورت استعمال کیا جائے۔

۶- اس کا ارتکاب اس کے مساوی یا اس سے کسی بڑے مفسدہ کا سبب نہ بنے۔

محور پنجم

۱- ”ضرورت و حاجت“ جس کی وجہ سے شریعت بہت سے احکام میں رخصت

و سہولت دیتی ہے اس کے پیچھے متعدد اسباب ہوتے ہیں، یہ وہ اسباب ہیں جن کو فقہاء و علماء ”اسباب رخصت“ اور ”اسباب تخفیف“ کے عنوان سے ذکر کیا کرتے ہیں۔

معروف قول کے مطابق یہ اسباب سات ہیں:

سفر، مرض، اکراہ، نسیان، جہل، عسر و عموم بلوئی اور نقص۔

۲- ”عرف و عموم بلوئی“ پر مبنی ہونے والے احکام میں اکثر و بیشتر ”ضرورت

وحاجت“ اور ”رفع حرج“ ملحوظ ہوتا ہے، اگرچہ فقہی طور پر ”عرف و عموم بلوی“ اور اس پر مبنی ہونے والے احکام کا دائرہ کچھ وسیع ہے۔

محور ششم

۱- شرکاء سمینار کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی معاملہ میں عمومی حرج و تنگی اور حاجت عامہ پیدا ہونے کی صورت میں بعض اوقات اسے ضرورت و اضطرار کا درجہ دے دیا جاتا ہے، اور سماج کو غیر معمولی ضرر اور تنگی لاحق ہونے کی صورت میں ممنوع و حرام چیز مباح قرار پاتی ہے۔

۲- جن چیزوں کی حرمت نصوص شرعیہ سے ثابت ہے، اگر ان میں سے کسی کے بارے میں حاجت عامہ اور عمومی حرج و ضیق پیدا ہو تو انہیں ضرورت کا درجہ دے کر منصوص حرمت سے استثناء بہت ہی نازک اور ذمہ داری کا کام ہے، تمام اجتماعی اور ملی حاجات ایک درجہ کی نہیں ہوتیں، ان کا دائرہ اور ناگزیریت ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے، اس لئے اجتماعی حاجتوں کا شرعی حکم متعین کرنے سے پہلے ان میں سے ہر ایک کا انتہائی گہرا مطالعہ ضروری ہے۔

۳- جب کوئی اجتماعی حاجت اس درجہ اہمیت حاصل کر لے کہ اس سے لوگوں کا بچنا انتہائی دشوار اور اس کا کوئی جائز قابل عمل متبادل موجود نہ ہو یا قانونی جبر کی وجہ سے اس سے چارہ کار نہ ہو تو اس کی بنا پر منصوص حرمت پائے جانے کے باوجود اجتماعی حاجت موجود رہنے تک جواز کی گنجائش پیدا ہوتی ہے۔

۴- کسی اجتماعی حاجت کے بارے میں اس طرح کا فیصلہ کرنے سے پہلے اس کا انتہائی گہرا اور عمیق جائزہ ضروری ہے۔ اس جائزے میں حسب ضرورت ماہرین قانون، ماہرین سماجیات وغیرہ سے مدد لی جائے، اجتماعی حاجت جس شعبہ زندگی سے متعلق ہے اس سے تعلق رکھنے والے افراد سے ضروری معلومات حاصل کرنے کے بعد ہی مقاصد شریعت اور احکام

شریعت پر نظر رکھنے والے خدا ترس اصحاب بصیرت علماء اور فقہاء اس بات کا فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کون سی اجتماعی حاجت اس درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ اسے نظر انداز کرنے میں فوری طور پر یا مستقبل میں ملت کو غیر معمولی ضرر لاحق ہونے کا خطرہ ہے، لہذا اس کے جواز کا فیصلہ کیا جانا چاہئے۔

۵۔ جن معاملات میں اجتماعی حاجت کی بنیاد پر نصوص میں تخصیص یا استثناء کا مرحلہ درپیش ہے ان کا فیصلہ علماء اور اصحاب افتاء انفرادی طور پر نہ کریں، بلکہ علماء اور فقہاء کی معتد بہ تعداد پورے غور و خوض کے بعد مقاصد شریعت، احکام شریعت، فقہی اصول و قواعد کی روشنی میں باہمی مشورہ سے اس کا فیصلہ کریں، اجتماعی فیصلہ ہی ایسے نازک معاملات میں محتاط اور قابل اطمینان ہوتا ہے۔

نوٹ: مفتی شبیر احمد صاحب مراد آباد کو حرمت منصوص قطعی کی صورت میں حاجت عامہ کی وجہ سے گنجائش کے بارے میں اختلاف ہے۔



شریعت میں عرف وعادت کا اعتبار

☆ اور اس کے اصول وقواعد

حقیقت یہ ہے کہ شریعت اسلامی کی سب سے بڑی خصوصیت مسائل زندگی کی بابت عدل اور اعتدال ہے، نہ شریعت اسلامی کا مزاج یہ ہے کہ وہ وضعی قوانین کی طرح ہر روز اور ہر آن تبدیلی قبول کرتی رہے، اور ایک بات خواہ کسی قدر بھی نامعقول اور مصالح اور اخلاقی قدروں کے مغائر ہو، لیکن اگر اس نے رواج کا درجہ حاصل کر لیا ہو، لوگ اس کو برتنے لگے ہوں تو اس کو بہر حال قبول کر لیا جائے، یہ مصالح انسان کی رعایت نہیں بلکہ مفاسد کے سامنے سپر انداز ہونا ہے، اور اسلام اس کی کسی طور پر اجازت نہیں دے سکتا، تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو قانون زندگی کے ساتھ چلنا چاہتا ہو اور اپنی ابدیت اور دوام واستمرار کا مدعی ہو اس کے لئے ایک خاص حد میں سماجی رواجات اور عرف کو قبول کرنا ناگزیر ہے، چنانچہ فقہ اسلامی میں بہت سے احکام کی بنیاد عرف پر رکھی گئی ہے، قرآن و سنت، آثار صحابہ اور قیاس سے عرف وعادت کے معتبر ہونے کا ثبوت ملتا ہے، اور اس کے معتبر ہونے پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

اسی پس منظر میں فقہ اسلامی میں عرف کی حیثیت، اس کے مقام اور اس کے معتبر ہونے کی صورت و اصول و شرائط پر تفصیلی بحث اور غور و فکر کے بعد درج ذیل تجاویز منظور کی گئیں:

عرف کی حقیقت اور اس کی مختلف اقسام

۱- عرف لغوی طور پر جانی پہچانی چیز کو کہتے ہیں۔ اصطلاح شرع کے اندر عرف سے

☆ آٹھواں فقہی سمینار (علی گڑھ) بتاریخ ۲۷-۲۹ جمادی الاول ۱۴۱۶ھ مطابق ۲۲-۲۴ اکتوبر ۱۹۹۵ء۔

مراد وہ اقوال و افعال ہیں جو معاشرہ میں رائج ہوں اور لوگ ان پر عمل پیرا ہوں۔

۲- ”عادت“ کا لغوی معنی کسی امر کے مکرر پیش آنے کے ہیں، اور اصطلاحی طور پر عقلی رشتہ کے بغیر کسی امر کا اس طرح بار بار پیش آنا کہ طبعی امور کی طرح اس کی انجام دہی آسان ہوگئی ہو، عادت کہلاتی ہے۔

۳- عرف و عادت کے درمیان کوئی حقیقی فرق نہیں ہے، مصداق کے اعتبار سے دونوں ایک ہیں گو مفہوم کے اعتبار سے جدا جدا ہیں۔

۴- عرف اور اجماع کے درمیان فرق یہ ہے کہ عرف عام لوگوں کے قول و عمل سے وجود میں آتا ہے جبکہ اجماع مجتہدین کے اتفاق کا نام ہے۔

۵- موضوع کے اعتبار سے عرف کی دو قسمیں ہیں: عرف قولی، عرف فعلی۔ بعض الفاظ یا تراکیب لوگوں کے درمیان کسی خاص معنی میں مروج ہو جائیں اور جب وہ بولا جائے تو کسی قرینہ اور عقلی دلیل کے بغیر وہ معنی سمجھا جائے، عرف قولی ہے۔ اور کسی عمل کے بارے میں لوگوں کی عادت و رواج عرف عملی ہے۔

۶- عرف لفظی اور عرف عملی دونوں احکام شرعیہ میں معتبر ہیں۔

دنیا کی بیشتر مسلم آبادیوں میں جو امر معروف و مروج ہو جائے وہ عرف عام ہے، اور جو کسی ایک شہر یا صوبہ یا کسی خاص آبادی یا ایک مخصوص طبقہ تک محدود ہو وہ عرف خاص ہے۔

۷- ہر وہ رواج و عرف جو شریعت کی کسی نص، یا مقصد و مصلحت معتبرہ سے ٹکراتا ہو وہ فاسد قرار پائے گا، جیسے مروجہ جہیز یا نقد رقم کا مطالبہ کرنا، لڑکیوں کو میراث سے محروم رکھنا، گروہی زمینوں وغیرہ سے فائدہ اٹھانا۔

عرف کے معتبر ہونے کی شرطیں

شریعت میں عرف کے معتبر ہونے کی چار شرطیں ہیں:

۱- عرف کلی یا اکثری ہو، یعنی معاشرہ میں سو فیصد اس کا رواج ہو یا معاشرہ کی غالب اکثریت اس عرف پر عمل پیرا ہو۔

۲- کسی تصرف یا معاملہ کے پیش آنے سے پہلے وہ عرف موجود رہا ہو اور پیش آنے کے وقت تک موجود ہو۔

۳- معاملہ کرنے والوں کی طرف سے عرف کے خلاف کوئی صراحت موجود نہ ہو۔

۴- عرف کو اختیار کرنے کی صورت میں شریعت کی کوئی صریح قطعی نص یا شریعت کا کوئی قطعی اصول متاثر نہ ہوتا ہو۔

عرف اور شرعی دلائل میں تعارض

۱- عرف عام اگر کسی نص عام سے اس طور پر متعارض ہو کہ عرف عام پر عمل کرنے سے نص کا ترک لازم نہ آئے بلکہ نص کی تخصیص لازم آئے تو اس صورت میں عرف عام کی بنا پر نص عام کی تخصیص درست ہے۔

۲- اگر عرف عام نص سے متصادم ہو یہاں تک کہ عرف عام کا اعتبار کرنے میں نص کا ترک لازم آئے تو عرف عام شرعاً ناقابل قبول اور غیر معتبر ہوگا۔

۳- جن نصوص کا عرف پر مبنی ہونا ثابت اور متحقق ہو ان میں عرف کی تبدیلی سے حکم میں تبدیلی کی جاسکتی ہے، لیکن کسی نص کے بارے میں یہ طے کرنا کہ اس کی بنیاد عرف پر ہے، بڑا نازک اور انتہائی ذمہ داری کا کام ہے، یہ فیصلہ علوم اسلامیہ میں غیر معمولی مہارت رکھنے والے دقیق النظر، محتاط اور خدا ترس علماء اور فقہاء اجتماعی طور پر ہی کر سکتے ہیں۔

۴- اگر عرف عام ایسے مسئلہ سے متصادم ہو جس کا ثبوت قیاس سے ہے تو عرف عام کو ترجیح ہوگی اور اس کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا جائے گا۔

۵- اگر عرف خاص کا دائرہ بہت محدود ہو تو اس کی بنیاد پر قیاس کا ترک کرنا درست نہیں۔

۶- اگر عرف خاص کا دائرہ بہت وسیع ہو تو اس کی بنا پر قیاس کا ترک کرنا درست ہے۔
۷- اگر عرف شریعت کے بنیادی مقاصد و مصالح سے متصادم ہو تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

عرف کی تبدیلی سے حکم میں تبدیلی

۱- ظاہر روایت کے جو مسائل صریح نصوص (کتاب و سنت) سے ثابت ہوں انہیں عرف کی بنیاد پر ترک نہیں کیا جائے گا، البتہ ظاہر روایت کے دوسرے مسائل کو عرف کی بنا پر ترک کیا جاسکتا ہے۔

۲- اگر ایک مکتب فقہ میں منقول اقوال عرف کے خلاف ہوں اور دوسرے مکتب فقہ میں ایسی رائے موجود ہو جو عرف و عادت کے مطابق ہو تو ایسی صورت میں عرف کے مطابق حکم کو (اعتبار عرف کی شرطوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے) اختیار کرنا ”عدول عن المذہب“ نہیں ہے، بلکہ عرف کو ہی اختیار کرنا ہے۔

۳- جو احکام فقہیہ نصوص کی بجائے محض عرف و عادت پر مبنی ہوں ان میں عرف کی تبدیلی کی صورت میں نئے عرف کے مطابق حکم لگایا جائے گا۔



غذائی مصنوعات میں حلال و حرام ☆

۱- غذائی اشیاء سے صحت اور زندگی کا تحفظ متعلق ہے اور یہ بات نہایت قابل افسوس ہے کہ بعض اوقات غذائی اشیاء کی تیاری اور فراہمی سے متعلق افراد اور کمپنیاں ان معیارات کو ملحوظ نہیں رکھتی ہیں جو حفظان صحت کے لئے ضروری ہیں، اسی طرح غذائی اشیاء اور دوسری استعمالی چیزوں میں ملاوٹ بھی پیدا کی جاتی ہے جو جھوٹ اور دھوکہ ہے، اس لئے اس طرح کی خدمت فراہم کرنے والے اشخاص و عہدے داروں سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ حفظان صحت کے اصولوں کا پورا خیال رکھیں، اس مقصد کے لئے حکومت کی جانب سے مقرر کردہ قوانین کا پورا احترام کریں اور حکومت کو بھی چاہئے کہ وہ عوام کے مفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے مؤثر قانون بنائے اور اس کو نافذ کرے۔

۲- پیداوار میں اضافہ کے لئے تدابیر اختیار کرنا شرعاً ممنوع نہیں ہے، بلکہ پسندیدہ ہے، لیکن افزائش کی لالچ میں ایسی کھاد اور دواؤں کا استعمال جو انسانی صحت کے لئے سخت مضرت رساں ہو، درست نہیں۔

۳- پھلوں کو قبل از وقت پکانے اور خوشما بنانے، نیز غیر فطری طریقہ پر حجم بڑھانے کے لئے ایسے کیمیکل کا استعمال جو انسانی صحت کے لئے حد درجہ نقصان دہ ہو شرعاً درست نہیں۔

۴- جانوروں کے دودھ کی مقدار میں اضافہ کرنے کے لئے کسی مصنوعی تدبیر کا اختیار

☆ ۲۴واں فقہی سمینار (اوچیرا، کیرالا) بتاریخ ۹ تا ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ، مطابق ۳ تا ۵ مارچ ۲۰۱۵ء۔

کرنا فی نفسہ جائز ہے، لیکن اس کے لئے کوئی ایسا طریقہ اپنانا جس سے جانور کو سخت تکلیف ہو یا حاصل ہونے والا دودھ انسانی صحت کے لئے مضر ہو درست نہیں۔

۵۔ بلا ضرورت ماکول اللحم جانوروں کو بالقصد ناپاک غذا دینا جائز نہیں ہے، لیکن اگر ایسی کوئی غذا دی گئی تو ان جانوروں کے گوشت میں کوئی کراہت نہیں ہوگی، بشرطیکہ اس کے بدن سے نجاست کے اثرات ظاہر نہ ہوں۔

۶۔ اگر غذائی مصنوعات میں صحت کے لئے شدید مضر اشیاء کا استعمال کیا جائے تو یہ عمل ناجائز ہوگا۔



☆ حلال سرٹیفکٹ

۱- شریعت میں حلال و حرام سے متعلق واضح احکام موجود ہیں، ان پر عمل کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے اور اس سے تساہل نہ صرف شدید گناہ ہے بلکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے انسان کی دوسری نیکیاں بھی ضائع ہو جاتی ہیں، اس لئے مسلمانوں کو اس سلسلہ میں پوری احتیاط برتنی چاہئے اور جو مسلمان ادارے حلال سرٹیفکٹ جاری کرتے ہیں وہ پوری تحقیق اور تہیق کے ساتھ اپنی ذمہ داری کو انجام دیں۔

۲- لحمی غذائی مصنوعات کا استعمال کرنا جائز ہے، بشرطیکہ جانور کا حلال ہونا اور شرعی طریقہ پر ذبح کیا جانا متحقق ہو جائے۔

۳- جن مصنوعات میں حرام اجزاء کا استعمال بھی کیا جاتا ہے ان کے لئے حلال سرٹیفکٹ جاری کرنے کا اختیار صرف احکام شریعت کے واقف کار اور فنی مہارت رکھنے والے دیندار، معتبر افراد ہی کو ہوگا، کسی غیر مسلم یا غیر واقف کار کی تصدیق و خبر کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

۴- غذائی مصنوعات کے اجزاء کی تحقیق کے لئے مسلمانوں کو خود اپنی لیبارٹری کا انتظام کرنا چاہئے، تاہم اپنی لیبارٹری نہ ہونے کی صورت میں غیر مسلموں کے زیر نگرانی کام کرنے والی معتبر لیبارٹری کی رپورٹ پر بھی اعتبار کر کے سرٹیفکٹ جاری کرنے کی گنجائش ہے۔ تاہم حتی المقدور اس بات کی کوشش ہونی چاہئے کہ تحقیق و تجزیہ کا یہ عمل کسی معتبر مسلمان شخص کی

نگرانی میں ہو۔

۵- حلال سرٹیفکٹ جاری کرنا بڑی ذمہ داری کا کام ہے، یہ کام وہی ادارہ انجام دے سکتا ہے جس میں خدا ترس، احکام شریعت پر گہری نظر رکھنے والے علماء و اصحاب افتاء اور معتبر مسلمان ماہرین پر مشتمل ہوں اور اس ادارہ کے نمائندے ذبح وغیرہ کے مراحل میں موجود رہ کر پوری تحقیق کے بعد سرٹیفکٹ جاری کریں اور مسلسل نگرانی رکھیں۔



☆ وحدت امت - اصول و آداب ☆

۱- وحدت امت وقت کی ایک اہم ترین ضرورت اور دین حق کا اہم ترین مطلوب ہے اس وحدت کو نقصان پہنچانے والے اختلافات اس وقت کا بڑا مفسدہ ہے جس سے امت مسلمہ بد حال ہے، اختلاف کی وہ تمام صورتیں جو فطری اور محمود ہیں وہ ہرگز نقصان رساں نہیں، لیکن وہ بھی اگر شرعی حدود کی رعایت کے ساتھ نہ ہوں تو وہ بھی امت کے لئے زہر ہیں۔

جو اختلافات مذموم ہیں وہ کتنے ہی اچھے جذبہ سے ہوں وہ بہر حال غیر شرعی ہیں۔

فقہی مسائل کے اختلافات میں جہاں اختلاف صرف افضل و غیر افضل اور رائج و مرجوح کا ہے ان میں اپنی رائے کو سراسر حق اور دوسری رائے کو سراسر باطل قرار دینا ہرگز درست نہیں ہے۔

جن مسائل میں اختلافات کی نوعیت حلال و حرام و جائز و ناجائز کی ہے وہ بھی چونکہ مجتہد فیہ مسائل ہیں، اس لئے ان میں بھی دوسرے کے مسلک کی تغلیط اور اس کو مکمل باطل قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

اس لئے اس طرح کے تمام مسائل کو عوامی نہ بنایا جائے، انفرادی طور پر اپنا مسلک اور اس کے دلائل بیان کرنے میں مضائقہ نہیں، بلکہ بعض مواقع و ضرورت پر بہتر ہیں، لیکن دوسرے مسلک والوں میں ایسے مسائل پر گفتگو ہو تو انصاف و دیانت کے ساتھ ہر موقف کے دلائل بیان کئے جائیں۔ شخصیات کا احترام اور انداز کلام میں شرافت و متانت ملحوظ رکھی جائے۔

☆ ۲۵ واں فقہی سمینار (بدر پور، آسام) بتاریخ ۲۵ تا ۲۷ ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ، مطابق ۵ تا ۷ فروری ۲۰۱۶ء۔

۲۔ جن مسائل میں اختلاف کی نوعیت عقیدہ کی ہے ان میں اپنے عقیدہ کا اثبات، دلائل کی توضیح درست ہے، لیکن دوسرے کو اشتعال دلانے والی طرز گفتگو سے اجتناب ضروری ہے، تبادلہ خیال میں اپنے مسلک کے مستدلات کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔ اور تفصیلاً بیان کیا جائے۔ مگر دوسرے کی توہین تنقیص اور تشنیع سے پرہیز کیا جائے، دوسرے کی طرف سے اگر نامناسب طرز کلام پایا جائے تو بھی اپنی طرف سے سنجیدگی و حدود کی رعایت برقرار رکھی جائے۔

۳۔ جس فکر یا عقیدہ کو کوئی شخص گمراہی سمجھتا ہو، لیکن ان کی بنیاد پر تکفیر کا قائل نہ ہو، ایسے فکر یا عقیدہ پر تنقید، اور جس فکر یا عقیدہ کو موجب کفر سمجھتا ہو اور اس کی بنیاد پر اس کے حاملین کو کافر قرار دیتا ہو اس پر تنقید، دونوں میں شرعی لحاظ سے فرق ہے۔

ایک موجب کفر ہے اور دوسرا موجب فسق و ضلالت، لہذا دونوں پر تنقید کے شرعی آداب و حدود میں بھی فرق ہوگا۔

موجب کفر فکر و عقیدہ پر تنقید کے جو آداب ہیں وہ درج ذیل ہیں:

- الف۔ حتی الامکان ان کو کافر کہنے سے گریز کیا جائے اور احتیاط سے کام لیا جائے۔
- ب۔ دینی سماجی اور سیاسی مصالح و ضروریات کی بنا پر ان کے ساتھ تعاون جائز ہوگا۔
- ج۔ مقصد صرف احقاق حق اور ابطال باطل ہونفسانی اغراض اُس میں شامل نہ ہوں۔
- د۔ فریق مخالف کی حمیت و تعصب کو بھڑکانے کی کوشش نہ کی جائے۔

غیر موجب کفر فکر و عقیدہ کے حدود و آداب مندرجہ ذیل ہیں:

- الف۔ اعتدال و رواداری کا اظہار ہو۔
- ب۔ لہجہ میں خیر خواہی، نرمی ہو اور انداز ناصحانہ ہو، گفتگو تلخ و ترش نہ ہو۔
- ج۔ کسی کی نیت پر حملہ نہ ہو۔

۴۔ اس وقت شیعہ سنی اختلافات تنازعات بھیانک شکل اختیار کر چکے ہیں اور ان کی

بنیاد پر امت مسلمہ بدترین جنگ اور خونریزی میں مبتلا ہے اور دشمنان اسلام نے منصوبہ بندی کر کے ہمارے ان اختلافات کو بھڑکا کر عالم اسلام میں تباہی مچا رکھی ہے۔ ایک فرقہ کے لوگ بے تحاشہ دوسرے فرقے کے لوگوں کو قتل کر رہے ہیں، اور اس کو کارِ ثواب سمجھنے لگے ہیں۔ اسلام اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ اور اس کو فساد فی الارض سے تعبیر کرتا ہے۔

اس لئے اس وقت عالم اسلام کے مختلف ملکوں میں شیعہ سنی آویزش جو شکل اختیار کر چکی ہے اس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں اور اس خونریزی کو روکنے کے لئے مصالحتی کوششیں اور مذاکرات ہی واحد حل ہیں۔

۵۔ دنیا کے جس کسی حصہ میں سنی اور شیعہ مشترک آبادیاں ہیں وہ پُر امن بقائے باہم کے ساتھ مشترکہ اقدار کی بنیاد پر زندگی گذاریں، ایک دوسرے کی مقدس مذہبی شخصیت پر سب و شتم سے گریز کریں۔

باہمی منافرت اور جنگ وجدال کو روکنے کے لئے دونوں فرقوں کے علماء و مذہبی پیشواؤں کا اور اہل صلاح کا کلیدی کردار ہے، ممکنہ اسباب کے ذریعہ مصالحتی کوششیں اور مذاکرات بروئے کار لانے کی ان حضرات کی شرعی و اخلاقی ذمہ داری ہے۔



عباداتی مسائل

انقلاب ماہیت اور طہارت و نجاست

☆ وحلت و حرمت پر اس کا اثر

۱- شریعت میں جن اشیاء کو حرام یا ناپاک قرار دیا گیا ہے ان کی حرمت و نجاست اس شئی کی ذات سے متعلق ہے، اگر کسی انسانی فعل، کیمیائی یا غیر کیمیائی تدبیر، یا کسی انسانی فعل کے بغیر طبی اور ماحولیاتی اثر کے تحت اس شئی کی اصل حقیقت اور ماہیت تبدیل ہو گئی تو اس شئی کا سابق حکم باقی نہیں رہے گا، اس میں نجس العین اور غیر نجس العین کا کوئی فرق نہیں۔

۲- تبدیلی ماہیت سے مراد یہ ہے کہ اس شئی کے وہ خصوصی اوصاف بدل جائیں جن سے اس شئی کی شناخت متعلق ہے، دوسرے غیر مؤثر اوصاف جو اس شئی کی حقیقت میں داخل نہیں، کا اس شئی میں باقی رہ جانا تبدیلی ماہیت میں مانع نہیں۔

۳- اگر حلال و پاک اشیاء میں حرام و ناپاک شئی کا صرف اختلاط ہو، اصل حقیقت تبدیل نہ ہو، تو وہ حرام اور ناپاک ہی باقی رہے گی۔

۴- یہ سمینار محسوس کرتا ہے کہ الکحل اور جیلاٹین وغیرہ میں قلب ماہیت کے محقق ہونے یا نہ ہونے کے سلسلہ میں کوئی قطعی رائے قائم کرنے سے پہلے ماہرین کیمیاء سے مناسب معلومات حاصل کرنا ضروری ہے، اس لئے یہ سمینار اسلامک فقہ اکیڈمی کے ذمہ داروں سے خواہش کرتا ہے کہ اس موضوع پر فیصلہ کو کسی قریبی آئندہ سمینار تک ملتوی رکھا جائے۔ اور پہلے

☆ تیرہواں فقہی سمینار (کٹولی، لکھنؤ) بتاریخ ۱۸-۲۱/ محرم ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۳-۱۶/ اپریل ۲۰۰۱ء۔

اس سلسلہ میں ماہرین سے ضروری معلومات حاصل کی جائیں اور ان سے علماء و ارباب افتاء کو آگاہ کیا جائے تاکہ ان کو رائے قائم کرنے میں سہولت ہو۔

۵- یہ سمینار مسلمان میڈیکل سائنس دانوں اور خاص کر عالم اسلام کے ارباب حل و عقد سے خواہش کرتا ہے کہ وہ طبی اغراض کے لئے دواؤں میں استعمال ہونے والے حرام و ناپاک اجزاء کا متبادل نباتات، جمادات اور حلال مذبوح حیوانات سے دریافت کریں، تاکہ حرام و مشتبہ دواؤں سے اجتناب ممکن ہو سکے، کہ بحیثیت مسلمان یہ ان کا نہایت اہم مذہبی اور دینی فریضہ ہے۔



☆ مسجد کی شرعی حیثیت

مساجد کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر بالکل واضح ہے اور اس پر جمہور امت کا اتفاق ہے کہ جس مقام پر ایک بار مسجد بنادی گئی وہ قیامت تک کے لئے مسجد ہے، اب نہ اس کی خرید و فروخت ہو سکتی ہے نہ وہ خطہ ارض کسی اور کو ہبہ کیا جاسکتا ہے اور نہ کوئی شخص یا حکومت اس کی حیثیت کو تبدیل کر سکتی ہے، مسجد دراصل وہ حصہ زمین ہے جسے ایک دفعہ مسجد کے لئے وقف کر دیا گیا ہو، مسجد صرف درود یوار اور مسجد میں استعمال ہونے والے تعمیری سامان کا نام نہیں، اس لئے اگر مسجد کی عمارت منہدم ہو جائے یا اسے ظلماً منہدم کر دیا جائے یا کسی وجہ سے طویل عرصہ تک وہاں نماز نہ پڑھی جائے تب بھی وہ مسجد باقی رہتی ہے، اور مسلمانوں پر اس کو دوبارہ آباد کرنا شرعاً واجب ہے۔

مسجد کا مقصد کائنات کے حقیقی خالق و مالک کی عبادت اور غیر اللہ کی معبودیت کی نفی ہے، اس لئے مسجد کی زمین پر بت خانہ بنانے کی اجازت ہرگز نہیں دی جاسکتی، کیونکہ یہ مسجد کے مقصد کے عین برعکس بات ہوگی، اور یہ نہ صرف مذہب و عقیدہ بلکہ تقاضائے عقل کے بھی خلاف ہوگا کہ کوئی چیز اپنے برعکس مقصد کے لئے استعمال کی جائے۔

اسلام دنیا میں عقیدہ توحید کا نمائندہ مذہب ہے اور وہ پوری انسانیت کو اس سچائی کی طرف دعوت دیتا ہے کہ اس کائنات کا خالق اور رب ایک ہی قادر مطلق ذات ہے جس کا کوئی

☆ تیرہواں فقہی سمینار (کٹولی، لکھنؤ) بتاریخ ۱۸-۲۱ محرم ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۳-۱۶ اپریل ۲۰۰۱ء۔

شریک نہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ہمیں عدل اور رواداری کی تعلیم بھی دیتا ہے، وہ مذہب کے معاملہ میں کسی جبر و اکراہ کا قائل نہیں، اس نے اس بات سے منع کیا ہے کہ کسی فرد یا قوم کی انفرادی یا قومی اور مذہبی زمین پر قبضہ کر کے اسے زبردستی مسجد بنالیا جائے، اس لئے نہ صرف تاریخ بلکہ عقیدہ اور اسلامی تاریخ کی رو سے بھی یہ بات صریحاً غلط ہے کہ مسلمانوں نے اس ملک میں کسی زمین یا کسی قوم کی عبادت گاہ پر قبضہ کر کے اسے مسجد بنایا ہو۔

لہذا اسلام فقہ اکیڈمی کا یہ سمینار متفقہ طور پر اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ بابر کی مسجد یا کسی اور مسجد کے بارے میں ایسی کوئی صلح شرعی اعتبار سے قطعاً جائز نہیں کہ جس کا مقصد مسجد کی حیثیت کو تبدیل کرنا یا نعوذ باللہ اسے بت خانہ بنانا ہو، اور یہ مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر اور علماء امت کا متفقہ فیصلہ ہے۔



☆ حج و عمرہ کے مسائل

۱- حج اسلام کا ایک اہم رکن ہے، جو عمر بھر میں ایک ہی دفعہ فرض ہے، عام طور پر حجاج کو اس کے لئے طویل سفر کی مشقت بھی اٹھانی پڑتی ہے اور کثیر اخراجات بھی برداشت کرنے ہوتے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا اجر و ثواب بھی بے حد رکھا ہے اور آپ ﷺ نے اس عبادت کو ایک طرح کا جہاد قرار دیا ہے، پس حجاج کو چاہئے کہ وہ اس راہ کی مشقتوں کو ایک سعادت سمجھ کر برداشت کریں، افعال حج میں زیادہ سے زیادہ احتیاط کے پہلو کو ملحوظ رکھیں اور جن مسائل میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے ہے اور ایک میں توسع اور دوسرے میں احتیاط کا پہلو ہے، تو ایسی صورت حتی الوسع اختیار کرنے کی کوشش کریں کہ اس کا عمل دونوں ہی آراء کے مطابق درست قرار پائے، اور اس عظیم عبادت کی انجام دہی میں تن آسانی اور سہل انگاری سے بچا جائے۔

۲- حدود میقات سے باہر رہنے والے ہوں یا مکہ اور حل میں رہنے والے، اگر حدود میقات کے باہر سے مکہ کی نیت کر کے میقات سے آگے بڑھیں تو ان پر لازم ہے کہ وہ احرام باندھ کر ہی میقات سے آگے بڑھیں، خواہ وہ حج اور عمرہ کی نیت سے جائیں یا کسی اور مقصد سے۔

موجودہ حالات میں جبکہ تجارت، دفاتر میں کام کرنے والے، ٹیکسی چلانے والے اور دیگر

پیشہ وارانہ کام کرنے والے کبھی ہر روز، کبھی ہر دوسرے تیسرے دن، اور بعض لوگوں کو تو ایک دن میں ایک سے زیادہ دفعہ حرم میں داخل ہونا پڑتا ہے، ایسی حالت میں اس طرح کے لوگوں کو ہر بار احرام اور اداء عمرہ کی پابندی بے حد مشقت طلب اور دشوار ہے، اس لئے ان حضرات کے لئے بغیر احرام باندھے حدود حرم میں داخلہ کی گنجائش ہوگی۔

۳- جو لوگ مکہ کے اصلاً رہنے والے ہیں یا وہاں مقیم ہیں، اصلاً ان کے لئے تمتع نہیں ہے، اس لئے انہیں اُشہر حج میں عمرہ نہیں کرنا ہے، وہ شخص جس پر اس سال حج فرض ہے اور وہ اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہے اسے اُشہر حج میں میقات کے باہر جانے سے پرہیز کرنا چاہئے، اور اگر وہ تجارتی، دفتری اور اپنی پیشہ وارانہ مجبوریوں کے باعث باہر جانے پر مجبور ہے تو وہ تجویز (۲) پر عمل کرتے ہوئے میقات سے اندر داخل ہوتے ہوئے احرام نہ باندھے اور عمرہ نہیں کرے۔

مکہ میں مقیم سے مراد وہ لوگ ہیں جو اُشہر حج کے شروع ہونے سے قبل صحیح طریقہ سے مکہ میں آ کر مقیم ہو گئے یا کم از کم ایک سال سے وہاں اقامت پذیر ہوں۔

۴- تمتع کرنے والے آفاقی حجاج حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرہ کر سکتے ہیں۔

۵- رمی جمرات کے سلسلہ میں عام طور پر آج کے زمانہ میں حجاج میں جو بات رواج پارہی ہے کہ وہ معمولی اعذار بلکہ بغیر عذر بھی خود رمی کو نہیں جاتے اور دوسروں کو نائب بنا دیتے ہیں، جملہ علماء اس پر متفق ہیں کہ اس صورت میں حج کا ایک واجب ترک ہو جاتا ہے، یہ نیابت شرعاً معتبر نہیں ہے اور ایسا کرنے والے پر دم واجب ہے، ہاں وہ لوگ جو جمرات تک چل کر جانے کی طاقت نہیں رکھتے یا بہت مریض اور کمزور ہیں ایسے لوگوں کے لئے نائب بنانا جائز ہے۔

۶- محض ازدحام عذر نہیں ہے، اس کا بہتر حل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس ازدحام میں جا کر رمی کرنے کا متحمل نہیں تو وہ وقت مسنون کے بعد وقت جواز بلکہ زیادہ دشواری میں وقت

کراہت میں بھی رمی کر سکتا ہے، اس کے لئے یہ مکروہ بھی نہیں ہوگا۔

۷۔ - حنفیہ کے قول رائج کے مطابق ۱۰ ارذی الحجہ کے مناسک میں رمی، ذبح اور حلق کو ترتیب کے ساتھ انجام دینا واجب ہے، اور صاحبین اور اکثر فقہاء کے یہاں مسنون ہے جس کی خلاف ورزی سے دم واجب نہیں، حجاج کو چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو ترتیب کی رعایت کو ملحوظ رکھیں تاہم ازدحام اور موسم کی شدت، اور مذبح کی دوری وغیرہ کی وجہ سے صاحبین اور دیگر ائمہ کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، لہذا اگر یہ مناسک ترتیب کے خلاف ہوں تو بھی دم واجب نہیں ہوگا۔

۸۔ - دنیا بھر سے لاکھوں حجاج موسم حج میں مکہ پہنچتے ہیں اور مناسک حج ادا کرتے ہیں۔

الف: حج کے جملہ انتظامات کی ذمہ داری حکومت سعودیہ پر ہے، حج ایک اجتماعی عبادت ہے، اس کو نظم و ضبط کے ساتھ ادا کیا جانا ضروری ہے، لاکھوں انسانوں کے قیام و سفر، ان کی صحت، جان و مال کا تحفظ بغیر نظم و ضبط کے ممکن نہیں ہے، ایسے حالات میں حکومت سعودیہ بہت سی انتظامی پابندیاں عائد کرتی ہے جس سے حاجیوں کی تعداد اتنی رکھی جاسکے جس کا انتظام بہتر طور پر ہو سکے، حکومت سعودیہ کے انتظامی احکامات کی پابندی تمام ہی لوگوں پر ضروری ہے، یہ امر بالمعروف ہے جس کی اطاعت لازم ہے، لہذا حکومت سعودیہ کے احکام و ضوابط کے مطابق سعودیہ میں مقیم مسلمانوں کو اگر ہر سال حج کرنے سے منع کیا جائے تو اس کی پابندی شرعاً ضروری ہے۔

ب: اگر کوئی شخص ان پابندیوں کی مخالفت کرتے ہوئے بھی احرام حج باندھ کر میقات سے آگے بڑھ جائے اور پھر پکڑا جائے اور اسے انتظامیہ واپس کر دے تو اس کا حکم وہی ہوگا جو شرعاً محصر عن الحج کا ہے یعنی اسے حرم میں ایک دم دینا واجب ہوگا، اور جس تاریخ اور جس وقت پر حرم میں اس کی طرف سے دم احصار ادا کیا جائے گا اس وقت وہ احرام کی پابندیوں سے باہر آسکے گا۔

۹- اگر اصطلاح شرع کے مطابق واقعی حج بدل ہو تو اس صورت میں عام اصول کے مطابق حج افراد ادا کیا جانا چاہئے، لیکن حج بدل کرنے والے کو چاہئے کہ حج بدل کرانے والے کو مسئلہ سمجھا کر اس سے حج تمتع یا مطلق حج کی اجازت حاصل کر لے، اگر کسی وجہ سے اس نے اس کے لئے اجازت نہیں لی تو چونکہ عام طور سے حج تمتع کیا جاتا ہے، خود حج کرانے والا اگر حج کرتا تو سہولت کی بنیاد پر حج تمتع کرتا، لہذا عرف و عادت کے پیش نظر مامور کے لئے حج تمتع کی اجازت ہوگی، اس صورت میں میقات سے عمرہ کا احرام بھی آمر کی طرف سے کرنا ہوگا اور اس صورت میں دم شکر بھی آمر کے خرچ سے ادا کیا جائے گا۔

۱۰- اگر طواف زیارت سے قبل کسی عورت کو حیض یا نفاس آجائے اور اس کے طے شدہ پروگرام کے مطابق اس کی گنجائش نہ ہو کہ وہ حیض یا نفاس سے پاک ہو کر طواف زیارت کر سکے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر طرح اس کی کوشش کرے کہ اس کے سفر کی تاریخ آگے بڑھ سکے تاکہ وہ پاک ہو کر طواف زیارت ادا کرنے کے بعد اپنے گھر واپس جاسکے، لیکن اگر ایسی ساری ہی کوششیں ناکام ہو جائیں اور پاک ہونے سے پہلے اس کا سفر ناگزیر ہو جائے تو ایسی حالت میں وہ طواف زیارت ادا کر سکتی ہے، یہ طواف زیارت شرعاً معتبر ہوگا، اور وہ پورے طور پر حلال ہو جائیگی، لیکن اس پر ایک بدنہ (بڑے جانور) کی قربانی بطور دم جنایت حدود حرم میں لازم ہوگی۔

۱۱- سفر حج میں کسی خاتون کے شوہر کا انتقال ہو گیا اور اس نے ابھی احرام نہیں باندھا ہے اور اس کے لئے وطن واپسی ممکن ہے تو وہ اپنے وطن واپس جا کر عدت گزارے، اور اگر احرام باندھ چکی ہے یا واپسی کا سفر دشوار ہے تو وہ ایام عدت میں حج و عمرہ ادا کر لے۔

۱۲- حج کا سفر کرنے والا ایام حج سے اتنا پہلے مکہ مکرمہ پہنچ رہا ہے کہ مکہ مکرمہ میں پندرہ یوم قیام سے پہلے ہی حج شروع ہو جاتا ہے اور منی چلا جاتا ہے تو وہ مسافر ہوگا، اسے چار رکعت والی نمازوں میں قصر کرنا ہوگا۔

۱۳- بلاد عرب میں عموماً وتر کی تین رکعتیں دو سلام سے ادا کی جاتی ہیں، احناف کے

لئے بھی ایسے امام کی اقتداء میں نماز وتر ادا کرنے کی گنجائش ہے، اگر امام وتر کی تین رکعتیں دو سلام سے ادا کرے تو حنفی مقتدی دو رکعت کے بعد سلام نہ پھیرے اور امام کے ساتھ تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے۔



☆ اوقاف سے متعلق مسائل

۱- اسلام میں نیکی کے کاموں اور خیراتی مقاصد کے لئے زمین، جائیداد اور مال وقف کرنا بہت بڑا کارِ ثواب اور صدقہ جاریہ ہے، اس لئے مسلمان جس ملک اور جس علاقہ میں بھی آباد ہیں نیک کاموں کے لئے زمین، جائیداد اور مال وقف کرتے ہیں، ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ بہت پرانی ہے، سیکڑوں سال سے ہندوستان کے ہر علاقہ میں آباد ہیں، اس لئے ہندوستان کے ہر صوبہ اور علاقہ میں مختلف دینی اور رفاہی و خیراتی مقاصد کے لئے مسلم اوقاف موجود ہیں، ان اوقاف کی حفاظت، انہیں ترقی دینا اور ان کی آمدنی وقف کرنے والوں کے مقاصد کے مطابق خرچ کرنا، نیز اوقاف کی املاک سے غاصبانہ قبضہ ختم کرنا ہندوستانی مسلمانوں اور حکومت ہند کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔

۲- اوقاف کے بارے میں اسلام کا اصل نقطہ نظر یہ ہے کہ اوقاف دائمی ہوتے ہیں، اس لئے عام حالات میں ان کو فروخت کرنا یا منتقل کرنا جائز نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ کا وقف کے بارے میں ارشاد ہے: ”لاتباع ولا توهب ولا تورث“ (نہ فروخت کیا جاسکتا ہے، نہ ہبہ کیا جاسکتا ہے اور نہ اس میں وراثت جاری ہو سکتی ہے) لہذا اوقاف کی جائیدادوں کو حسب سابق باقی رکھتے ہوئے انہیں نفع آوے اور مفید بنانے کی ہر ممکن کوشش کی جانی چاہئے، اور اس سلسلہ میں ایسے قانون بننے چاہئیں جن سے اوقاف کی جائیداد کا پورا تحفظ ہو اور وقف کرنے والوں کے

☆ دسواں فقہی سمینار (ممبئی) بتاریخ ۲۱-۲۴ جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۴-۲۷ اکتوبر ۱۹۹۷ء۔

مقاصد کی رعایت کے ساتھ اوقاف کی افادیت اور نفعیت میں اضافہ ہو۔

۳- دوسرے اوقاف کے مقابلہ میں مساجد کو زیادہ تقدس و احترام حاصل ہے، مساجد کی فروخت اور منتقلی کسی حال میں درست نہیں، حتیٰ کہ اگر مسجد ویران ہو جائے اور وہاں نماز ادا کرنے کا سلسلہ موقوف ہو جائے تو بھی وہ زمین جہاں مسجد کی عمارت تھی مسجد ہی رہتی ہے، اور اسے مسجد کا تقدس و احترام حاصل ہوتا ہے، وہاں مسجد بنانے اور آباد کرنے کی کوشش کی جانی چاہئے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾ [سورہ جن ۱۸/۱۸]۔ ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ [سورہ توبہ ۱۸/۱۸]۔

۴- مساجد میں نماز کی ادائیگی سے روکنا بدترین ظلم اور گناہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا﴾ [سورہ بقرہ ۱۱۴/۱۱۴]۔ کسی مسجد میں مسلمانوں کو خواہ کتنے طویل زمانہ سے نماز ادا کرنے سے روک دیا گیا ہو یا اس پر غاصبانہ قبضہ کر لیا گیا ہو یا عمارت منہدم کر دی گئی ہو، اسلامی شریعت کی نظر میں وہ مسجد ہی رہتی ہے۔

۵- آثار قدیمہ کے تحت جو مساجد ہیں ان میں نماز کی ادائیگی کو روکنا شرعاً ظلم ہے، ارشاد باری ہے: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا﴾ [سورہ بقرہ ۱۱۴/۱۱۴]۔

۶- تقسیم ہند کے موقع پر ہندوستان کے بعض علاقوں (خصوصاً پنجاب، ہریانہ، دہلی اور مغربی یوپی کے بعض علاقے) سے بڑے پیمانے پر مسلمان پاکستان منتقل ہو گئے، ان علاقوں میں مسلمانوں کے مختلف النوع بڑے بڑے اوقاف (مساجد، مدارس، خانقاہیں، قبرستان، سرائے وغیرہ) ہیں، ان علاقوں میں اگر کچھ بھی مسلمان آباد ہیں تو ان کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ ان اوقاف کے تحفظ اور انہیں نفع آوری بنانے کی جدوجہد کریں، جو آبادیاں مسلمانوں سے کلیۃً

خالی ہو چکی ہیں وہاں کے اوقاف کا تحفظ وہاں کے وقف بورڈ کی ذمہ داری ہے، اور قریبی مسلم آبادی کو ان کے تحفظ کی جدوجہد کرنی چاہئے۔

۷۔ مساجد کے علاوہ دوسرے وہ اوقاف جو ان مقامات میں واقع ہیں جہاں پر دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا ناقابل عمل ہو گیا ہے اور ان اوقاف پر قبضہ غاصبانہ کا پورا خطرہ ہے، ایسے اوقاف کو فروخت کر کے دوسرے مقامات پر اسی نوع کے اوقاف قائم کرنا درج ذیل شرطوں کے ساتھ درست ہے:

الف: اس بات کی تحقیق کر لی گئی ہو کہ مسلمانوں کی آبادی ان مقامات سے کلیۃً ختم ہو چکی ہے، اور مستقبل قریب میں وہاں مسلمانوں کے آباد ہونے کی کوئی توقع نہیں ہے۔

ب: وقف جائیداد کی فروختگی مناسب قیمت پر مارکیٹ ویلو کا لحاظ کرتے ہوئے کی جائے، اتنی کم قیمت پر اسے فروخت نہ کی جائے جتنی کم قیمت قیمتوں کے ماہرین نہیں لگا سکتے۔

ج: وقف کو فروخت کرنے والے متولی یا وقف افسر اس کی فروختگی اپنے کسی قریبی رشتہ دار یا کسی ایسے شخص کے ہاتھ نہ کرے جس سے اس کا مفاد وابستہ ہو، اسی طرح کسی ایسے شخص کے ہاتھ فروختگی نہ کرے جس کا قرض یا مالی دین فروخت کرنے والے کے ذمہ لازم ہے۔

د: وقف جائیداد کی فروختگی روپیہ پیسہ کے بجائے جائیداد سے کی جائے، اور اگر کسی قانونی یا عملی دشواری کی وجہ سے نقد روپیوں سے فروختگی کی جائے تو جلد سے جلد اس کے ذریعہ جائیداد خرید کر متبادل وقف قائم کر دیا جائے۔

ه: وقف کے تبادلہ اور فروختگی کی اجازت شرائط استبدال کی تحقیق کر کے شرعی قاضی یا اوقاف کی ایسی شرعی کمیٹی دے جس میں مسائل اوقاف سے واقف متقی و خدا ترس علماء اور مسلمان متدین ماہرین قانون ضرور شامل ہوں، موقوفہ جائیداد کی فروختگی اور تبادلہ کے لئے

وقف بورڈ یا وقف آفیسر کی اجازت شرعاً کافی نہیں ہے، اس سلسلہ میں وقف ٹریبونل (Tribunal) کی اجازت شرعاً اس وقت معتبر ہوگی جب اس نے کم سے کم تین مستند مفتیان کرام کی رائے لینے اور مشورہ طلب کرنے کے بعد ان کے مشورہ کے مطابق فیصلہ کیا ہو۔

نوٹ: یہ وضاحت ضروری ہے کہ موقوفہ دوکان، مکان، زمین، جائیداد کو فروخت کر کے جو دوکان، مکان، زمین، جائیداد خریدی جائے گی وہ بھی انہیں مقاصد کے لئے وقف ہوگی جن کے لئے پہلا وقف پراپرٹی وقف تھی۔

۸- الف: ویران غیر آباد اوقاف کی آمدنی مقاصد واقف کی رعایت کرتے ہوئے وقف نامہ میں مذکور مددات پر صرف کی جائے، اور اگر یہ مددات موجود نہ ہوں تو ان سے قریب ترین مددات پر صرف کیا جائے، منشاء واقف کا لحاظ کئے بغیر دیگر مصارف پر صرف کرنا درست نہ ہوگا۔

ب: اگر ویران غیر آباد اوقاف فروخت کرنے پڑیں تو ان کا متبادل وقف قائم کرنا ضروری ہوگا۔

۹- مسجد پر وقف زائد اراضی جن کی نہ مسجد کو فی الحال ضرورت ہے اور نہ آئندہ ضرورت پیش آنے کی امید ہے، ان اراضی پر دینی تعلیم کا مدرسہ یا مکتب قائم کرنا درج ذیل صورتوں میں درست ہوگا:

الف: مسجد آباد نہ ہو اور مدرسہ یا مکتب قائم ہونے میں مسجد کے آباد ہونے کی امید ہو۔
ب: مسجد پر موقوف زائد اراضی پر قبضہ غاصبانہ کا شدید خطرہ ہے اور دینی مدرسہ یا مکتب قائم ہونے کی صورت میں قبضہ کا خطرہ ٹل جائے گا۔

ج: جس آبادی یا محلہ میں مسجد واقع ہے وہاں مسلمان بچوں کے لئے کوئی دینی مدرسہ یا مکتب قائم کرنے کے لئے کوئی مستقل بندوبست بھی نہ ہو تو مسجد پر وقف زائد اراضی میں دینی

مدرسہ یا مکتب قائم کیا جاسکتا ہے، لیکن اس کے لئے مسجد کے متولی یا منتظمہ کمیٹی سے اجازت لے لی جائے، بہتر یہ ہے کہ خود مسجد کی کمیٹی ہی اس مکتب یا مدرسہ کا بندوبست کرے۔

۱۰- مساجد پر وقف اراضی جن کا مقصد مساجد کے لئے آمدنی فراہم کرنا ہے، ان کو مناسب کرایہ پر مسلمانوں کی دینی، عصری یا ٹیکنکل تعلیم کے ادارے قائم کرنے کے لئے دیا جاسکتا ہے، لیکن معاملات اس طرح طے کئے جائیں کہ مساجد کی مالکانہ حیثیت مجروح نہ ہو۔

۱۱- جن مساجد کے پاس ان کے مصارف سے کہیں زیادہ آمدنی ہے اور یہ آمدنی سال بہ سال جمع ہو کر بڑا سرمایہ بنتی جا رہی ہے، مستقبل قریب میں بھی مساجد کو اس زائد سرمایہ کی ضرورت پیش آنے کی امید نہیں ہے، مساجد کی ایسی زائد آمدنی کو دوسرے مقامات پر (جہاں ضرورت ہو) مساجد تعمیر کرنے یا محتاج مساجد کی امداد میں صرف کیا جائے، کیونکہ ہندوستان میں اب بھی ایسی بہت سی آبادیاں ہیں جہاں کوئی مسجد اور دینی مکتب نہیں ہے، مسلمان اذان کی آواز کو ترستے ہیں، مالدار مساجد کی فاضل آمدنی سے ایسی آبادیوں میں مساجد قائم کئے جائیں۔

۱۲- مساجد کے مصارف کے لئے موقوفہ اراضی اور جائیدادوں سے حاصل ہونے والی آمدنی کا ایک اہم مصرف مساجد کے ائمہ، مؤذنین اور دوسرے خدام بھی ہیں، شرکاء، سمینار کا احساس ہے کہ بسا اوقات مساجد کی آمدنی میں گنجائش ہونے کے باوجود ائمہ و مؤذنین وغیرہ کی تنخواہیں بہت کم رکھی جاتی ہیں جو ان کی ضروریات کے لئے بالکل ناکافی ہوتی ہیں، اس لئے سمینار سفارش کرتا ہے کہ متولیان اور مساجد کے ذمہ داران ائمہ و مؤذنین و خدام مساجد کو بہتر سے بہتر اکرامیہ پیش کریں، اور ان کی تنخواہوں کے مسئلہ کو مساجد کے ضروری مصارف میں شمار کریں۔

۱۳- دیگر اوقاف کی زائد آمدنی جن کی اوقاف کو نہ فی الحال ضرورت ہے اور نہ آئندہ ضرورت پیش آنے کی امید ہے اور اس کی حفاظت متولیان کے لئے بہت مشکل ہے، حکومت یا بددیانت افراد کی طرف سے دست اندازی یا قبضہ غاصبانہ کا خطرہ ہے، اوقاف کی ایسی زائد

آمدنی کو اسی نوع کی مددات میں صرف کیا جائے، مثلاً مدارس کی زائد آمدنی کو مدارس میں، مسافر خانوں کی زائد آمدنی کو مسافر خانوں میں صرف کیا جائے۔

۱۴- اگر کسی وقف کی آمدنی معقول ہو تو محض زیادہ سے زیادہ آمدنی حاصل کرنے کے لئے اس کی فروختگی درست نہیں کہ اصل وقف کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، البتہ اگر موقوفہ جائیداد کی آمدنی اتنی قلیل ہو کہ وقف پر اپرٹی کے ضروری اخراجات اس سے پورے نہ ہوتے ہوں بلکہ اس کے لئے قرض لینا پڑتا ہو اور اس موقوفہ جائیداد کی آمدنی بڑھانے کی کوئی شکل نہ ہو، ایسی صورت میں تجویز (۷) میں ذکر کردہ شرائط (ب، ج، د، ہ) کی پابندی کے ساتھ موقوفہ جائیداد کو فروخت کر کے زیادہ منفعت بخش جائیداد خریدنا درست ہوگا، اگر واقف زندہ ہو تو اس سے اجازت لینا ضروری ہوگا۔

۱۵- جن اوقاف کی عمارتیں مخدوش حالت میں ہیں اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ موجود نہیں ہے، اور نہ ہی مستقبل قریب میں حاصل ہونے کی امید ہے، ایسے اوقاف کے متولیان کسی بلڈر سے ایسا معاملہ کر سکتے ہیں کہ بلڈر اس شرط کے ساتھ عمارت تعمیر کرے کہ ایک خاص مدت تک وہ پوری عمارت یا اس کا ایک حصہ اس کے پاس بطور کرایہ رہے گا، اور اس طرح اسے سرمایہ کاری کا فائدہ حاصل ہو جائے گا، اس طرح معاملہ کرنا درست نہیں کہ چند منزلہ عمارت کی ایک منزل یا دو منزل کی ملکیت بلڈر کی طرف ہو جائے۔

۱۶- قبرستان کی حفاظت کے لئے اس کے ارد گرد چہار دیواری تعمیر کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہو، ایسا کیا جاسکتا ہے کہ اس کے اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کرا دی جائے، لیکن دوکانوں کا راستہ قبرستان کے باہر سے ہونا چاہئے، اس کے لئے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے کر دوکانوں کی تعمیر کرائی جائے، دوکانوں سے حاصل ہونے والی آمدنی قبرستان کی حفاظت و ضروریات میں صرف کی جائے، لیکن اس کا لحاظ رکھا جائے کہ دوکانیں تعمیر کرنے میں ایسی قبریں

متاثر نہ ہوں جن کے نشانات باقی ہیں۔

۱۷۔ حکومت ہند نے مسلم اوقاف کے لئے جو پارلیمانی کمیٹی بنائی ہے اس کے سامنے وقف ایکٹ میں ضروری ترمیمات کا مسودہ پیش کرنے اور مفید تجاویز کے لئے سمینار اسلامک فقہ اکیڈمی کے سکریٹری جنرل قاضی مجاہد الاسلام قاسمی سے سفارش کرتا ہے کہ اس کام کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دیں، جو جلد از جلد ضروری ترمیمات اور تجاویز مرتب کر کے پارلیمانی کمیٹی کے سامنے پیش کرے، اور اس مسئلہ میں فقہ اکیڈمی کی نمائندگی کرے۔



☆ زکاة میں بنیادی حاجت

وجوب زکوة کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ آدمی کے پاس جو مال ہے وہ اس کی حاجت اصلیہ سے زائد ہو، حوائج اصلیہ میں جو امور قابل اعتبار ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱- اپنے اور اپنے اہل و عیال نیز زیر کفالت رشتہ داروں سے متعلق روزمرہ کے اخراجات۔

۲- رہائشی مکان کپڑے، سواری، صنعتی آلات، مشینیں اور دیگر وسائل رزق جن کے ذریعہ کوئی شخص اپنی روزی کماتا ہے۔

۳- حوائج اصلیہ کا تعین ہر زمانہ، علاقہ اور افراد کے حالات اور ان کے معیار زندگی کی روشنی میں ہوگا۔

۴- حوائج اصلیہ کے مد میں ضروریات زندگی اور روزمرہ پیش آنے والے اخراجات داخل ہیں، اور اعتبار سال بھر کے اخراجات کا ہوگا، اور آئندہ سال کی ضرورت کے لئے جو سرمایہ محفوظ رکھا جائے گا زکوة نکالتے وقت حوائج اصلیہ میں شمار ہو کر اموال زکوة سے منہا نہیں کیا جائے گا۔



دین (قرض) کی زکوٰۃ ☆

۱- دین کی دو قسمیں ہیں: وہ دین جس کے وصول ہونے کی کوئی امید نہ ہو، جیسے ڈوبی ہوئی رقم، اور وہ دین جس کے وصول ہونے کی پوری امید ہو۔ جس دین کے وصول ہونے کی کسی وجہ سے امید ختم ہوگئی ہو اگر وہ دین کبھی وصول ہو جائے تو وصولی کے دن سے ایک سال گزرنے کے بعد ہی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

۲- مقرض اگر قرض دہندہ کے مطالبہ و اصرار کے باوجود اس حد تک ٹال مٹول سے کام لے کہ دائن اس کی وصولیابی سے مایوس ہو جائے تو اس مال کی زکوٰۃ قرض دہندہ پر واجب نہ ہوگی، اگر ایسا قرضہ کبھی وصول ہو جائے تو اس پر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی۔

۳- جس دین کا وصول ہونا متوقع ہو اس کی تین صورتیں ہیں:

الف- وہ دین قرض کی صورت میں ہو، یا سامان تجارت کی قیمت کسی کے ذمہ باقی ہو، ایسے دیون میں وصول ہونے کے بعد گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرنی ہوگی۔

ب- وہ دین جو ایسے مال کے عوض ہو جو تجارت کے لئے نہیں تھا اور نہ قرض کے طور پر دیا گیا تھا، جیسے مال وراثت یا مال وصیت۔

ج- ایسا دین جو کسی مال کا عوض نہ ہو جیسے مہر، ان دونوں صورتوں میں دین وصول ہونے کے بعد سال گزر جانے پر زکوٰۃ واجب ہوگی، گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

☆ پانچواں فقہی سمینار (رشادنگر، اعظم گڑھ) بتاریخ ۳-۶ جمادی الاول ۱۴۱۳ھ مطابق ۳۰ اکتوبر-۲ نومبر ۱۹۹۲ء۔

۴- سرکاری یا غیر سرکاری اداروں سے لئے جانے والے طویل المیعاد قرضوں کی صورت میں ہر سال جو قرض کی قسط ادا کرنی ہے اموال زکوٰۃ میں سے منہا کی جائے گی، اور باقی اموال زکوٰۃ پر زکوٰۃ واجب ہوگی، پورا قرض منہا نہیں کیا جائے گا۔



تجارت میں پیشگی دی ہوئی قیمت اور کرایہ دوکان و مکان میں دی گئی ڈپوزٹ کی رقم پر زکوٰۃ ☆

۱: الف- مال تجارت جس کی مشتری (خریدار) نے پیشگی قیمت ادا کر دی ہے لیکن مبیع (خریدے ہوئے سامان) پر اس کا قبضہ نہیں ہوا ہے تو اس ادا کردہ قیمت کی زکوٰۃ خریدار پر واجب نہیں ہوگی، بلکہ بائع (فروخت کرنے والے) پر واجب ہوگی۔

ب- مبیع (فروخت شدہ مال) کی زکوٰۃ بیع سلم (یعنی وہ تجارت جس میں قیمت پہلے ادا کی جاتی ہے اور خریدار کو مال ایک مدت کے بعد متعین تاریخ کو وصول ہوتا ہے، جیسے کسان کا شنکاری کے وقت نقد قیمت لے کر گندم یا چاول اس شرط پر فروخت کر دیتے ہیں کہ وہ آئندہ فلاں متعین تاریخ کو فلاں قسم کا گندم یا چاول خریدار کے حوالہ کر دے گا) اور بیع استصناع (یعنی وہ بیع جس میں خریدار کے آرڈر پر کوئی متعین چیز تیار کر کے صنعت کار حوالہ کرنے کا معاملہ طے کرتا ہے اور اس میں طے شدہ قیمت کل کی کل یا کچھ حصہ پہلے ادا کر دیا جاتا ہے) کی صورت میں مشتری (خریدار) کو مبیع (فروخت شدہ مال) سوئے جانے سے قبل بائع پر واجب ہوگی، اور بیع سلم اور بیع استصناع کے علاوہ بیع کی وہ شکل جس میں مبیع کی تعیین ہو چکی ہے لیکن مشتری کا اس پر قبضہ نہیں ہوا ہے، تو اس کی زکوٰۃ بھی مشتری پر واجب نہیں ہوگی۔

۲- کرایہ دار کی طرف سے مالک مکان و دوکان وغیرہ کو پیشگی دی گئی ضمانت کی رقم

☆ پانچواں فقہی سمینار (رشادنگر، اعظم گڑھ) بتاریخ ۳-۶ جمادی الاول ۱۴۱۳ھ مطابق ۳۰ اکتوبر-۲ نومبر ۱۹۹۲ء۔

(Security Deposit) پر زکوٰۃ کرایہ دار کے ذمہ واجب نہیں ہوگی۔

شرکاء سمینار میں سے کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اس مال کی زکوٰۃ مالک مکان پر ہوگی، اور دوسری رائے یہ ہے کہ اس مال کی زکوٰۃ کسی پر نہیں ہوگی۔



ہیرے و جواہرات پر زکوٰۃ ☆

الف۔ جو ہیرے جواہرات تجارت کی نیت سے خریدے گئے ہوں ان کی زکوٰۃ مالک پر واجب ہوگی۔

ب۔ جو ہیرے جواہرات زیورات وغیرہ کے لئے خریدے گئے ہوں، ان کی زکوٰۃ مالک پر واجب نہیں ہوگی۔

ج۔ ایک رجحان یہ پایا جاتا ہے کہ لوگ بڑی بڑی رقوم ہیرے جواہرات کی خرید پر صرف کر دیتے ہیں اور اپنی نقد رقوم کو ہیرے جواہرات میں بدل کر مختلف مصالح کے تحت محفوظ کر لیتے ہیں۔

مجمع الفقہ الاسلامی کے سمینار میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ اس صورت میں لاکھوں لاکھوں کی نقد رقم ہیرے جواہرات کی صورت میں ان کے پاس محفوظ ہو جاتی ہے جو کسی بھی وقت نقد کی صورت میں منتقل ہو سکتی ہے۔ بحث کی روشنی میں یہ بات سامنے آئی کہ اس مسئلہ میں ایک جہت تو یہ ہے کہ ہیرے جواہرات، سونا چاندی نہیں ہیں جو خلقتاً نامی تسلیم کئے گئے ہیں، اور اس شخص کا کام ہیرے جواہرات کی تجارت بھی نہیں ہے اور نہ فوری طور پر خریدتے وقت باضابطہ تجارت کی نیت کی گئی ہے تاکہ بسبب مال تجارت ہونے کے اسے نامی قرار دیا جائے، اس جہت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہو۔

دوسری جہت یہ ہے کہ ہیرے جواہرات ضروریات زندگی میں داخل نہیں اور اصحاب

☆ پانچواں فقہی سمینار (رشادنگر، اعظم گڑھ) بتاریخ ۳-۶ جمادی الاول ۱۴۱۳ھ مطابق ۳۰ اکتوبر-۲ نومبر ۱۹۹۲ء۔

سرمایہ اپنے خاص مصالح کے لئے اپنے روپیوں کو جن کی مقدار غیر معمولی حد تک زائد ہوتی ہے، ہیروں اور جواہرات کی صورت میں محفوظ کر کے مختلف فوائد بھی حاصل کرتے ہیں، اور انہیں اس طرح اس کا اطمینان بھی رہتا ہے کہ ان ہیروں اور جواہرات کی صورت گویا ”زر نقد“ ہر دم ان کے پاس محفوظ ہے، اور اس کے نتیجہ میں فقراء کو شدید نقصان ہوتا ہے کہ نقد رقوم میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جو عام حالات میں ہیرے جواہرات کی صورت میں عام اصول کے پیش نظر واجب نہیں ہوتی۔

سمینار میں شریک علماء و اصحاب افتاء میں سے ایک خاصی تعداد نے پہلی جہت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ رائے دی کہ اس خاص صورت میں محفوظ ہیرے جواہرات کی مالیت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

جبکہ دوسری بڑی تعداد علماء و اصحاب افتاء کی تھی جنہوں نے دوسری جہت کو سامنے رکھتے ہوئے اس خاص صورت میں ذخیرہ کئے ہوئے ہیرے جواہرات کو حکماً مال تجارت تسلیم کیا اور اس پر زکوٰۃ واجب قرار دیا۔ ہر دو جہت کے مطابق رائے رکھنے والے ممتاز علماء کے اسمائے گرامی ذیل میں علاحدہ علاحدہ درج کئے جاتے ہیں:

و جب زکوٰۃ کے قائلین حضرات کے نام:

- | | | |
|----|-------------------------------|----------|
| ۱- | قاضی مجاہد الاسلام قاسمی | |
| ۲- | مولانا طیب الرحمن امیر شریعت | آسام |
| ۳- | مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب | بمبئی |
| ۴- | مولانا اعجاز احمد اعظمی | |
| ۵- | مولانا مجیب اللہ ندوی | اعظم گڑھ |
| ۶- | مولانا شمس پیرزادہ | بمبئی |
| ۷- | مولانا انیس الرحمن قاسمی صاحب | پٹنہ |
| ۸- | مولانا عبد الرحیم | بھوپال |
| ۹- | مولانا مفتی عبد الرحمن | دہلی |

- ۱۰- مولانا زبیر احمد قاسمی صاحب سیتا مڑھی
- ۱۱- مولانا رفیق المنان صاحب مبارک پور
- ۱۲- مولانا مفتی نذیر احمد صاحب بارہ بنکی
- ۱۳- مولانا محمد شعیب صاحب سرائے میر
- ۱۴- مولانا عتیق احمد قاسمی صاحب

وغیرہم

عدم وجوب زکوٰۃ کے قائلین کے نام:

- ۱- مولانا مفتی برہان الدین قاسمی لکھنؤ
- ۲- مولانا حبیب الرحمن خیر آبادی قاسمی دیوبند
- ۳- مولانا نعمت اللہ قاسمی دیوبند
- ۴- مولانا عبید اللہ اسعدی قاسمی باندہ
- ۵- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی قاسمی حیدر آباد
- ۶- مولانا نسیم احمد قاسمی پٹنہ
- ۷- مولانا صدر الحسن ندوی اورنگ آباد
- ۸- مولانا محی الدین گجرات

وغیرہم



☆ پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ

پراویڈنٹ فنڈ (تنخواہ سے لازمی طور پر وضع ہونے والی رقم) جب تک اس پر قبضہ نہ ہو جائے اس کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، جب یہ رقم وصول ہو جائے اور بقدر نصاب ہو اور اس پر ایک سال گزر جائے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

بعض اوقات کچھ لوگ قانون انکم ٹیکس کی زد سے بچنے یا دیگر مصالح کی خاطر اختیاری طور پر اپنی تنخواہ سے کچھ زائد رقم وضع کر کر پی ایف (P.F.) جمع کراتے ہیں۔ یہ رقم اگر قدر نصاب کو پہنچ جائے تو سال بہ سال زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی۔ اس اختیاری وضع کرائی ہوئی رقم کی حیثیت ودیعت کی ہے اور مال ودیعت پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔



☆ مدرسہ کے سفراء، محصلین اور مہتمم کی حیثیت

یہ ایک حقیقت ہے کہ اہل مدارس زکوٰۃ و صدقات کی جو رقمیں وصول کرتے ہیں فوری طور پر خرچ نہیں ہوتیں، اور بسا اوقات خاصے عرصہ تک باقی رہ جاتی ہیں جس کی وجہ سے ادائیگی و عدم ادائیگی زکوٰۃ کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ لہذا فقہ اکیڈمی میں اس سے متعلق سوالنامہ کے جوابات کی روشنی میں ذیل کی تجاویز منظور کی جاتی ہیں:

زکوٰۃ کی وصولی میں مہتمم یا اس کا نائب (سفیر و محصل) طلبہ کا وکیل ہے۔ مہتمم یا اس کے نائب (سفیر و محصل) کو دے دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ مہتمم مدرسہ کا فرض ہے کہ زکوٰۃ کی رقم حسب احکام شرع طلبہ پر صرف کرے۔



☆ اموال مدرسہ پر زکاۃ

زکوٰۃ کی جو رقم مدارس یا بیت المال میں اکٹھا ہوتی ہیں ان کا کوئی مالک متعین نہیں، اسی طرح جو رقم از قسّم عطا یا صدقات نافلہ اداروں کو مطلق وجوہ خیر میں صرف کرنے کے لئے یا متعین مدات پر صرف کرنے کے لئے دی جاتی ہیں وہ دینے والوں کی ملک سے نکل کر اللہ کی ملک میں داخل ہو جاتی ہیں، اس لئے بیت المال، مدارس یا دیگر رفاہی اداروں میں جمع شدہ رقوم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔



کمیشن پرزکوۃ کی وصولی ☆

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے پانچویں سمینار منعقدہ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ میں
کمیشن پرزکوۃ کی وصولی کا موضوع زیر بحث آیا۔
مقالات اور شرکاء کے مباحثات کی روشنی میں یہ طے کیا جاتا ہے کہ کمیشن پرزکوۃ کی
وصولیابی کا مروجہ طریقہ جائز نہیں۔



☆ مال حرام کی زکوٰۃ

۱- مال حرام کسی کی ملکیت میں آئے اور وہ بعینہ موجود ہو، نیز مال کا اصل مالک معلوم ہو تو اس شخص کو وہ پورا مال لوٹا دینا واجب ہے۔

۲- اگر مال حرام متعین طور پر معلوم نہ ہو سکے یا اس کی تعداد معلوم نہ ہو سکے تو غالب گمان کے مطابق مال حرام کی مقدار متعین کی جائے گی۔ اگر مالک معلوم ہو تو اتنی مقدار میں رقم اس کے مالک کو واپس کر دی جائے، اور اگر مالک معلوم نہ ہو تو اسی مقدار میں بلا نیت ثواب صدقہ کر دیا جائے۔

۳- اگر مال حرام کی واپسی اس پر واجب ہوئی اور اس نے واپس نہیں کیا اور مال حرام اس کے قبضہ میں باقی رہ گیا اور مال کا کوئی انسان مطالبہ کرنے والا نہیں ہے، ایسی صورت میں اس مال کی زکوٰۃ ادا کرنی بھی واجب ہوگی، اور زکوٰۃ ادا کرنے کے باوجود حقدار کو حق لوٹانے یا حق دار کے معلوم نہ ہونے کی صورت میں بلا نیت ثواب صدقہ کرنے کا حکم باقی رہے گا۔

مال حرام میں اصل یہی ہے کہ اگر ایسے مال کا طلب کرنے والا مالک موجود ہو تو اس کو واپس کر دیا جائے ورنہ صدقہ کر دیا جائے، اور اگر حرام و حلال مال مخلوط ہو تو تحری و رجحان قلب کے مطابق مال حلال کی مقدار متعین کر کے اس کی زکوٰۃ دی جائے، مال حرام میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ مگر استحسان کا تقاضہ یہ ہے کہ پورے کے پورے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے تاکہ

☆ پانچواں فقہی سمینار (رشادنگر، اعظم گڑھ) بتاریخ ۳-۶ جمادی الاول ۱۴۱۳ھ مطابق ۳۰ اکتوبر-۲ نومبر ۱۹۹۲ء۔

یقینی اور اطمینان بخش طریقہ پر زکوٰۃ ادا کرنے والا فریضہ زکوٰۃ سے بری الذمہ ہو جائے، اور ظالمانہ اور حرام طریقوں سے لوگوں کے مال سے فائدہ اٹھانے والوں کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔ نیز ایسا نہ ہو کہ مال حرام کھانے والا دوطرفہ فائدہ اٹھائے، اس طرح ایک طرف مال حرام سے انتفاع کرے اور زکوٰۃ سے بھی بچ جائے۔



اموال زکوٰۃ کی سرمایہ کاری ☆

۱۔ بہت سے ممالک اور علاقوں میں مسلمانوں کی مفلوک الحالی اور معاشی پسماندگی ناقابل بیان ہے، مسلمانوں کی دین سے ناواقفیت اور اقتصادی بدحالی کا استحصال کرتے ہوئے غیر مسلم مشنریاں اور قادیانی مبلغین سرگرم عمل ہیں، اور غریب اور ناواقف مسلمانوں کی امداد کر کے اور انہیں اپنے قریب لا کر ان کے ایمان و عقیدہ کو بدلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ محتاج و نادار مسلمانوں کی معاشی بدحالی کا فوری طور پر مداوا کیا جائے، انہیں فقر و فاقہ کے اس چنگل سے نکالا جائے جس نے ان کے دین و ایمان کو خطرہ میں ڈال دیا ہے۔ ایسے مسلمان اموال زکوٰۃ کے سب سے زیادہ مستحق ہیں، ہر ملک اور علاقہ کے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ ایسے نادار اور محتاج مسلمانوں کو خاص طور پر اموال زکوٰۃ سے مدد کر دیں، اور اگر اموال زکوٰۃ اس کے لئے کفایت نہ کریں تو دوسری مدات خیر سے ان کا تعاون کریں۔

۲۔ فقراء و مساکین کو زکوٰۃ کا جو مال دے دیا، انہیں اس مال پر تمام مالکانہ حقوق حاصل ہو جاتے ہیں، اس لئے اگر کسی فقیر و مسکین یا چند فقراء نے زکوٰۃ لینے کے بعد اسے استثماریا تجارت وغیرہ میں لگا دیا تا کہ زکوٰۃ کی اس رقم سے آئندہ بھی فائدہ پہنچتا رہے تو ایسا کرنا جائز ہے، اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

۳۔ زکوٰۃ دینے والے شخص یا زکوٰۃ دینے والوں کی جماعت کی طرف سے زکوٰۃ میں

☆ تیرہواں فقہی سمینار (کٹولی لکھنؤ) بتاریخ ۱۸-۲۱/محرم ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۳-۱۶/اپریل ۲۰۰۱ء۔

نکالی ہوئی رقوم کو کسی نفع بخش کاروبار میں لگا دینا تاکہ مستقبل میں اس کا نفع فقراء و مساکین اور دیگر مستحقین زکاۃ پر تقسیم کی جاتی رہے، جائز نہیں، اس طرح زکاۃ ادا نہ ہوگی۔

۴- فقراء کو معاشی طور پر خود کفیل بنانے کے لئے اگر یہ صورت اختیار کی جائے کہ فقیر جس پیشے اور صنعت سے وابستہ ہے، یا جس پیشے کو شروع کر سکتا ہے اس کا لحاظ کرتے ہوئے اسے کوئی مشین یا آلات صنعت و حرفت زکاۃ کی رقم سے خرید کر بطور ملکیت دے دیئے جائیں، یا فقیر کی تجارتی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے کوئی دوکان اسے مالکانہ طور پر زکاۃ کی رقم سے بنا کر دے دی جائے تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہے، اس سے زکاۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔

۵- اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دے دی جائیں اور انہیں مکانات اور دوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تو اس سے زکاۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

۶- اداء زکاۃ کے وقت اس کو بہر حال ملحوظ رکھا جائے کہ مقامی محتاج و مستحقین محروم نہ رہ جائیں۔



فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے؟ ☆

۱- شرکاء سمینار کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آیت مصارف زکوٰۃ [سورہ توبہ: ۶۰] نے جن آٹھ مصارف میں زکوٰۃ کو محدود کر دیا ہے ان میں وہ قطعی ہے، اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا جاسکتا، اور آیت مصارف زکوٰۃ [سورہ توبہ: ۶۰] میں مذکور آٹھ مصارف میں زکوٰۃ کا حصر حقیقی ہے اضافی نہیں ہے۔

۲- اس آیت میں مذکور ”فی سبیل اللہ“ کا مصداق عام شرکائے سمینار کے نزدیک غزوہ اور جہاد عسکری ہے، بعض شرکاء سمینار کا نظریہ یہ ہے کہ ”فی سبیل اللہ“ میں عسکری جہاد کے ساتھ وہ تمام کوششیں شامل ہیں جو آج کے دور میں واقعتاً دعوت اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے کی جا رہی ہوں، ان حضرات کے نام یہ ہیں:

مولانا شمس پیرزادہ

مولانا ڈاکٹر سلطان احمد اصلاحی

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی

شیخ محمد محروس المدرس عراقی کی رائے یہ ہے کہ ”فی سبیل اللہ“ کے مفہوم میں عموم ہے۔

۳- عام شرکاء سمینار کا خیال یہ ہے کہ دور حاضر میں دینی اور دعوتی کاموں کے لئے درکار سرمایہ کی فراہمی میں پیش آنے والی دشواری کے باوجود شرعاً اس کی گنجائش نہیں ہے کہ زکوٰۃ

☆ پانچواں فقہی سمینار (رشادنگر، اعظم گڑھ) بتاریخ ۳-۶ جمادی الاول ۱۴۱۳ھ مطابق ۳۰ اکتوبر-۲ نومبر ۱۹۹۲ء۔

کے ساتویں مصرف ”فی سبیل اللہ“ کا دائرہ وسیع کر کے اس میں تمام دینی اور دعوتی کاموں کو شامل کر لیا جائے، کیونکہ قرون اولیٰ میں اس تعلیم و توسیع کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، نیز ایسا کرنے سے مسلمانوں کے محتاج، نادار اور افلاس زدہ طبقہ کی مال زکوٰۃ کے ذریعہ کفالت جو زکوٰۃ کا اہم ترین مقصد ہے، فوت ہو جائے گا۔ اس نقطہ نظر سے ان حضرات کا اختلاف ہے جنہیں دفعہ ۲ سے اختلاف ہے۔



عشری و خراجی اراضی ☆

شریعت اسلامی نے جس طرح دوسرے اموال میں زکوٰۃ واجب قرار دی ہے، زرعی پیداوار سے بھی غرائب کا حق متعلق کیا ہے، جس کو عشر کہا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں کتاب و سنت کی ہدایات اور قرون خیر کے تعامل کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہاء نے زمین کی درج ذیل قسموں کو عشری قرار دیا ہے:

۱- وہ زمینیں جن کے مالکوں نے اسلامی فتوحات سے پہلے ہی اپنی خوشی سے اسلام قبول کر لیا ہو۔

۲- کسی علاقہ کو مسلمانوں نے فتح کیا اور مفتوحہ زمینیں مسلمانوں میں تقسیم کر دی ہوں۔

۳- جو زمینیں مسلم حکومتوں کی طرف سے مسلمانوں کو بطور جاگیر عطا کی گئی ہوں۔

۴- جزیرۃ العرب کی تمام زمینیں جن کی فقہاء نے حد بندی کر دی ہے۔

۵- مسلمانوں کی رہائشی زمینیں جو قابل کاشت بنائی گئی ہیں، اور ان کے قرب و جوار کی زمینیں بھی عشری ہیں۔

۶- مسلمان ملک کی افتادہ زمینیں جن کو کسی مسلمان نے قابل کاشت بنایا ہو، اور ان کے قرب و جوار کی زمینیں بھی عشری ہوں۔

اور درج ذیل صورتوں کو خراجی قرار دیا گیا ہے:

☆ چھٹا فقہی سمینار (عمر آباد، تامل ناڈو) بتاریخ ۱۷-۲۰ رجب ۱۴۱۴ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۹۳ء - ۳ جنوری ۱۹۹۴ء۔

۱- مسلمانوں کی مفتوحہ زمینیں جو غیر مسلم باشندوں ہی کے قبضہ میں چھوڑ دی گئی ہوں۔

۲- وہ زمینیں جہاں کے غیر مسلم باشندوں نے صلح کر لی ہو اور زمین انہیں کے پاس رہنے دی گئی ہو۔

۳- مسلمانوں کی زمینیں جو غیر مسلموں کی ملکیت میں چلی جائیں اور پھر ان کو مسلمان حاصل کریں۔

۴- جو زمینیں مسلمان حکومت کی طرف سے جاگیر کے طور پر غیر مسلموں کی دی گئی ہوں۔

البتہ اصولی طور پر شریعت نے مسلمانوں کی زمین میں عشر اور غیر مسلموں کی زمین میں خراج واجب قرار دیا ہے، عشر میں بنیادی تصور عبادت کا ہے اور یہ زکوٰۃ ہی کی ایک قسم ہے اس لئے مسلمانوں کے حق میں اصل ”عشر“ ہے، اور چونکہ عشر کو ساقط کرنا ایک عبادت کو ساقط کرنا ہے، اس لئے جہاں عشر کے ساقط ہونے کی صراحت اور اس پر کوئی قوی نص موجود نہ ہو وہاں احتیاط کا تقاضا ہے کہ مسلمانوں کے حق میں عشر ہی کے حکم کو باقی رکھا جائے۔ عشر کے سلسلے میں ان بنیادی اور متفقہ اصولوں اور ہندوستان کے موجودہ سیاسی نظام کو سامنے رکھ کر ہندوستان کی اراضی کی شرعی حیثیت کے متعلق سمینار اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ:

۱- ہندوستان میں مسلمانوں کی زرعی زمینوں کے متعلق یہ خیال کہ نہ ان میں عشر واجب ہے نہ خراج، درست نہیں ہے۔

۲- ہندوستان کی زمینیں مندرجہ ذیل صورتوں میں بالاتفاق عشری ہیں:

الف- مسلمان حکومت کی طرف سے مسلمانوں کو عطا کردہ زمینیں جواب تک مسلمانوں کے پاس چلی آرہی ہیں۔

ب۔ جس علاقہ کے لوگ مسلم حکومت کے قیام سے پہلے بہ خوشی مسلمان ہو گئے ہوں اور ان کی زمینیں ابھی تک مسلمانوں ہی کے پاس چلی آرہی ہیں۔

ج۔ جو زمینیں عرصہ دراز سے مسلمانوں کے پاس ہیں اور تاریخی طور پر ان کا خراجی ہونا ثابت نہیں ہے۔

جو مزروعہ یا افتادہ زمینیں حکومت ہند سے مسلمانوں کو حاصل ہوں۔ اس صورت کو بعض حضرات خراجی قرار دیتے ہیں۔

۳۔ جو زمینیں غیر مسلم حکومت یا افراد سے کسی مسلمان کو حاصل ہوئی ہوں، ان کے بارے میں شرکاء سمینار کی رائیں مختلف ہیں: بعض حضرات کے نزدیک ہندوستان کی تمام زمینیں عشتری ہیں، اور بعض حضرات کے نزدیک اس صورت میں خراج واجب ہے۔
تاہم اس پر اتفاق ہے کہ احتیاط تمام ہی زمینوں میں عشرا داکر کرنے میں ہے۔



ادائیگی خراج کا طریقہ

☆ اور خراج سے سرکاری محصول کی منہائی

۱۔ بعض شرکاء کی رائے میں خراج واجب نہیں ہوتا۔

لیکن جو شرکاء سمینار ہندوستان کی خراجی زمینوں میں خراج لازم قرار دیتے ہیں اور خراج کو حق شرعی قرار دے کر واجب الادا کہتے ہیں، ان کا رجحان یہ ہے کہ زمین کا سرکاری لگان ادا کرنے سے خراج شرعی ادا نہیں ہوگا، بلکہ مسلمان مالک زمین پر لازم ہے کہ خراج خود نکال کر مصارف خراج میں صرف کرے۔

اور بعض شرکاء سمینار کی رائے ہے کہ خراج شرعی سے سرکاری لگان منہا کرنے کے بعد خراج کی باقی مقدار مصارف خراج میں صرف کرنا ضروری ہے۔

۲۔ ہندوستان کی خراجی زمینوں پر خراج مقاسمہ لازم ہے یا خراج موظف؟
اس سلسلے میں بعض شرکاء سمینار نے ادائیگی اور حساب کی سہولت کے پیش نظر تمام خراجی زمینوں میں خراج مقاسمہ لازم قرار دیا ہے۔

لیکن وجوب خراج کا رجحان رکھنے والے اکثر حضرات کے نزدیک جن زمینوں کے بارے میں تاریخی طور پر ثابت ہے کہ فتح اسلامی کے بعد ان پر خراج مقاسمہ لازم قرار دیا گیا تھا (مثلاً گجرات و راجپوتانہ) ان میں خراج مقاسمہ لازم ہوگا، اور اس کی مقدار وہی ہوگی جو

☆ چھٹا فقہی سمینار (عمر آباد، تامل ناڈو) بتاریخ ۱۷-۲۰ رجب ۱۴۱۴ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۹۳ء-۳ جنوری ۱۹۹۴ء۔

اسلامی فتوحات کے وقت متعین کی گئی، اور باقی تمام خراجی زمینوں میں خراج موظف کی ادائیگی لازم ہوگی۔

۳- وجوب خراج کار حجان رکھنے والے اکثر شرکاء سمینار نے توظیف عمری کو بنیاد بنا کر غلہ اور کپاس جیسی عام پیداوار کی خراجی زمینوں میں فی جریب ایک درہم نقد (یعنی ساڑھے تین ماشہ چاندی یا اس کی قیمت) اور پیداوار میں سے ایک صاع (یعنی تین کلو تین سو پچیس گرام) لازم قرار دیا ہے، اور سبزیوں کی زمین میں فی جریب پانچ درہم یا اس کی قیمت، اور انگور یا کھجور کے متصل درختوں والے باغ پر فی جریب دس درہم چاندی یا اس کی قیمت لازم قرار دی ہے۔



زمینی پیداوار، درخت و سبزیوں پر عشر☆

۱- زکوٰۃ کی طرح عشر بھی ایک فریضہ ہے جس کا تعلق زمینی پیداوار سے ہے، قرآن کریم میں اہل ایمان کو پاکیزہ کمائی سے زکوٰۃ اور زمینی پیداوار سے عشر کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔
(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ) [البقرہ: ۲۶۷]۔

عشر زمین کی ہر پیداوار پر واجب ہے یا کچھ چیزیں وجوب عشر سے مستثنیٰ ہیں۔ اس سلسلہ میں قرآن و حدیث کے عمومی دلائل، شرکاء سمینار کے مقالات و آراء پر غور و خوض کے بعد سمینار اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ:

۱- بشمول گھاس و درخت وغیرہ ہر ایسی زمینی پیداوار پر عشر واجب ہے جس کی پیداوار سے مقصود نماء ہوتی ہے اور جسے آمدنی کی غرض سے پیدا کیا جاتا ہے، لہذا تمام غذائی اجناس، میوہ جات، پھلوں اور پھولوں پر عشر واجب ہے۔ البتہ خود درخت اور گھاس جن سے حصول آمدنی مقصود نہ ہو اس پر عشر واجب نہیں۔

۲- وہ درخت جن سے پھل مقصود نہیں ہوتا بلکہ جلانے یا فرنیچر اور عمارت وغیرہ میں استعمال ہوتے ہیں جیسے صنوبر، ساکھو، شیشم، ساگوان وغیرہ، اگر کسی عشری زمین کو ایسے درختوں کے لئے خاص کر لیا گیا ہو اور ان کی کاشت سے آمدنی مقصود ہے، تو ایسے درختوں کے تیار ہونے

☆ چھٹا فقہی سمینار (عمر آباد، تامل ناڈو) بتاریخ ۱۷-۲۰ رجب ۱۴۱۲ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۹۳ء-۳ جنوری ۱۹۹۴ء۔

میں چاہے جتنی مدت درکار ہو، کاٹے جانے کے وقت ان سے یا ان کی آمدنی سے عشر کی ادائیگی واجب ہوگی۔

۳- وہ سبزیاں جو عشری زمین میں بوئی جائیں اور جن سے مقصود آمدنی ہو، ان میں عشر واجب ہے۔ البتہ اپنے مکان کے گرد و پیش کی افتادہ اراضی یا اپنی چھتوں پر لگائی جانے والی سبزیاں وجوب عشر سے مستثنیٰ ہیں۔



مزارعت (بٹائی) والی کاشت پر عشر☆

جن عشری زمینوں کی کاشت بطور بٹائی کے کرائی جاتی ہے، ان کی پیداوار پر عشر کے واجب ہونے کے سلسلے میں سمینار نے غور و فکر کیا اور اس سے متعلق آئے ہوئے تمام مقالات کا جائزہ لے کر اس نتیجے پر پہنچا کہ:

۱- اگر زمین کا مالک اور بٹائی دار دونوں مسلمان ہوں تو دونوں پر اپنے اپنے حصہ کے بقدر عشر واجب ہوگا۔

۲- اگر مالک زمین مسلمان اور بٹائی دار غیر مسلم ہو تو مسلمان مالک پر اس کے حصہ کے بقدر میں واجب ہوگا۔



عشر سے اخراجات زراعت کی منہائی ☆

۱- فقہی سمینار کے سامنے یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ آج کل کاشت کے جدید طریقوں میں زراعت کے اخراجات قدیم طرز کی کھیتی کے مقابلے میں کہیں زائد ہوتے ہیں، لہذا ان بڑھے ہوئے اخراجات کو واجب عشر کی ادائیگی سے پہلے اصلی پیداوار سے منہا کیا جائے تاکہ کاشت کاروں کو سہولت حاصل ہو۔

سمینار نے اس مسئلہ پر غور کیا اور اس کے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد سمینار اس نتیجہ پر پہنچا کہ عشر اور نصف عشر شریعت کی طرف سے منصوص مقادیر ہیں، اور شریعت نے کاشت کو سیراب کرنے کی بنیاد پر اخراجات کی کمی و زیادتی کو اساس تسلیم کرتے ہوئے مقدار واجب میں فرق کیا ہے، اور دیگر کسی قسم کے اخراجات کی رعایت کرتے ہوئے مقدار واجب میں تبدیلی کا اعتبار نہیں کیا ہے، اور جو مقدار واجب شریعت نے طے کر دی ہے اس میں عقل و قیاس کا دخل نہیں، اور نہ کسی کو مقدار واجب میں تبدیلی کا حق ہے۔ دوسری طرف یہ بھی واقعہ ہے کہ کاشت کے جدید طریقوں پر جہاں اخراجات زائد ہوتے ہیں، پیداوار کی مقدار میں بھی معتد بہ اضافہ ہوتا ہے۔

لہذا سمینار یہ طے کرتا ہے کہ کاشت کے جدید طریقوں کھاد یا دوا وغیرہ مصارف پر ہونے والے زائد اخراجات اصلی پیداوار سے منہا نہیں کئے جائیں گے۔

۲- حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور بعض دیگر فقہاء کی رائے میں آیات اور بعض

☆ چھٹا فقہی سمینار (عمر آباد، تامل ناڈو) بتاریخ ۱۷-۲۰ رجب ۱۴۱۲ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۹۳ء-۳ جنوری ۱۹۹۴ء۔

احادیث کے عموم کے پیش نظر وجوب عشر کے لئے پیداوار کی مقدار کا کوئی نصاب نہیں ہے۔ ہر وہ شئی جو زمین سے پیدا ہو، چاہے وہ قلیل مقدار میں ہو یا کثیر مقدار میں، عشر کا نکالنا واجب ہوگا۔ امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ و دیگر جمہور ائمہ کے نزدیک حدیث ”لیس فیما دون خمسة أوسق صدقة“ کی روشنی میں پانچ وسق سے کم اگر پیداوار ہو تو ایسے لوگوں پر عشر واجب نہیں ہے۔ سمینار کی رائے میں چھوٹے کاشت کار، یا قدرتی آفات کی وجہ سے بہت کم مقدار میں پیداوار حاصل ہونے کی صورت میں مطلقاً وجوب عشر کے قول کے نتیجے میں دشواریوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اس لئے ایسے حالات میں جبکہ کسی کاشت کار کی کل پیداوار پانچ وسق یعنی چھ کونٹل ۵۳ کلو گرام سے کم ہو تو صاحبین و دیگر جمہور ائمہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے اگر کوئی ضرورت مند شخص اس پر عشر نہ نکالے بلکہ پوری پیداوار کو اپنے ذاتی استعمال میں لائے تو ایسا کرنا جائز ہے۔ بعض شرکاء کار حجامن ہے کہ اگر نصاب سے کم پیداوار ہو اور دوسرے ذرائع کفالت موجود نہ ہوں تو خود استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔



مکھانہ، مچھلی وریشتم پر عشر☆

۱- پانی میں کاشت کی جانے والی چیزیں مثلاً مکھانہ، سنگھاڑا وغیرہ زمینی پیداوار میں سے ہیں، اور ان سے استغلال ارض ہوتا ہے، اس لئے ان پر عشر واجب ہوگا۔

۲- تالابوں میں بغرض تجارت مچھلیوں کی پرورش کی جاتی ہے۔ یہ زمینی پیداوار میں سے نہیں بلکہ اموال تجارت میں سے ہیں، اس لئے ان پر عشر کے احکام جاری نہ ہوں گے، بلکہ مال تجارت کی زکوٰۃ کا حکم ہوگا۔

۳- اگر عشری زمین میں شہتوت کی کاشت ریشتم پیدا کرنے کے لئے کی جاتی ہے، اور شہتوت کے پتوں کو ریشتم کے کیڑوں کی غذا حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، تو یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ جن اراضی کو شہتوت کے پتوں کے ذریعے ذریعہ آمدنی بنایا جاتا ہے ایسی اراضی پر شہتوت کے پتوں پر عشر واجب ہوگا۔ بعض شرکاء سمینار کی رائے میں پتوں پر عشر واجب نہیں، اس سے حاصل شدہ ریشتم پر زکوٰۃ اموال اپنی شرائط کے ساتھ واجب ہوگی۔



مکان، چھت، گرد و پیش کی افتادہ اراضی

☆ اور اراضی اوقاف پر عشر☆

مکان کے اندر کی اراضی یا اس کی چھتوں یا مکان کے گرد و پیش کی افتادہ اراضی میں ہونے والی سبزیاں، پھلوں وغیرہ، اسی طرح اوقاف کی اراضی خصوصاً وقف علی الاولاد کی اراضی میں عشر واجب ہے یا نہیں؟ ان مسائل پر غور و خوض کے بعد سمینار اس نتیجہ پر پہنچا:

۱- چونکہ وجوب عشر کے لئے زمین کا عشری ہونا شرط ہے، اور مکان کی زمین نہ عشری ہے اور نہ ہی خراجی، اس لئے مکان کے اندر کی اراضی یا اس کی چھتوں یا مکان کے گرد و پیش کی افتادہ اراضی کی سبزیوں اور پھلوں وغیرہ میں عشر واجب نہیں ہوگا۔

۲- چونکہ وجوب عشر کے لئے زمین کا مالک ہونا ضروری نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ غیر مملوکہ اراضی میں بھی عشر واجب ہے۔ نیز عشر پیداوار میں واجب ہے نہ کہ زمین میں، اس لئے اراضی اوقاف میں بھی عشر واجب ہوگا، خواہ اوقاف عامہ کی اراضی ہوں یا وقف علی الاولاد کی۔



☆ وقف

وقف کو اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل رہی ہے، اور وقف کے ذریعہ بڑے بڑے تہذیبی و تمدنی، فلاحی اور رفاہی کارنامے انجام دیئے گئے ہیں، اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے سمینار نے درج ذیل امور طے کئے ہیں:

۱- ہندوستان میں مسلم اوقاف کو سرکاری و غیر سرکاری ناجائز قبضوں سے واگذار کرنے، اور وقف کی جائیداد کو جدید امکانات اور شرعی ضابطوں کی رعایت کرتے ہوئے بڑھانے، نفع آوری بنانے اور ان کی سرمایہ کاری کرنے کی کوشش کی جائے۔

۲- بیواؤں، مطلقہ عورتوں، یتیموں، بیماروں اور دیگر ضرورت مند لوگوں کی حاجت روائی کے لئے نئے اوقاف کا قیام عمل میں لایا جائے۔

۳- ضرورت مند طلبہ کی اعانت اور ان کے لئے اسکالرشپ وغیرہ کی فراہمی کے لئے ”فنڈ برائے تعلیمی امور“ قائم کیا جائے۔

۴- دینی مراکز اور اسلامی مدارس کی تقویت کے لئے ”فنڈ برائے دینی مراکز“ کا قیام عمل میں لایا جائے۔

۵- ان تمام شعبوں کے لئے اہل خیر حضرات کو چاہئے کہ دل کھول کر حصہ لیں جو انشاء اللہ ان کے لئے صدقہ جاریہ ہوگا۔

☆ چودھواں فقہی سمینار (حیدرآباد) بتاریخ ۱-۳ جمادی الاول ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۰-۲۲ جون ۲۰۰۴ء۔

☆ رمی جمار کا مسئلہ

۱۔ حج اسلام کی ایک اہم ترین عبادت ہے، جو زندگی میں ایک ہی بار فرض ہے، اس لئے حجاج کرام کو چاہئے کہ حج میں افضل اور مسنون طریقہ پر عمل کریں اور زیادہ سے زیادہ احتیاطی پہلو کو ملحوظ رکھیں۔ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ تینوں دنوں (۱۰، ۱۱، ۱۲ ذوالحجہ) کو رمی کے اوقات میں کافی وسعت ہے اور ہر دن اگلے دن کے طلوع صبح صادق تک رمی کرنے کی گنجائش ہے۔ اس لئے اگر رمی کے لئے اپنے حالات کے لحاظ سے مناسب وقت کا انتخاب کیا جائے تو دشواری نہ ہو اور حادثات پیش نہ آئیں، کیونکہ زیادہ تر حادثات عجلت پسندی اور مسائل سے ناواقفیت کی وجہ سے پیش آتے ہیں۔

۲۔ ۱۰ ذوالحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے پہلے اور صبح صادق کے بعد کرنا عام لوگوں کے لئے مکروہ ہے، البتہ معذورین، بیمار، خواتین اور ضعیف حضرات کے لئے اس وقت بھی رمی کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

۳۔ ۱۰ ذوالحجہ کی نصف شب سے رمی کرنا کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ اس وقت رمی کا وقت ہی شروع نہیں ہوتا۔

۴۔ ۱۱، ۱۲ ذوالحجہ کو رمی کا وقت زوال آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے اور اگلی تاریخ کی صبح صادق سے پہلے پہلے تک رہتا ہے، ان ہی اوقات میں رمی کرنا چاہئے اور حج فرض ادا

☆ سولہواں فقہی سمینار (مہذب پور، اعظم گڑھ) بتاریخ ۱۰-۱۳ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ مطابق ۳۰ مارچ -

۲۱ اپریل ۲۰۰۷ء۔

کرنے والوں کو خاص کر اس کا اہتمام کرنا چاہئے، البتہ شدید مجبوری اور دشواری کی بنا پر اگر کسی شخص نے زوال سے پہلے رمی کر لیا تو امام ابوحنیفہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے اس پر دم واجب نہیں ہوگا۔

۵- ۱۱، ۱۲ / ذوالحجہ کو غروب آفتاب کے بعد رمی کرنا از دحام کی موجودہ کیفیت کو دیکھتے ہوئے مکروہ نہیں ہے۔

۶- ۱۲ / ذوالحجہ کو غروب آفتاب کے بعد رکے رہنے سے ۱۳ / ذوالحجہ کی رمی واجب نہیں ہوگی، ہاں اگر منیٰ میں ۱۳ / ذوالحجہ کی صبح صادق طلوع ہو جائے تو پھر ۱۳ کی رمی بھی واجب ہو جائے گی۔

قیام منیٰ کا حکم

۱- ایام منیٰ میں حجاج کے لئے منیٰ میں ہی رات گزارنا مسنون ہے، اس لئے حجاج کرام کو چاہئے کہ یہ راتیں منیٰ میں گزاریں اور بلا ضرورت محض راحت و آرام کے لئے منیٰ سے باہر قیام کر کے ایک اہم سنت کے تارک نہ بنیں۔

۲- البتہ اگر جگہ کی تنگی اور حکومت کے نظام کی وجہ سے منیٰ کے باہر قیام کرنا پڑے تو اس میں حرج نہیں ہے۔



روزہ میں جدید طریقہ علاج کا استعمال ☆

- ۱- امراض قلب سے متعلق جو دوا زبان کے نیچے رکھی جاتی ہے، اگر روزہ کی حالت میں اس کا استعمال کیا جائے اور اس کے اجزاء یا اس دواء کے ملے ہوئے لعاب کو نگلنے سے مکمل طور پر بچا جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔
- ۲- تنفس وغیرہ کے مرض میں انہیلر کے استعمال سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔
- ۳- جو دوا بھاپ کی شکل میں منہ یا ناک کے ذریعہ کھینچی جائے، خواہ مشین کے ذریعہ کھینچی جاتی ہو یا کسی اور طریقے سے، ان سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔
- ۴- انجکشن کے ذریعہ جو دوا رگوں یا گوشت میں پہنچائی جاتی ہے، خواہ اس سے محض دوا کی ضرورت پوری کی جائے یا غذا کی، روزہ اس سے نہیں ٹوٹتا ہے، البتہ روزہ کی حالت میں غذائی ضرورت کی تکمیل اور تقویت کے لئے بلا ضرورت انجکشن لینا مکروہ ہے۔
- ۵- گلوکوز چڑھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ چوں کہ یہ ایک درجہ میں انسان کی غذائی ضرورت کو بھی پوری کرتا ہے، اس لئے بلا عذر گلوکوز چڑھانا مکروہ ہے۔
- ۶- (الف) اگر روزہ کی حالت میں موضع حقنہ (فضلات کے اخراج کی نالی کا آخری حصہ، جہاں سے بڑی آنت شروع ہوتی ہے)، تک اگر دوا پہنچادی جائے تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا، خواہ دوا سیال ہو یا جامد۔

(ب) بواسیری مسوں پر دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، تاہم بلا ضرورت

☆ سترہواں فقہی سمینار (برہان پور، ایم پی) بتاریخ ۲۸-۳۰ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ مطابق ۵-۷ اپریل ۲۰۰۸ء۔

شدیدہ روزہ میں اس کا استعمال نہیں کرنا چاہئے۔

(ج) امراض معدہ کی تحقیق کے لئے پیچھے کے راستہ سے محض آلہ داخل کرنے سے

روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ اگر اس آلہ میں کوئی دوا یا ترچیز لگائی گئی ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

۷۔ (الف) عورت کی شرمگاہ کے باہری حصہ میں دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، لیکن اندر

کے حصہ میں دوا رکھنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

(ب) مرد کی شرمگاہ میں دوا یا نلکی ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

(ج) مرض کی تحقیق کے لئے رحم تک آلات پہنچائے جائیں اور ان آلات پر دوا

یا کوئی اور شئی لگائی گئی ہو، تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔



☆ مسافت سفر کا آغاز

۱- جو آدمی اپنے گھر سے اپنے شہر کے اندر ہی کسی مقام پر جانے کے لئے نکلے تو خواہ وہ کتنی ہی لمبی مسافت طے کرے، اگر اس کا ارادہ شہر کے اندر ہی اندر رہنے کا ہے، تو وہ شرعاً مسافر شمار نہیں کیا جائے گا اور اس کے لئے سفر کی وہ رخصتیں نہیں ہوں گی، جو مسافت شرعی کے سفر سے متعلق ہیں۔

۲- جو آدمی اپنی آبادی و شہر سے باہر سفر کے ارادہ سے نکلے، وہی شرعاً نماز میں قصر اور رمضان المبارک میں روزہ توڑنے کی اجازت کے مسئلہ میں مسافر ہوگا۔

۳- چھوٹے شہروں میں مسافت شرعی کا حساب اس جگہ سے ہوگا، جہاں شہر ختم ہوا ہے، یعنی شہر ختم ہونے کے بعد ۴۸ میل کا سفر کیا جائے تبھی وہ مسافر ہوگا۔

۴- بڑے شہروں میں --- جن کی آبادی میلوں تک پھیل گئی ہے --- مسافت شرعی کا شمار کس مقام سے ہوگا؟ اس میں دو نقاط نظر ہیں، زیادہ حضرات کی رائے ہے کہ جہاں شہر ختم ہوتا ہے، وہیں سے ۴۸ میل کی مسافت شمار کی جائے گی، دوسرا نقطہ نظریہ ہے کہ جس محلہ سے سفر شروع ہوا ہے، وہیں سے مسافت کا شمار ہوگا، البتہ اس پر سمجھوں کا اتفاق ہے کہ نماز میں قصر کا حکم شہر سے باہر نکلنے کے بعد ہی شروع ہوگا اور اس طرح واپس ہوتے وقت شہر میں داخل ہونے سے پہلے پہلے تک ہی قصر کرنا درست ہوگا۔

☆ سترہواں فقہی سمینار (برہان پور، ایم پی) بتاریخ ۲۸-۳۰ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ مطابق ۵-۷ اپریل ۲۰۰۸ء۔

☆ جائے ملازمت کا حکم ☆

- ۱- جائے ملازمت و تجارت میں طویل اقامت کے ساتھ ذاتی مکان بھی بنالینا دائمی قیام کی نیت پر دلالت کرتا ہے؛ اس لئے مذکورہ جگہ وطن اصلی شمار کی جائے گی؛ کیوں کہ وطن اصلی میں تعدد ہو سکتا ہے؛ اس لئے وہاں چار رکعت والی نماز پوری کی جائے گی۔
- ۲- جائے ملازمت و تجارت میں ذاتی مکان تو نہیں بنایا، بلکہ کرایہ کے مکان یا ادارہ و کمپنی کے فراہم کردہ مکان میں اہل و عیال کے ساتھ مستقل قیام کی نیت سے رہائش پذیر ہے تو اس جگہ کو وطن اصلی کا حکم حاصل ہوگا اور وہاں ہر حال میں اتمام کرے گا۔



ایام قربانی میں کس مقام کا اعتبار ہے؟ ☆

جو شخص قربانی کا وکیل بنا رہا ہے وہ الگ مقام پر ہو اور جہاں قربانی کی جارہی ہو وہ الگ مقام ہو تو اوقات قربانی کی ابتداء و انتہا کے سلسلہ میں مقام قربانی کا اعتبار ہوگا؛ بشرطیکہ جس شخص کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے، اس پر ۱۰ رذی الحجہ کی صبح صادق طلوع ہوگئی ہو؛ لہذا:

الف: جس شخص کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے اگر اس کے یہاں ۱۰ رذی الحجہ شروع نہیں ہوئی، تو اس کی طرف سے قربانی نہیں کی جاسکتی، اگرچہ قربانی کئے جانے کے مقام پر اس دن ۱۰ رذی الحجہ ہو۔

ب: جس شخص کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے اگر اس کے یہاں ۱۲ رذی الحجہ کا غروب آفتاب ہو چکا ہے؛ لیکن جہاں قربانی ہو رہی ہے وہاں ابھی ۱۲ رذی الحجہ باقی ہے تو اس کی جانب سے قربانی کرنا درست ہے۔

ج: جس شخص کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے اس کے مقام پر ۱۲ رذی الحجہ کی تاریخ ہے اور جہاں قربانی کی جارہی ہے وہاں ۱۲ رذی الحجہ گزر چکی ہے تو اب وہاں قربانی کرنا درست نہیں ہے۔

شق ”الف“ میں درج ذیل حضرات کا اختلاف ہے:

مفتی رشید احمد فریدی، مفتی عبدالودود مظاہری، مفتی جمیل احمد ندیری، مفتی محمد عثمان گورینی، مولانا عبدالرب اعظمی، مفتی شوکت ثناء قاسمی، مفتی نعمت اللہ، مولانا محمد کامل قاسمی اور

☆ انیسواں فقہی سمینار (ہانسوٹ، گجرات) بتاریخ ۲۷ تا ۳۰ صفر المظفر ۱۴۳۱ھ، مطابق ۱۲ تا ۱۵ فروری ۲۰۱۰ء۔

مولانا احتشام الحق۔ ان حضرات کے نزدیک مذکورہ صورت میں قربانی درست ہے، البتہ ان میں سے بعض حضرات کے نزدیک احتیاط اس میں ہے کہ اس صورت میں قربانی نہ کی جائے۔
”شق ب“ میں مفتی سلمان پالنپوری صاحب کا اختلاف ہے، ان کے نزدیک مذکورہ صورت میں قربانی درست نہیں ہے۔



☆ قرآن کے متن و ترجمہ کی کتابت و اشاعت

آج مورخہ ۳ مارچ بروز شنبہ ۲۰۱۵ء ”قرآن کے متن و ترجمہ کی کتابت و اشاعت“ سے متعلق تجویز کمیٹی کے زیر بحث طے پایا:

۱۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آخری کتاب ہدایت ہے، جو قیامت تک انس و جن کی رہنمائی کرتی رہے گی، دنیا میں چونکہ مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں لہذا قرآنی تعلیمات کو عام انسانوں تک پہنچانے کے لئے مختلف زبانوں میں معتبر تراجم کو فروغ دیا جائے۔

۲۔ متن قرآن کے بغیر کسی بھی زبان میں تنہا ترجمہ قرآن کی اشاعت ناجائز ہے، لہذا اسے خریدنا، تقسیم کرنا، ہدیہ کرنا درست نہیں ہے۔

۳۔ عثمانی رسم الخط کے علاوہ کسی دوسرے رسم الخط میں قرآن مجید کی کتابت و اشاعت ناجائز ہے۔

۴۔ قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنا اور اپنے اندر ناظرہ قرآن پڑھنے کی صلاحیت پیدا کرنا ہر مسلمان مرد و عورت کا شرعی فریضہ ہے، اس لیے ہر شخص کو خود بھی یہ صلاحیت حاصل کرنی چاہئے اور اپنے بچوں اور زیر تربیت افراد کو اس کی تعلیم دلانے کا اہتمام کرنا چاہئے ورنہ وہ عند اللہ جواب دہ ہوں گے۔

۵۔ اصل تو یہ ہے کہ صرف عربی رسم الخط میں قرآن کریم کی اشاعت کی جائے لیکن ضرورتاً عربی متن کے ساتھ غیر عربی رسم الخط میں درج ذیل شرائط کے ساتھ اشاعت کی گنجائش ہے:

☆ ۲۴ واں فقہی سمینار (اوچیرا، کیرالا) بتاریخ ۹ تا ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ، مطابق ۳ تا ۵ مارچ ۲۰۱۵ء۔

الف: قرآن کریم کی ترتیب نہ بدلے۔

ب: مخارج کا حتی الامکان لحاظ کیا جائے۔

ج: عثمانی و عربی رسم الخط کی تمام خصوصیات کے لئے جامع و مانع اصطلاحات وضع کر کے اس زبان کے رسم الخط کو مکمل کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔

۶- نابینا اور معذور افراد سماج کی خصوصی توجہ اور ہمدردی کے مستحق ہیں، ان کی تعلیم کے لئے بریل کوڈ کی ایجاد نہایت اہم پیش رفت ہے، مسلمانوں کو چاہئے کہ اس رمزى زبان کے ذریعہ نابینا حضرات کو زیادہ سے زیادہ علوم اسلامیہ سے استفادہ کی سہولت فراہم کی جائے۔

۷- بریل کوڈ کے مسلمان ماہرین سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ اس کوڈ کو زیادہ سے زیادہ عربی خط اور رسم عثمانی سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کریں؛ تاکہ یہ رموز قرآن مجید کے اصل رسم سے زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ ہو جائے۔

۸- چونکہ بریل کوڈ علامتی زبان ہے، رسم الخط نہیں اس لئے نابینا افراد کی حاجت و سہولت کے پیش نظر بریل کوڈ میں قرآن حکیم کی کتابت و اشاعت جائز ہے، اور چونکہ یہ قرآن کریم کا رمز ہے اس لئے اس کا پورا احترام ملحوظ رکھا جائے، البتہ یہ بات ضروری ہے کہ نابینا حضرات قرآن مجید کے صحیح تلفظ سے واقف شخص کی مدد سے قرآن پاک کی تعلیم حاصل کریں۔

۹- موبائل کی اسکرین پر نظر آنے والی آیات کو بے وضو نہ چھوا جائے۔

۱۰- موبائل اور اس قسم کے دیگر آلات کا ڈھانچہ اسکرین سے علیحدہ ہے، لہذا جب

اسکرین پر قرآن مجید ہو تو موبائل یا دیگر آلہ کو ہاتھ میں لینے کے لئے با وضو ہونا ضروری نہیں۔

نوٹ: شرکاء سیمینار میں سے مفتی جنید بن محمد پالن پوری (ممبئی)، مفتی محمد شاہد قاسمی (بھروچ) کی رائے میں قرآن مجید کے اصل متن کے ساتھ بھی غیر عربی رسم الخط میں اس کی کتابت جائز نہیں، نیز مولانا محمد ثوبان اعظم قاسمی (بہار) کی رائے میں یہ صورت بھی جائز نہیں ہے اور قرآن مجید کو بریل کوڈ میں منتقل کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

برصغیر میں مطبوعہ قرآن مجید کے نسخے ☆

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی آخری کتاب ہے اور قیامت تک انسانیت کی ہدایت اسی کتاب سے متعلق ہے، اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور نہ صرف قراء و حفاظ کے ذریعہ اس کی حفاظت فرمائی گئی ہے، بلکہ متن قرآن کو جس طرح آپ نے املاء کرایا اور لکھوایا وہ طریقہ کتابت بھی رسم عثمانی کی صورت میں محفوظ ہے، عربی اور عجمی نیز مشرقی اور مغربی ممالک میں اسی طرح قرآن مجید کی کتابت ہوتی آئی ہے، البتہ اصل الفاظ سے ہٹ کر تشہیل تلاوت کے لئے جو رموز و علامات اعراب استعمال کئے گئے ہیں ان میں کسی قدر فرق پایا جاتا ہے جس کا قرآن مجید کے الفاظ اور نفس متن کی کتابت سے تعلق نہیں، ہند و پاک میں قرآن مجید کی جس انداز پر کتابت ہوتی ہے وہ اس فن کی مرکزی شخصیت شیخ ابو عمرو الدانی (متوفی ۴۴۴ھ) کی تصریحات کے مطابق ہے، اور ہندوستان کے نہایت معتبر علماء، ارباب افتاء اور ماہرین فن کی توثیق کے ساتھ اس کی نشر و طباعت ہوتی آئی ہے، اس لئے اس میں تبدیلی اور بلاد عرب میں مروجہ رموز و علامات کے مطابق اس کی کتابت نہ صرف غیر ضروری عمل ہے بلکہ یہ امت میں افتراق و انتشار کا سبب بن سکتا ہے، اس لئے امت میں جو طریقہ مروج رہا ہے کہ مختلف علاقوں کے لوگ اپنی سہولت کے اعتبار سے اس علاقہ میں مروج رموز کے مطابق قرآن مجید کی نشر و اشاعت کی خدمت انجام دیا کرتے ہیں، اس کو اسی طرح باقی رکھا جائے اور کسی بھی ایسے عمل سے بچا جائے جو فتنہ و انتشار کا سبب بن سکتا ہو۔

☆ ۲۴واں فقہی سمینار (اوچیرا، کیرالا) بتاریخ ۱۱ تا ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ، مطابق ۳ تا ۱۳ مارچ ۲۰۱۵ء۔

سماجی مسائل

☆ نکاح میں لڑکی، لڑکے اور اولیاء کے اختیارات

۱: الف- شریعت اسلامیہ میں ولایت نکاح کا مفہوم یہ ہے: کسی کو دوسرے کے عقد نکاح کا اختیار حاصل ہونا۔

ب- اس کی دو صورتیں ہیں: ۱- ولایت اجبار، ۲- ولایت استحباب۔
ولایت اجبار: ایسا اختیار جو دوسرے کی رضامندی پر موقوف نہ ہو۔
ولایت استحباب: ایسا اختیار جو دوسرے کی رضامندی پر موقوف ہو۔
ج- شرعاً ولی کے لئے حسب ذیل صفات ضروری ہیں:

دماغی توازن کا درست ہونا، بالغ ہونا، آزاد ہونا، وراثت کا استحقاق ہونا، مسلمان ہونا۔
اولیاء کی ترتیب عصبات میں وراثت کی ترتیب کے مطابق ہے۔

۲- ہر عاقل و بالغ کو خواہ مرد ہو یا عورت، خود اپنا نکاح کرنے کا حق حاصل ہے، اور جو بالغ نہیں یا جس کا دماغی توازن صحیح نہ ہو تو ان کے نکاح کا اختیار اولیاء کو حاصل ہے، اور اس سلسلہ میں لڑکی و لڑکے کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

۳- عاقلہ بالغہ لڑکی کو ولی کی مرضی کے بغیر خود اپنا نکاح کرنے کا حق حاصل ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ اولیاء اور لڑکی کی رضامندی سے نکاح ہو۔

۴- عاقلہ بالغہ لڑکی اپنے نکاح میں کفالت یا مہر کے مطلوبہ معیار کا لحاظ نہ کرے تو

☆ گیارہواں فقہی سمینار (پٹنہ) بتاریخ ۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ - ۲/ محرم ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۷-۱۹/ اپریل ۱۹۹۹ء۔

اولیاء کو قاضی کے ذریعہ تفریق کا حق حاصل ہوگا۔

۵: الف۔ جس لڑکی کا نکاح باپ یا دادا نے نابالغی میں کر دیا ہو وہ نکاح لازم ہے، الا یہ کہ وہ لڑکی اس وجہ سے اس نکاح کو پسند نہ کرے کہ باپ دادا نے اس کا نکاح کسی لالچ میں آکر یا لاپرواہی سے کام لے کر یا بد تدبیری کے ساتھ کر دیا ہے، یا ولی اعلانیہ فاسق ہے تو اس کو قاضی کے ذریعہ حق تفریق حاصل ہے۔

ب۔ باپ اور دادا کے علاوہ دوسرے اولیاء کا کرایا ہوا نکاح درست ہے، البتہ اگر لڑکی اس نکاح پر مطمئن نہ ہو تو بوقت بلوغ اس کو نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

ج۔ کنواری لڑکی کے لئے اس حق (خیار بلوغ) کا استعمال بوقت بلوغ ضروری ہے، بشرطیکہ بلوغ سے پہلے اس کو نکاح کا علم ہو چکا ہو اور حکم شرعی کا بھی علم ہو، بصورت دیگر اس کو یہ اختیار نکاح کا علم ہونے تک یا مسئلہ کا علم ہونے تک باقی رہے گا۔

د۔ شوہر دیدہ یعنی ثیبہ لڑکی کو یہ حق (خیار بلوغ) اس وقت تک حاصل رہے گا جب تک کہ اس کی طرف سے رضا مندی کا اظہار نہ ہو، خواہ یہ اظہار صراحتہ ہو یا قرائن کے ذریعہ، اسی طرح یہ حق و اختیار اس وقت تک رہے گا جب تک کہ اس کو مسئلہ کا یا نکاح کا علم نہ ہو۔

۶۔ (الف) ایک سے زائد یکساں درجہ کے اولیاء موجود ہوں تو جو ولی پہلے نکاح کر دے اس کا نکاح صحیح ہے۔

ب۔ اور قریب تر ولی کی موجودگی میں نسبتاً دور کا ولی نابالغ لڑکی یا لڑکے کا نکاح کر دے تو قریب تر ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا، البتہ اگر قریب تر ولی کی رائے سے بروقت واقف ہونا ممکن نہ ہو اور تاخیر میں کفو کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو دور کے ولی کا کرایا ہوا نکاح درست ہے۔



فون، ویڈیو کا نفر ننگ

☆ اور انٹرنیٹ کے ذریعہ نکاح

نکاح کا معاملہ بہ مقابلہ عقد بیع کے زیادہ نازک ہے، اس میں عبادت کا بھی پہلو ہے، اور گواہان کی شرط بھی ہے، اس لئے انٹرنیٹ، ویڈیو کا نفر ننگ اور فون پر راست نکاح کا ایجاب و قبول معتبر نہیں، البتہ اگر ان ذرائع ابلاغ پر نکاح کا وکیل بنایا جائے اور وہ گواہان کے سامنے اپنے موکل کی طرف سے ایجاب و قبول کر لے تو نکاح درست ہو جائے گا، اس صورت میں یہ بات ضروری ہوگی کہ گواہان وکیل بنانے والے غائب شخص سے واقف ہوں یا ایجاب و قبول کے وقت اس کا نام مع ولدیت ذکر کیا جائے۔



☆ جبری نکاح

۱- لڑکا یا لڑکی جب بالغ ہو جائے تو شریعت نے انہیں اپنی ذات کے بارے میں تصرف اور نکاح کے سلسلے میں رشتہ کے انتخاب کا حق دیا ہے۔ یہ حریت شخصیت شریعت اسلامیہ کے امتیازات میں سے ہے، بلکہ آج مغرب و مشرق کی بہت سی قوموں نے عورتوں کو جو حقوق دیئے ہیں وہ انہی اسلامی تعلیمات سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے۔

۲- اولیاء کی جانب سے بالغ لڑکی یا لڑکے کو ان کی خواہش اور رضا کا خیال کئے بغیر کسی رشتہ پر مجبور کرنا قطعاً جائز نہیں، لہذا اولیاء کا اپنی رائے پر اصرار اور اس پر مجبور کرنے کے لئے طرح طرح کی دھمکیاں دینا، اسلام کے دیئے ہوئے حقوق سے محروم کرنے کی ناروا کوشش ہے، جو کسی طرح درست نہیں ہے۔

۳- لڑکوں اور لڑکیوں کو بھی چاہئے کہ اپنے اولیاء کے انتخاب کردہ رشتے کو ترجیح دیں، کیونکہ اولیاء کی شفقت و محبت اور ان کے تجربہ کی وجہ سے عموماً یہی امید ہے کہ اولیاء نے ان کے لئے رشتے کا انتخاب کرتے وقت ان کے مفادات کا پورا پورا لحاظ کیا ہوگا۔

۴- نکاح کے منعقد ہونے یا نہ ہونے کا تعلق نکاح کے وقت رضا مندی کے اظہار سے ہے، لہذا اگر بالغ لڑکے یا لڑکی نے نکاح کے وقت رضا مندی کا اظہار کر دیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔

۵- اگر قاضی شرعی اور قضاء کے کام کرنے والے اداروں و ذمہ داروں کے سامنے یہ

☆ تیرہواں فقہی سمینار (کٹولی، بکھنؤ) بتاریخ ۱۸-۲۱/محررم ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۳-۱۶/اپریل ۲۰۰۱ء۔

بات تحقیق ثابت ہو جائے کہ اولیاء نے بالغہ لڑکی کے نکاح کے سلسلے میں جبر و زبردستی سے کام لیا ہے، اور اس کو مجبور کر کے بوقت نکاح ہاں کرا لیا ہے، اور لڑکی رشتہ ہو جانے کے بعد اس رشتہ کو باقی و برقرار رکھنے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہے اور فسخ کا مطالبہ کرتی ہے اور شوہر نہ بطور خود اسے جدا کرتا ہے اور نہ خلع و طلاق پر آمادہ ہے تو قاضی شرعی کو دفع ظلم کی غرض سے فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔



☆ نکاح میں کفایت

۱- اسلام تمام بنی نوع انسان کو ایک اور برابر تسلیم کرتا ہے اور آدمی آدمی کے درمیان کوئی فرق روا نہیں رکھتا اور بحیثیت انسان ہر ایک کو برابر عزت دیتا ہے۔
 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ [حجرات ۱۳]۔
 اس لئے اسلامی نقطہ نظر سے انسانوں کی طبقاتی تقسیم اور رنگ و نسل کی بنیاد پر انسانوں کو اعلیٰ اور گھٹیا سمجھنا گوارہ نہیں کیا جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ﴾ [الاسراء ۷۰]۔
 ۲- اسلام نے بہت صاف لفظوں میں اخوت اسلامی کا نظریہ پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ [حجرات ۱۰]۔
 رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”المؤمن للمؤمن كالبنیان يشد بعضه بعضا“، اور فرمایا: ”مثل المؤمنين في توادهم وتراحمهم وتعاطفهم كمثل الجسد الواحد إذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى“۔
 اس لئے ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، کسی کا دوسرے کو ذات برادری کی بنیاد پر حقیر سمجھنا اور نسب و نسل اور زبان پر فخر کرنا اسلامی تعلیمات کی صریح خلاف ورزی ہے۔
 رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”لا يحل لمسلم أن يحقر أخاه المسلم، كل

☆ گیارہواں فقہی سمینار (پٹنہ) بتاریخ ۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ - ۲/ محرم ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۷-۱۹/ اپریل ۱۹۹۹ء۔

المسلم على المسلم حرام دمه وماله وعرضه“۔

۳۔ نکاح کے ذریعہ دواجبی مرد و عورت زندگی بھر کی رفاقت کا عہد و پیمان کرتے ہیں

اور ایک دوسرے کے رازدار، پردہ پوش اور وجہ سکون بن جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ [بقرہ ۱۸۷]۔ اور

ارشاد ہے: ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾ [الروم ۲۱]۔

اسلام نکاح کو استوار اور پائیدار دیکھنا چاہتا ہے اور ایسی ہدایات دیتا ہے جن پر عمل

کرنے سے نکاح اپنے مقاصد کو پورا کرے اور میاں بیوی تاحیات خوشگوار زندگی گزار سکیں۔

۴۔ کفایت کی حقیقت مماثلت اور یگانگت ہے، میاں بیوی کے درمیان فکر و خیال،

معاشرت، طرز رہائش، دینداری وغیرہ میں یکسانیت یا قربت ہونے کی صورت میں اس کی زیادہ

امید ہوتی ہے کہ دونوں کی ازدواجی زندگی خوشگوار گزرے، اور رشتہ نکاح مستحکم ہو، بے جوڑ نکاح

عموماً ناکام رہتے ہیں، اور اس ناکامی کے بُرے اثرات ان دونوں شخصوں سے متجاوز ہو کر دونوں

کے گھروں اور خاندانوں تک پہنچتے ہیں، اس لئے احکام نکاح میں شریعت نے کفایت کی رعایت

کی ہے۔

۵۔ مسلمان عاقل بالغ لڑکے اور لڑکی کا باہمی رضامندی سے کیا گیا عقد نکاح شرعاً

منعقد ہو جاتا ہے، کفایت لزوم عقد میں مؤثر ہے، صحت و انعقاد نکاح میں نہیں۔

۶۔ کوئی بھی غیر مسلم اسلام قبول کر لینے کے بعد مسلم سوسائٹی کا معزز فرد بن جاتا ہے،

اسے پشتینی مسلمانوں کے برابر حقوق و احترام حاصل ہو جاتا ہے۔ مسلمان لڑکیوں کا نکاح اگر

نوسلم نوجوانوں سے کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ یہ جائز ہوگا بلکہ موجب اجر و ثواب ہے۔

۷۔ مرد کو عورت کا کفو ہونا چاہئے، عورت مرد کی کفو ہو یا نہ ہو، واضح رہے کہ کفایت کا

اعتبار صرف عورت کی طرف سے ہے، یعنی ضروری ہے کہ شوہر عورت کے معیار کا ہو یا اس سے بڑھ کر۔ عاقل بالغ مرد نے کفو میں نکاح کیا ہو یا غیر کفو میں، شرعاً منعقد اور لازم ہے، اس پر مرد کے اہل خانہ کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔

۸- اگر عاقلہ بالغہ خاتون نے غیر کفو میں ولی کی رضا مندی کے بغیر نکاح کر لیا تو یہ نکاح شرعاً منعقد ہوگا، لیکن اولیاء کو قاضی کے یہاں مرافعہ کا حق ہوگا۔

۹- کسی لڑکے یا اس کے گھر والوں نے رشتہ نکاح طے کرتے وقت غلط بیانی سے کام لیا اور اپنے نسب و خاندان یا معاشی و سماجی حالت کے بارے میں خلاف واقعہ باتیں بیان کر کے نکاح کر لیا لیکن بعد میں اس کی دھوکہ دہی اور غلط بیانی ظاہر ہوئی تو وہ نکاح منعقد ہوگا، لیکن لڑکی یا اس کے اولیاء کو مرافعہ کا حق ہوگا۔

۱۰- مسئلہ کفایت میں دینداری کا اعتبار تو ضروری ہے، دیگر امور ایسے ہیں جن کا تعلق عرف و عادت اور سماجی حالات سے ہے، اس لئے پوری دنیا اور تمام ممالک و اقوام کے لئے امور کفایت کی تعیین و تحدید یکساں نہیں ہو سکتی، لہذا ہر ملک و علاقہ کے علماء و فقہاء وہاں کے عرف و عادات اور سماجی احوال کے پیش نظر امور کفایت کی تحدید و تعیین کریں گے، بلا اس کے کہ کفایت کو آپس میں عزت و ذلت و شرافت اور ذلالت کے ساتھ جوڑا جائے۔



☆ عقد نکاح میں شرائط کی فقہی حیثیت

۱- نکاح میں اگر ایسی شرطیں لگائی جائیں جو نکاح سے واجب ہونے والی ذمہ داریوں اور حقوق ہی کو موگد کرتی ہوں تو وہ معتبر ہیں اور شوہر پر ان کو پورا کرنا واجب ہے۔

۲- نکاح کے وقت ایسی شرائط عائد کرنا جو عقد نکاح کے تقاضوں کے خلاف ہوں یا شریعت نے ان سے منع کیا ہو، غیر معتبر ہیں، جیسے شوہر کا نفقہ نہ دینے کی شرط لگانا یا جہیز و تلک کی شرط لگانا۔

۳- نکاح کے وقت ایسی باتوں کی شرط لگائی جائے کہ شریعت نے ان کو نہ لازم و واجب قرار دیا ہے اور نہ ان سے منع کیا ہے، تو ایسی شرطوں کو پورا کرنا واجب ہے۔



☆ مہر کا شرعی حکم

اس اجلاس کا احساس ہے کہ مہر کی سونے اور چاندی کے ذریعہ تعیین عمل میں آئے تاکہ پوری طرح عورتوں کے حقوق کا تحفظ ہو سکے اور سکوں کی قوت خرید میں کمی کی وجہ سے ان کو نقصان نہ پہنچے۔



☆ مطالبہ جہیز شریعت کی نظر میں ☆

اسلامک فقہ اکیڈمی کا یہ اجلاس اس صورت حال پر اپنی سخت تشویش کا اظہار کرتا ہے کہ آج ہماری عائلی زندگی میں لڑکوں کی خرید و فروخت کا مزاج ہو گیا ہے اور انہیں مال تجارت بنالیا گیا ہے، کبھی لڑکوں کی طرف سے، کبھی ان کے والدین اور اقرباء کی طرف سے، اور کبھی خود لڑکی والوں کی طرف سے نہ صرف یہ کہ قیمت لگائی جاتی ہے بلکہ بھاؤ تاؤ کیا جاتا ہے، اور کون زیادہ سے زیادہ دے گا اس کی تلاش کی جاتی ہے، شرعاً نکاح میں لڑکی والوں سے کچھ لینا، وہ چاہے تلک کے نام پر ہو یا گھوڑے و جوڑے کے نام پر ہو، یا مروج قیمتی جہیز کے نام پر ہو جائز نہیں، شریعت نے ”أَحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ“ (قرآن کریم) کے حکم ربانی کے ذریعہ مردوں پر نکاح میں مال خرچ کرنے کی ذمہ داری عائد کی ہے۔ آج ہم نے اس حقیقت کو بدل ڈالا ہے اور عورتوں کو نکاح کے لئے مال خرچ کرنا پڑتا ہے، کبھی صریح مطالبہ ہوتا ہے اور کبھی عادت اور عرف و رواج کے تحت یہ ہوتا ہے، یہ ساری صورت حال چاہے اس طرح کا مال لینا ہو یا پیشکش کرنا ہو، شرعاً جائز و درست نہیں ہے۔

اکیڈمی کا یہ اجلاس تمام مسلمانان ہند کو اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ وہ مسلم معاشرے کو ان خطوط پر متوجہ کریں جو محمد رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے تجویز کیا ہے، اور شادیوں کو ہر طرح سادہ رکھیں اور ارشاد نبوی ”أَعْظَمُ النِّكَاحِ بَرَكَةُ أَيْسَرِهِ مَوْنَةً“ کے مطابق بغیر جبر و دباؤ اور فرمائش و مطالبہ نیز اسراف و تبذیر کے، بطریق سنت نبویہ انجام دیں۔

☆ تیرہواں فقہی سمینار (کٹولی، کھنؤ) بتاریخ ۱۸-۲۱/ محرم ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۳-۱۶/ اپریل ۲۰۰۱ء۔

☆ حالت نشہ کی طلاق

۱- اگر کسی شخص نے لاعلمی میں نشہ آور حرام چیز کا استعمال کیا اور اسے نشہ طاری ہو گیا، اسی حالت نشہ میں اس نے بیوی کو طلاق دے ڈالی تو یہ طلاق واقع نہ ہوگی۔

۲- کسی شخص نے اگر کسی نشہ آور حرام چیز کا استعمال ایسی صورت میں بہ طور دوا کے کیا جب ماہر مسلم اطباء کی رائے میں اس کے مرض کا علاج اسی نشہ آور چیز سے ہی ہو سکتا ہے، یا بھوک اور پیاس کی غیر معمولی شدت میں (کوئی حلال چیز فراہم نہ ہونے کی وجہ سے) جان بچانے کے لئے نشہ آور چیز کا استعمال کیا اور اسے نشہ طاری ہو گیا۔ حالت نشہ میں اس شخص نے بیوی کو طلاق دے دی تو یہ طلاق واقع نہ ہوگی۔

۳- کسی شخص کو شراب یا کسی دوسری نشہ آور چیز کے استعمال پر مجبور کیا گیا۔ جبر و اکراہ کی وہ صورت اختیار کی گئی جس میں اس کے لئے اس حرام چیز کا استعمال کرنا جائز ہو گیا، اس لئے اس نے نشہ آور چیز کا استعمال کیا اور نشہ طاری ہونے پر بیوی کو طلاق دے ڈالی تو یہ طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔

۴- جائز و حلال چیز کے استعمال سے اگر کسی شخص کو نشہ طاری ہو گیا اور حالت نشہ میں اس نے بیوی کو طلاق دے دی تو یہ طلاق شرعاً معتبر نہ ہوگی۔

۵- کسی شخص نے شراب یا کسی اور نشہ آور حرام چیز کا استعمال اپنی رضامندی سے جان

☆ بارہواں فقہی سمینار (بستی، یوپی) بتاریخ ۵-۸/مذی قعدہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۱-۱۲/فروری ۲۰۰۰ء۔

بوجھ کر کیا اور اسے نشہ طاری ہو گیا لیکن وہ نشہ کی ابتدائی حالت میں ہے جس میں ایک قسم کا سرور طاری ہوتا ہے البتہ ہوش و حواس برقرار رہتے ہیں اور انسان بات سمجھتا ہے۔ اسی حالت میں وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے تو اس کی طلاق واقع ہوگی۔

۶- اور اگر اس حالت میں اس کو شدید نشہ طاری ہو گیا، جس کی وجہ سے ہوش و حواس برقرار نہ رہا، بالکل ہوش و حواس کھو بیٹھا، اور اس حالت میں اس نے الفاظ طلاق استعمال کئے تو اس کی طلاق واقع ہوئی یا نہیں اس سلسلہ میں شرکاء سمینار دورائے رکھتے ہیں:

الف- اکثر شرکاء سمینار اس طلاق کو واقع نہیں مانتے، ان میں سے چند اہم نام یہ ہیں:

- | | |
|--------------------------------------|---|
| ۱- مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی | ۲- مولانا سید نظام الدین (امیر شریعت بہار واڑیسہ) |
| ۳- مولانا یعقوب اسماعیل منشی | ۴- قاضی عبدالجلیل امارت شرعیہ |
| ۵- مولانا عبید اللہ سعدی قاسمی | ۶- مولانا عتیق احمد قاسمی (قاضی، لکھنؤ) |
| ۷- مولانا ابوالعاص و حیدی قاسمی | ۸- مفتی جنید عالم ندوی (مفتی امارت شرعیہ بہار واڑیسہ) |
| ۹- مولانا محمد سلمان حسینی ندوی | ۱۰- مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی |
| ۱۱- مولانا زبیر احمد قاسمی | ۱۲- مفتی جمیل احمد ندیری |
| ۱۳- مولانا سلطان احمد اصلاحی | ۱۴- مولانا صباح الدین ملک قاسمی |
| ۱۵- مفتی نسیم احمد قاسمی | ۱۶- مولانا خورشید احمد قاسمی |
| ۱۷- مولانا شفیق احمد مظاہری (بردوان) | ۱۸- مولانا مبارک حسین ندوی (نیپال) |
| ۱۹- مولانا خورشید انور اعظمی | ۲۰- مولانا اعجاز احمد قاسمی |
| ۲۱- مولانا قاری ظفر الاسلام | ۲۲- مولانا راشد حسین ندوی |
| ۲۳- مولانا ریاض احمد سلفی | ۲۴- مولانا اسرار الحق سبیلی |

ب- درج ذیل حضرات طلاق واقع ہونے کے قائل ہیں:

- | | |
|-----------------------------|--------------------------|
| ۱- مولانا برہان الدین سنہلی | ۲- مفتی عبدالرحمن (دہلی) |
| ۳- مفتی محبوب علی وجہی | ۴- مفتی حبیب اللہ قاسمی |

۶- مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی

۸- مولانا ابو جندل

۱۰- مولانا تنویر عالم قاسمی

۱۲- مفتی سعید الرحمن صاحب ممبئی

۱۴- مولانا عبداللہ مظاہری بستی

۱۶- مولانا نذیر احمد کشمیری

۱۸- مولانا جمال الدین

۲۰- مولانا ابراہیم خاں ندوی

۵- مولانا ابو سفیان مفتاحی

۷- مولانا ابوبکر قاسمی

۹- مولانا اختر امام عادل

۱۱- مولانا عبداللطیف پالنپوری

۱۳- مولانا عبدالقیوم

۱۵- قاضی کامل

۱۷- مولانا احمد دیولوی

۱۹- مولانا محمد حمزہ گورکھپوری



☆ خواتین کی میراث

ملک بھر سے آئے ہوئے علماء اور فقہاء اور اصحاب افتاء کا یہ اجتماع اس بات پر اپنی گہری تشویش کا اظہار کرتا ہے کہ صوبہ اتر پردیش میں ابھی تک خواتین کے ساتھ وراثت کے معاملہ میں بے انصافی اور ظلم جاری ہے۔ یوپی کے موجودہ قانون کے مطابق خواتین کو زراعتی اراضی میں مرد وارثان کی موجودگی میں وراثت کے حق سے محروم رکھا گیا ہے۔ یہ قانون ہندوستان کے آئین اور شریعت اسلامیہ سے متصادم ہے۔

اس سمینار کے شرکاء اس بات پر بھی اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں کہ مسلم پرسنل لا (شریعت) اپلیکیشن ایکٹ ۱۹۳۷ء کی دفعہ ۲ سے زراعتی اراضی کو نکال دیا گیا ہے جس کی بنیاد پر مسلمان خواتین اپنے شرعی حق وراثت سے قانونی طور پر محروم ہو گئی ہیں۔

یہ بات درست ہے کہ علماء کرام نے اس سلسلہ میں کئی فتاویٰ جاری کئے ہیں جن کی وجہ سے زیادہ تر مسلم خاندانوں میں وراثت کی تقسیم قرآن و سنت کی روشنی میں کی جاتی رہی ہے۔ اس سب کے باوجود بھی اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یوپی زمینداری ایکٹ اور شریعت ایکٹ میں فوراً ترمیم کی ضرورت ہے تاکہ خواتین کو عام طور سے اور مسلم خواتین کو خاص طور سے ان کے حق وراثت سے محروم نہ کیا جاسکے۔



☆ تیرہواں فقہی سمینار (کٹولی، لکھنؤ) بتاریخ ۱۸-۲۱/محرّم ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۳-۱۶/اپریل ۲۰۰۱ء۔

مسلم و غیر مسلم تعلقات ☆

۱- اسلام کا اپنا ایک مستقل نظام حکمرانی ہے۔ لیکن موجودہ عالمی حالات میں دوسرے غیر اسلامی نظامہائے حکومت کے مقابلہ میں مروج جمہوری نظام ہی مسلم اقلیتوں کے لئے قابل ترجیح ہے۔ لہذا اس نظام کے تحت مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ لینا، امیدوار بننا، ووٹ دینا اور کسی امیدوار کے لئے انتخابی مہم چلانا جائز ہے۔

۲- مسلمانوں کے ملی اور مذہبی مفادات کا تقاضا ہے کہ وہ ووٹ دینے کا قانونی حق بھرپور طریقہ سے استعمال کریں۔

۳- جن سیاسی جماعتوں نے اعلانیہ، اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کو اپنی جماعت کا مقصد بنالیا ہو، ان میں مسلمانوں کی شمولیت جائز نہیں اور ان کے کسی امیدوار کو ووٹ دینا بھی جائز نہیں ہے، خواہ وہ ذاتی طور پر نیک خصلت ہو۔

۴- جمہوری سیکولر سیاسی پارٹیوں سے ملی مفادات کے تحت معاہدے کئے جاسکتے ہیں۔

۵- ملک اور انسانیت کے نفع اور معاشرہ میں عدل و انصاف اور امن و سلامتی کی فضا قائم کرنے کے لئے غیر مسلموں کے ساتھ مل کر کام کیا جاسکتا ہے اور ان کے اشتراک سے تنظیمیں بھی قائم کی جاسکتی ہیں۔

☆ چودہواں فقہی سمینار (حیدرآباد) بتاریخ ۱-۳ جمادی الاول ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۰-۲۲ جون ۲۰۰۴ء۔

۶- مسلمانوں کو ایسی جگہ رہائش اختیار کرنی چاہئے جہاں وہ اپنے دین و ایمان اور اپنے تشخص کو برقرار رکھ سکیں اور تعلیم و تربیت کا ایسا انتظام کرنا چاہئے جس سے اپنے دینی و ملی تشخص کی حفاظت کر سکیں۔

۷- اسلام میں غیر مسلم پڑوسیوں اور اہل تعلق کے بھی حقوق ہیں، اس لئے ان کی بیماری و غم کے موقعوں پر ان کی عیادت و تعزیت کی جائے گی۔

۸- وندے ماترم جیسے گیت میں شریکۃ الفاظ ہیں اور ہندوستان کی سرزمین کو معبود کا درجہ دیئے جانے کا تصور پایا جاتا ہے، اس لئے مسلمانوں کے لئے اس جیسے گیت کا پڑھنا شرعاً حرام ہے۔ اور ان پر اس سے احتراز کرنا لازم ہے۔

۹- اگر غیر اسلامی قانون شہادت یا دوسرے قوانین کی بنیاد پر کسی مسلمان کے حق میں خلاف شرع فیصلے ہو جائیں تو اس کے لئے اس سے استفادہ جائز نہیں ہے۔ یہ سمینار تمام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ اپنے تنازعات دارالقضاء ہی میں لے جائیں اور وہاں جو فیصلہ ہو اس کو قبول کریں اور اس کے مطابق عمل کریں۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ بعض مقدمات میں مسلمان قاضی کا فیصلہ ہی شرعاً معتبر ہے۔

۱۰- وحدت ادیان کا تصور غیر اسلامی ہے اور کتاب و سنت کی رو سے باطل اور عملی طور پر غیر مفید ہے، بلکہ یہ دراصل اسلام کے تشخص کو مٹانے کی ایک گہری سازش اور مسلمانوں کو گمراہی پر ڈالنے کی ایک ناپاک کوشش ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو ایسے فتنہ سے بچنا چاہئے۔

۱۱- اسلام انسانیت کا احترام کرتا ہے، اس لئے مسلمانوں کے لئے حتی المقدور انسانی ہمدردی کی بنیاد پر مظلوم غیر مسلم بھائیوں کی مدد کرنا ان کا اخلاقی اور مذہبی فریضہ ہے۔

۱۲- مسلمانوں کی طرف سے چلائے جانے والے خدمت خلق کے اداروں مثلاً

ہاسپٹل وغیرہ کے ذریعہ بلا تفریق مذہب تمام لوگوں کی خدمت و اعانت کرنی چاہئے، یہی انسانی ہمدردی اور اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے، البتہ اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ زکاۃ کی رقم صرف مستحق مسلمانوں ہی پر خرچ کی جائے۔

۱۳۔ اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے کہ قدرتی آفات کے موقع پر مسلم تنظیموں کی جانب سے برادران وطن کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا جائے اور ان کے ساتھ ہمدردانہ رویہ اختیار کیا جائے۔



تعلیم گاہوں میں جنسی تعلیم ☆

انسانی زندگی میں مختلف مراحل پیش آتے ہیں، زندگی کا ایک اہم مرحلہ اس وقت شروع ہوتا ہے جب لڑکے اور لڑکیاں بلوغ کی منزل میں قدم رکھتے ہیں، بالغ ہونے کے بعد انسان سے جو ضروریات اور تقاضے متعلق ہوتے ہیں وہ فطری ہیں، اور اس لئے عام طور پر اس سلسلہ میں مستقل تعلیم کی ضرورت نہیں پڑتی، بلکہ قبل از وقت بلوغ اور اس کے بعد ہونے والی تبدیلیوں اور ان تبدیلیوں کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی ضرورتوں کا ادراک انسان کو بے راہ روی کی طرف لے جاتا ہے؛ اس لئے حکومت ہند تعلیم گاہوں میں جنسی تعلیم سے متعلق جو منصوبہ بنا رہی ہے، سمینار اسے نہایت تشویش کی نظر سے دیکھتا ہے۔ سمینار کا احساس ہے کہ:

۱۔ پرائمری اور مڈل سطح سے طلبہ اور طالبات کو جنسی تعلیم دینا اور انہیں صنفی اعضاء کے وظائف کے بارے میں بتانا دراصل مغربی ایجنڈہ ہے جسے حکومت ہند نے قبول کر لیا ہے، یہ نہ صرف اسلامی تعلیمات کے مغائر ہے، بلکہ خود ہندو ملکی روایات اور مشرقی اقدار کے بھی خلاف ہے اور حکومت کو ایسی باتوں سے مکمل طور پر باز رہنا چاہئے، ورنہ اس کے اخلاقی اثرات نہایت نامناسب ہوں گے۔

۲۔ درحقیقت ضرورت اخلاقی تعلیم و تربیت کی ہے، جو نوجوانوں کو غیر قانونی روابط اور جنسی انحراف سے بچائے، ایڈز اور اس جیسی بیماریوں سے بچانے کا صحیح طریقہ اخلاقی تعلیم اور غیر شرعی تعلق سے مردوں اور عورتوں کو بچانا ہے، نہ کہ غیر قانونی تعلیمات کو محفوظ طریقہ پر انجام

☆ سترہواں فقہی سمینار (برہان پور، ایم پی) بتاریخ ۲۸-۳۰ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ مطابق ۵-۷ اپریل ۲۰۰۸ء۔

دینا، یہ تو گناہ اور بُرائی کی دعوت ہے، جو اسلامی نقطہ نظر سے قطعاً جائز نہیں، نیز یہ سماج کے لئے اخلاق اور صحت دونوں ہی اعتبار سے تباہ کن ہے۔

۳۔ سمینار حکومت ہند سے مطالبہ کرتا ہے کہ تعلیم گاہوں میں جنسی تعلیم کے منصوبہ کو بلاتا خیر واپس لے لے، ہاں، اس کے بجائے اخلاقی تعلیم کے مواد کو شامل کیا جاسکتا ہے، جو تمام مذاہب کی مشترکہ و مسلمہ اخلاقی اقدار پر اس طرح مشتمل ہو کہ نصاب پر کسی ایک مذہب کی چھاپ محسوس نہ ہو۔



☆ قیدیوں کے حقوق

عصر حاضر میں، بیرون ملک میں قیدیوں کے ساتھ بدسلوکی کے واقعات جس کثرت سے پیش آرہے ہیں، وہ ہر انسان دوست اور انصاف پسند شخص کے لئے لمحہ فکریہ ہے، اس تناظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا یہ سمینار اسلامی و اخلاقی نقطہ نظر کو واضح کرتے ہوئے درج ذیل تجاویز منظور کرتا ہے:

- ۱- کوئی شخص جرم کا مرتکب ہو تب بھی اس کے انسان ہونے کی حیثیت باقی رہتی ہے، اسے اس کے جرم کی سزا ضرور ملنی چاہئے؛ لیکن وہ انسانی توقیر و احترام کے حق سے محروم نہیں ہو جاتا۔
- ۲- اگر کسی شخص پر جرم کا الزام ہو، تو جب تک وہ پایہ ثبوت کو پہنچ نہیں جائے، اس کو مجرم قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ اس کے ساتھ مجرموں کا سا سلوک کیا جاسکتا ہے۔
- ۳- کسی الزام کی بنیاد پر قید کرنا جائز ہے؛ بشرطیکہ کسی قوی قرینہ سے ہی الزام کی تائید ہو رہی ہو، یا ملزم پر شک کئے جانے کی واضح علامتیں موجود ہوں اور ایسی صورت میں قید کی مدت عدالت کی صوابدید پر ہے؛ لیکن یہ مدت اتنی طویل نہ ہونی چاہئے، جو کسی ثابت شدہ جرم پر دی جاتی ہے۔

۴- قیدیوں کے حقوق:

الف- بلا تفریق مذہب جملہ قیدیوں کو اپنے اپنے مذہب کے مطابق عبادت و عمل کی

☆ اٹھارہواں فقہی سمینار (مدورائی، تامل ناڈو) بتاریخ ۲-۴ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۸ فروری-۲ مارچ ۲۰۰۹ء۔

آزادی حاصل ہوگی، نیز اس کی مذہبی تعلیمات کے مطابق اس کے لئے غذا فراہم کی جائے گی اور وہ جس مذہب پر عقیدہ رکھتا ہے، اس مذہب کی مقدس شخصیتوں اور کتابوں وغیرہ کی بے احترامی سے گریز کیا جائے گا۔

ب۔ قیدیوں کو جسمانی ضروریات — مثلاً: مناسب غذا، صاف پانی اور موسم کے لحاظ سے کپڑے، نیز علاج و معالجہ کی سہولیات — فراہم کی جائیں گی، ان کو حفظانِ صحت کے لئے ورزش کی اجازت ہوگی، قیدیوں کو ایسی تنگ جگہ میں رکھنا درست نہیں، جہاں ٹھیک سے کھڑا ہونا یا پاؤں پھیلا کر لیٹنا ممکن نہ ہو یا ہوا اور روشنی کا مناسب نظم نہ ہو۔

ج۔ قیدیوں کو سماجی حقوق — مثلاً: تعلیم و ہنر سیکھنے، عام حالات میں دیگر قیدیوں سے ملاقات کرنے اور عزیز واقارب سے رابطہ کرنے کے حقوق — حاصل ہوں گے، جہاں تک ریڈیو اور ٹی وی کا تعلق ہے تو یہ عموماً تفریحی چیزوں کا حصہ ہوتی ہیں؛ لہذا اس کی اجازت دینا ضروری نہیں؛ البتہ اخبارات پڑھنے کی اجازت دینا حکومت کی صوابدید پر ہے۔

د۔ مردوں اور عورتوں کو الگ الگ قید خانوں میں رکھا جائے اور اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ عورتوں کے حصہ کی نگرانی افسر بھی خاتون ہی ہو، زمانہ قید خانہ میں اندرونی دیکھ بھال کا کام بھی عورتیں ہی سنبھالیں اور اسی طرح نابالغ اور بالغ قیدیوں کو بھی الگ الگ رکھا جائے۔

۵۔ قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے قیدیوں کا نارکوٹکس کرنا، انہیں بے لباس کرنا، الیکٹرک شاک لگانا، ان پر کتے چھوڑنا، ان کو برف کی سلوں پر ڈالنا، انہیں مسلسل جگے رہنے پر مجبور کرنا اور اس کے لئے ان کی رہائش میں تیز روشنی کرنا یا تیز آواز سنانا یہ تمام امور ناجائز، غیر اخلاقی اور غیر انسانی ہیں، اسی طرح ایسی سزائیں جن سے کس عضو کو نقصان پہنچے، یا اس کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہو یا ذہنی و دماغی صحت متاثر ہونے کا خطرہ ہو، بھی حرام ہے۔

۶۔ قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑنا، ہتھکڑی پہنانا یا بیڑی ڈالنا شرعاً ناجائز ہے، البتہ

اگر قیدی خطرناک اور عادی مجرم ہو، جس کے فرار ہونے کا یا خود کو یا دوسروں کو نقصان پہنچانے کا اندیشہ ہو تو اس کو قابو میں رکھنے کے لئے قانون کی حدود میں مناسب تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے۔

۷۔ اگر مصلحت متقاضی ہو تو مجرم کو اتنے دنوں کی قید تنہائی دی جاسکتی ہے، جس کی میڈیکل آفیسر اجازت دے، اور یہ اتنی طویل نہ ہو کہ قیدی ذہنی مریض ہو جائے۔

۸۔ جبری کام لیا جانا اگر سزا کا حصہ ہو تو بطور تعزیر قیدی سے اس کے حسب طاقت جبری کام لیا جاسکتا ہے اور اس صورت میں شرعاً وہ اجرت کا مستحق نہ ہوگا؛ البتہ حکومت اپنے قانون کے تحت اجرت دے تو یہ اس کے لئے حلال ہوگی، بصورت دیگر وہ اجرت کا مستحق ہوگا۔

۹۔ زیر سماعت قیدیوں کو اصولی طور پر بے قصور تصور کیا جائے، ایسے قیدی مجرم نہیں؛ بلکہ ملزم ہوتے ہیں، ان کے ساتھ مجرموں جیسا رویہ ہرگز نہ اختیار کیا جائے؛ لہذا ان سے جبری کام لینا درست نہیں اور دیگر قیدیوں کے مقابلہ میں ان کے ساتھ اچھا سلوک ضروری ہے۔

۱۰۔ زیر سماعت قیدیوں کو سماعت سے پہلے اتنے دنوں تک قید میں رکھنا جو ان کے اوپر عائد فرد جرم کی اصل سزا کے برابر ہے، درست نہیں، نیز فیصلے یا تحقیق حال میں تاخیر نہیں ہونی چاہئے کہ دوران مقدمہ قید کی مدت سزا کی مدت سے لمبی ہو جائے اور اگر ایسا ہو تو اسے فوراً رہا کر دیا جائے۔

۱۱۔ بے قصور قیدی کو زمانہ قید میں ہونے والی ذہنی اذیت کا مالی ہرجانہ دینا واجب ہے۔

۱۲۔ قیدی کو مقدمات کے سلسلہ میں وکیل سے رابطہ کرنے، اپنے عزیز واقارب سے مشورہ کرنے اور اپنی صفائی پیش کرنے کے سارے حقوق حاصل ہوں گے۔

۱۳۔ خواتین قیدیوں کو اپنے ساتھ شیر خوار بچوں کو جیل میں رکھنے کی اجازت ہوگی۔

۱۴۔ اجلاس نے محسوس کیا کہ ملک میں قید خانوں اور قیدیوں کے تعلق سے جو قوانین

اور قواعد نافذ ہیں، ان میں اکثر ان امور کا لحاظ رکھا گیا ہے، جو اسلامی نقطہ نظر سے اوپر بیان کئے گئے ہیں؛ تاہم عملاً ان کو بہت کم نافذ کیا جاتا ہے؛ اس لئے یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ مذکورہ تمام حقوق قیدیوں کو عملی طور پر دیئے جائیں، اجلاس میں اس احساس کا بھی اظہار ہوا کہ عام طور پر کسی ٹھوس شہادت کے بغیر قانون اور سپریم کورٹ کی ہدایات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے شہریوں کو گرفتار کیا جاتا ہے، گزشتہ چند سالوں میں مسلم نوجوانوں کی اس طرح گرفتاری کے متعدد واقعات ہو چکے ہیں، جنہیں گرفتار کرنے کے بعد اذیت پہنچائی جاتی ہے، ٹارچر کیا جاتا ہے، کئی دنوں تک اپنی تحویل میں رکھنے کے بعد پولیس ان کی گرفتاری درج کرتی ہے اور عدالت میں پیش کرتی ہے، پولیس اور نفاذ قانون کے اداروں کے اس رویہ اور حکومت کی چشم پوشی کے نتیجے میں ملک میں اضطراب اور بے چینی کی کیفیت پیدا ہو رہی ہے اور ملک کی جمہوریت داغدار ہو رہی ہے؛ اس لئے یہ اجلاس مرکزی اور ریاستی حکومتوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ پولیس کو قانون و قواعد اور سپریم کورٹ کی ہدایات کا پابند بنائے، اس کی خلاف ورزی کرنے والے عہدہ داروں کے خلاف عبرتناک کاروائی کرے اور سخت ہدایات جاری کی جائیں کہ قوی اور ٹھوس بنیاد کے بغیر کسی کو گرفتار نہ کیا جائے اور تعذیب اور ٹارچر کا طریقہ بالکل ختم کر دیا جائے۔

۱۵- اجلاس کا یہ بھی احساس ہے کہ امریکہ اور بعض یورپی ممالک نے دہشت گردی کا

بہانہ بنا کر مختلف مقامات پر جو عقوبت خانے بنائے ہیں اور جن میں وحشیانہ طریقہ پر ایذا پہنچائی جاتی ہے، یہ بین الاقوامی میثاقات اور اصولوں کی کھلی خلاف ورزی اور انسانیت سوز حرکت ہے، جس کا نوٹس اقوام متحدہ اور دیگر عالمی اداروں اور حقوق انسانی و شہری آزادیوں کی بین الاقوامی انجمنوں کو لینا چاہئے، ہم ان سب سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ان عقوبت خانوں اور ان میں روار کھے جانے والے مظالم کے خلاف آواز بلند کریں، عالمی ادارے ان ممالک کے خلاف تہدیدات عائد کریں اور انہیں بین الاقوامی قوانین پر عمل کرنے کے لئے مجبور کریں۔

۱۶- سمینار اس صورت حال پر گہری تشویش ظاہر کرتا ہے کہ ملک کے بعض علاقوں میں بارکونسلیں اور وکلاء ان لوگوں کا مقدمہ لینے سے انکار کر رہے ہیں، جن کے خلاف دہشت گردی کا الزام لگایا جاتا ہے؛ حالاں کہ قانونی دفاع ہر شخص کا حق ہے اور یہ ایک مسلمہ عالمی قانون ہے کہ ملزم کو مجرم کا درجہ نہیں دیا جاسکتا، نہ ملک کا قانون اس کی اجازت دیتا ہے اور نہ یہ اخلاقی و انسانی تقاضوں کے مطابق ہے، وکلاء اور یہ ادارے انصاف قائم کرنے کے لئے ہیں، ان کا ایسی غیر منصفانہ حرکتوں کا مرتکب ہونا نہایت افسوسناک ہے؛ اس لئے سمینار وکلاء برادری اور بارکونسلوں سے بھی مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ایسے غیر قانونی رویہ سے گریز کریں اور حکومت سے بھی مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس کا سدباب کرے۔



غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق ☆

۱- غیر مسلم ممالک کی عدالت کا حج اگر مسلمان ہو اور وہ فیصلہ کرتے وقت شرعی ضوابط کو ملحوظ رکھتا ہے تو اسے مسلم حاکم کے قائم مقام تسلیم کرتے ہوئے فسخ نکاح کے سلسلہ میں اس کا فیصلہ معتبر ہوگا۔

۲- جن غیر مسلم ممالک میں حکومت کی طرف سے مسلمانوں کے لئے شرعی اصولوں کے مطابق قضاء کا نظام قائم نہیں ہے، وہاں کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ ارباب حل و عقد کے مشورے سے دار القضاء، شرعی پنچایت یا ان جیسے ادارے قائم کریں اور اپنے نزاعات و معاملات میں ان ہی کی طرف رجوع کریں۔

۳- طلاق چونکہ بغض المباحات ہے، اس لئے اسے اختیار کرنے سے پہلے پورے طور پر مصالحت اور نباہ کی صورت نکالنی چاہئے اور حتی الامکان طلاق و خلع سے بچنے کی کوشش کی جانی چاہئے۔

۴- غیر مسلم ممالک کی عدالت میں شوہر قانونی مجبوری کے تحت غیر مسلم حج کو درخواست دیتا ہے کہ میرا رشتہ نکاح ختم کر دیا جائے اور حج تفریق کا فیصلہ کرتا ہے، تو حج کے فیصلہ تفریق کو طلاق بائن مانا جائے گا؛ البتہ بہتر ہے کہ عدالت کے فیصلہ کے بعد شوہر اپنی زبان سے بھی الفاظ طلاق کہہ دے۔

۵- اگر غیر مسلم ممالک کی عدالت میں غیر مسلم حج کے سامنے عورت رشتہ ازدواج کو

☆ انیسواں فقہی سمینار (ہانسوٹ، گجرات) بتاریخ ۲۷ تا ۳۰ صفر المظفر ۱۴۳۱ھ، مطابق ۱۲ تا ۱۵ فروری ۲۰۱۰ء۔

ختم کرنے کے لئے درخواست دیتی ہے اور غیر مسلم حج اس کی درخواست پر شوہر کی اجازت سے
تفریق کا فیصلہ کرتا ہے تو معتبر ہے، ورنہ یہ تفریق شرعاً معتبر نہیں ہوگی، ایسی صورت میں عورت یا تو
شوہر سے خلع حاصل کرے یا دارالقضاء و شرعی پنچایت کے ذریعہ نکاح فسخ کرائے۔



مشترکہ وجہ اگانہ خاندانی نظام ☆

مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام سے متعلق مقالات، ان کی تلخیص اور عرض کو سامنے رکھ کر بحث و مباحثہ کے بعد درج ذیل تجاویز منظور کی گئیں:

۱- مشترکہ خاندانی نظام ہو یا جداگانہ، دونوں کا ثبوت عہد رسالت اور عہد صحابہ سے ملتا ہے؛ لہذا دونوں ہی نظام فی نفسہ جائز و درست ہیں۔ جہاں جس نظام میں شریعت کے حدود و قوانین کی رعایت و پاسداری اور والدین و دیگر زیر کفالت افراد اور معذورین کے حقوق کی حفاظت ہو سکے اور فتنہ و نزاع سے بچا جاسکے اس نظام پر عمل کرنا بہتر ہوگا، کسی ایک نظام کی تحدید نہیں کی جاسکتی ہے۔ البتہ یہ اجلاس تمام مسلمانوں سے یہ اپیل کرتا ہے کہ مورث کے انتقال کے بعد جتنی جلدی ممکن ہو ترکہ کی تقسیم کر کے تمام شرعی وارثین کو ان کا متعینہ حصہ دے دیں تاکہ ایک دوسرے کے حقوق کا غلط استعمال نہ ہو اور یہ عمل باہمی نزاع اور نفرت و عداوت کا سبب نہ بن جائے۔ یہ اجلاس خاص طور سے عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کی طرف مسلمانوں کی توجہ کو مبذول کرانا چاہتا ہے؛ کیونکہ اس میں بہت زیادہ کوتاہیاں پائی جاتی ہیں۔

۲- مشترکہ خاندانی نظام کی بنیاد ایثار و قربانی اور باہمی تعاون پر ہے ورنہ یہ نظام قائم نہیں رہ سکتا ہے، نیز عدل و انصاف کو قائم رکھنا بھی ضروری ہے، لہذا اگر خاندان کے سبھی افراد صاحب استطاعت ہوں تو زیر کفالت افراد کی تعداد کے اعتبار سے اخراجات دیں گے، اور اگر کوئی مالی اعتبار سے کمزور ہو تو ہر شخص اپنی آمدنی کے تناسب سے اخراجات برداشت کرے گا؛

☆ بیسواں فقہی سمینار (راپور، یو پی) بتاریخ: ۲۹/ربیع الاول - ۱/ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ مطابق ۵-۷/مارچ ۲۰۱۱ء۔

البتہ خاندان کے سبھی حضرات کو چاہئے کہ جائز ذریعہ سے زیادہ سے زیادہ آمدنی حاصل کرنے کی کوشش کریں تاکہ کمانے والوں پر بوجھ نہ پڑے۔

۳- جب آمد و خرچ دونوں مشترک ہوں تو اخراجات کے بعد بچی ہوئی رقم سے خریدی گئی چیز میں سبھی افراد برابر کے حقدار ہوں گے۔

۴- جب سبھی بھائیوں کا ذریعہ آمدنی الگ الگ ہو اور سبھوں نے برابر برابر رقم جمع کی اور ایک بھائی نے اپنی زائد آمدنی کو بچا کر اپنے پاس رکھا تو یہ بھائی اپنی زائد آمدنی کا خود مالک ہوگا، دوسرے بھائی اس کے حقدار نہیں ہوں گے۔

۵- الف: اگر خاندان کے افراد کسی معاہدہ کے تحت کام کرتے ہوں تو جو بھی آمدنی ہوگی وہ خاندان کے سبھی افراد کے درمیان حسب معاہدہ تقسیم ہوگی خواہ وہ گھر پر کام کرتے ہوں یا باہر۔
ب: اگر کاروبار ایک ہی ہو، کچھ لوگ گھر پر کام کرتے ہوں اور کچھ لوگ گھر کے باہر تو اس صورت میں کل آمدنی سبھی افراد کے درمیان برابر برابر تقسیم ہوگی۔

ج: اگر الگ الگ کاروبار ہو اور ان کے درمیان کسی طرح کا معاہدہ نہ ہو تو باہر کمانے والوں کی آمدنی میں گھر کا کام دیکھنے والے حقدار نہیں ہوں گے۔

۶- والدین کی خدمت و کفالت لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں پر بھی حسب استطاعت واجب ہے۔ اگر ماں کو ایسی خدمت کی ضرورت ہو جس کو کوئی عورت ہی انجام دے سکتی ہے اور بہو کے علاوہ کوئی دوسری قریبی عورت خدمت کرنے والی نہ ہو نیز ماں مجبور ہو، خود سے وہ کام انجام دینے کے لائق نہ ہو تو ایسی صورت میں بہو پر ساس کی خدمت واجب ہوگی۔

۷- مشترک خاندان میں بھی شرعی پردہ کا اہتمام کیا جائے، کسی غیر محرم کے ساتھ تنہائی میں ملنے سے، اور ہنسی مزاق نیز غیر ضروری گفتگو سے اجتناب کرنا لازم ہے، البتہ احتیاط کے باوجود اگر سامنا ہو جائے اور ہر طرح کے فتنہ سے بچنے کی کوشش ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۸- سماج کے معمر اور سن رسیدہ افراد انسانی سماج کے لئے بیش قیمت سرمایہ ہیں، ان کی راحت رسانی اور خدمت انسانی سماج کی ذمہ داری ہے، خصوصاً اولاد اور افراد خاندان کی ذمہ داری ہے کہ بوڑھوں کی خدمت کریں، ان کی عزت و تکریم کریں، اور انہیں اپنے ساتھ محبت اور الفت کے ساتھ رکھیں اور ان کی خدمت کو اپنے لئے سعادت سمجھیں۔



آبی وسائل اور ان کے شرعی احکام ☆

پانی اللہ تعالیٰ کی بڑی اہم نعمت ہے، یہ انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق بہت سے احکام دیئے، لہذا اس کی قدر کی جائے اور اس کا لحاظ رکھتے ہوئے پانی میں اسراف کی ممانعت کر دی گئی، اور اس کو آلودہ کرنے سے سختی سے منع کر دیا گیا ہے، اور چونکہ سبھی کو اس کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے اس میں کسی کی اجارہ داری تسلیم نہیں کی گئی، نہ ہی ایسی ذخیرہ اندوزی کرنے کی اجازت دی گئی جو کسی کی حق تلفی کا سبب ہے۔

۱۔ جن امور میں پانی استعمال کرنے کی اجازت ہے ان میں بلا ضرورت یا ضرورت سے زیادہ استعمال کرنا اسراف ہے۔

۲۔ موقوفہ پانی میں اسراف کرنا حرام ہوگا اور اگر مملوکہ و مباح پانی ہے تو اس میں مکروہ ہوگا۔

۳۔ شریعت نے پانی کو صرف پاک رکھنے ہی کے احکام نہیں دیئے ہیں بلکہ پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے بھی شریعت نے متعدد احکام دیئے ہیں؛ لہذا یہ بھی ضروری ہے۔

۴۔ پانی کی قلت کے پیش نظر اگر حکومتیں مفاد عامہ کی خاطر پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگاتی ہیں تو یہ درست ہے اور اس پر عمل ضروری ہے بشرطیکہ یہ پابندی کسی شرعی یا طبعی ضرورت کو پورا کرنے میں رکاوٹ نہ ہو۔

۵۔ مملوکہ زمین کے نیچے پانی مباح الاصل ہے کسی کی ملک نہیں، بوقت ضرورت

☆ بیسواں فقہی سمینار (راپور، یوپی) بتاریخ: ۲۹ ربیع الاول - ۱ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ مطابق ۵-۷ مارچ ۲۰۱۱ء۔

مصلحت عامہ کے پیش نظر حکومت بورنگ کرانے سے روک سکتی ہے۔

۶۔ پانی کی حفاظت اور اس کا ذخیرہ کرنا اصلاً حکومت کی ذمہ داری ہے تاہم افراد پر بھی اس کی ذمہ داری ڈالی جاسکتی ہے کہ زیر زمین پانی کی مناسب سطح باقی رکھنے کے لئے مناسب تدبیر اختیار کریں اور تعاون کریں۔

۷۔ بوقت ضرورت مفاد عامہ کے پیش نظر ڈیم تعمیر کرنے کے لئے آبادی منتقل کی جاسکتی ہے بشرطیکہ فوری ایسا عادلانہ معاوضہ ادا کیا جائے جو لوگوں کے لئے تلافی مافات اور باز آباد کاری کے لئے کافی ہو سکے۔

۸۔ یہ ضروری ہے کہ سیلاب کے موقع سے بالائی اور نشیبی دونوں آبادیوں کے تحفظ کا خیال رکھا جائے اور حتی الامکان وہ صورت اختیار کی جائے جس میں کم سے کم نقصان ہو۔

۹۔ اپنی جائز ضرورتوں کو پورا کرنا بغیر دوسروں کو ضرر پہنچائے درست ہے۔

۱۰۔ نہروں سے استفادہ بقدر ضرورت جائز ہے بشرطیکہ اس سے نہروں اور دوسرے لوگوں کو نقصان نہ ہو۔

۱۱۔ وہ تمام صورتیں جن میں پانی کو کسی چھوٹے بڑے برتن یا چیز میں بالقصد محفوظ کر لیا جائے، ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، البتہ پانی کو مملوک بنانے کے لئے ایسی شکل اختیار نہ کی جائے جس سے عوام الناس کو ضرر لاحق ہو۔

۱۲۔ پانی پر ملکیت حاصل ہونے والی تمام شکلوں میں پانی کی تجارت جائز ہے جبکہ مفاد عامہ متاثر نہ ہو، لہذا عوامی نلوں اور پانی کے ذخائر سے اپنے حق سے زیادہ لے کر اور دوسروں کو ان کے حق سے محروم کر کے اس پانی کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

۱۳۔ نشیبی علاقوں میں پلاننگ کر کے انہیں فروخت کرنا اور آبادیاں بسانا جب کہ ضرر عام لاحق ہو، درست نہیں ہے؛ خواہ حکومت کی طرف سے ممانعت ہو یا نہ ہو۔

۱۴- ہر شہری کو پانی کی فراہمی حکومت کی ذمہ داریوں میں سے ہے، وہ اس پر مناسب معاوضہ بھی لے سکتی ہے، اور معاوضہ پر قدرت رکھنے والوں سے اجرت نہ ادا کرنے کی صورت میں پانی روک لینے کا حق رکھتی ہے۔

۱۵- پانی کی نکاسی کا نظام بنانا اور شہریوں کی صحت کا خیال رکھنا حکومت کی ذمہ داری ہے اور عوام کا فریضہ ہے کہ وہ حکومت کے ایسے نظام و قوانین کا لحاظ رکھیں۔



شفاق بین الزوجین ☆

۱- اسلام میں نکاح ایک پاکیزہ اور مقدس رشتہ ہے، اور شریعت چاہتی ہے کہ اس رشتہ میں حتی المقدور دوام واستحکام ہو، اس لئے کسی واقعی معتبر سبب کے بغیر مرد کا طلاق دے دینا یا عورت کا خلع کا مطالبہ کرنا انتہائی ناپسندیدہ اور مذموم عمل ہے؛ اس لئے شوہر و بیوی کو چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو اس رشتہ کو ٹوٹنے سے بچائیں، اور اگر کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو قرآن مجید نے ایسے نزاعات کو حل کرنے کے لئے جو تدابیر ذکر کی ہیں ان کو اختیار کریں، اور ایک دوسرے کے ساتھ تحمل اور عفو و درگزر سے کام لیں۔

۲- اگر زوجین کے تعلقات خوشگوار باقی نہ رہیں، نکاح کے مقاصد سکون اور باہمی محبت و مودت فوت ہونے لگیں اور بیوی طلاق کا مطالبہ کرے تو شوہر کو چاہئے کہ طلاق دے دے، محض ایذا رسانی کی غرض سے اسے معلق بنا کر نہ رکھے، اور اگر شوہر طلاق دینے پر آمادہ نہ ہو تو بیوی خلع کا مطالبہ کر سکتی ہے اور ایسی صورت میں شوہر کو چاہئے کہ خلع قبول کر کے عورت کو آزاد کر دے۔

۳- زوجین کے درمیان ایسی تلخی جس کی وجہ سے موافقت مشکل نظر آئے اسے ”شفاق“ کہتے ہیں۔

۴- زوجین کے اولیاء کا بھی فریضہ ہے کہ وہ شقاق کی صورت میں ان کے درمیان صلح کرانے اور باہمی اختلافات کو دور کرنے، نیز دونوں کو حدود اللہ پر قائم رکھنے کی کوشش کریں۔

☆ ایکسواں فقہی سمینار (اندور، ایم پی) بتاریخ: ۹-۱۱ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ مطابق ۳-۵ مارچ ۲۰۱۲ء۔

۵- اگر زوجین کے درمیان شقاق پیدا ہو جائے اور بیوی شوہر کے ساتھ رہنے پر بالکل آمادہ نہ ہو تو قاضی اولاً صلح کرانے کی پوری کوشش کرے، اگر صلح نہ ہو پائے تو خلع کرانے کی سعی کرے۔

۶- شقاق کی صورت میں ہر ممکن کوشش کے باوجود کوئی حل نہ نکل سکے تو قاضی کے لئے ضرورتاً ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کے مسلک کے مطابق ان کی شروط معتبرہ کے ساتھ نکاح فسخ کرنے کی گنجائش ہے۔



نشہ آور اشیاء ☆

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو فائدہ پہنچانے والی چیزوں کو حلال اور طیب بنایا اور نقصان پہنچانے والی اشیاء کو حرام و ناجائز قرار دیا ہے، پورے دین اسلام میں فطرت انسانی کی رعایت ہر موڑ پر موجود ہے، کھانے پینے کی اجازت و اباحت کے ساتھ ساتھ نقصان پہنچانے والی چیزوں کی ممانعت و حرمت قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں اصولی طور پر بیان کر دی گئی ہے، انہیں محرمات میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں، جو عقل کو متاثر کرنے والی اور نقصان پہنچانے والی ہیں۔

انسانی اعضاء و جوارح میں عقل و خرد کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے، انسان اسی عقل و خرد کے ذریعہ دوسرے حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے، اور اسی عقل کی بنیاد پر وہ احکام شرع کا مکلف ہوتا ہے، انسانیت کی بقا اور اس کی نافعیت عقل ہی کی سلامتی پر قائم ہے۔

عقل و خرد کو متاثر کرنے اور اخلاقی بگاڑ پیدا ہونے کا بڑا ذریعہ نشہ ہے، خواہ وہ کسی ذریعہ و شکل سے ہو، اس میں بے حد مضرت ہے، جس کے نتیجے میں انسان عقل و خرد سے بیگانہ ہو کر دین و دنیا کی تباہی کے راستے پر چل پڑتا ہے۔

شراب کی حرمت، شریعت میں مسلم ہے؛ خواہ وہ کسی نام اور کسی عنوان سے متعارف ہو، اس سلسلے میں شریعت کا واضح اصول یہی ہے کہ ہر نشہ آور شے حرام ہے، آج نشہ کے لئے خمر و شراب کے علاوہ بہت سی اشیاء کا استعمال ہو رہا ہے جو جامد بھی ہوتی ہیں اور سیال بھی، مقدار میں بہت کم، لیکن تاثیر میں زود سے زود تر اور شراب سے فائق، افیم، کوکین، ہیروئن، اسمیک، گانجا اور اس

☆ اکیسواں فقہی سمینار (اندور، ایم پی) بتاریخ: ۹-۱۱ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ مطابق ۳-۵ مارچ ۲۰۱۲ء۔

جیسی بہت سی اشیاء کی مضرت شراب سے کہیں بڑھ کر ہے، آج پوری عالمی برادری سماجی طور پر اس سے متاثر ہے، نشہ آور اشیاء نے سب کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، اور پوری دنیا میں اس حوالہ سے تشویش پائی جا رہی ہے، اسلامک فقہ اکیڈمی کے اکیسویں سمینار جامعہ اسلامیہ بخاری اندور منعقدہ ۳-۵ مارچ ۲۰۱۲ء میں تفصیلی بحث ہوئی اور درج ذیل تجاویز پر اتفاق ہوا:

۱- پوری دنیا میں شراب اور دوسری نشہ آور اشیاء میں فرق کا جو طریقہ کار اختیار کیا جا رہا ہے وہ خطرناک، ناقابل فہم اور انسانی ہمدردی کے خلاف ہے۔ دوسری نشہ آور اشیاء پر عالمی برادری کا جو موقف ہے، وہی شراب کے لئے بھی اختیار کیا جانا ضروری ہے، امّ النجاست شراب کے لئے بھی لائسنس نہ دیئے جائیں اور ان کی خرید و فروخت پر مکمل پابندی لگائی جائے۔

۲- دستور ہند کے رہنما اصول دفعہ ۷۷ میں مرقوم ہے کہ مملکت اس امر کی کوشش کرے گی کہ طبی اغراض کے سوا نشہ آور مشروبات اور مضرت مفرد ادویہ کے استعمال کی ممانعت کرے۔ اس دفعہ کے مد نظر شراب اور دیگر نشہ آور اشیاء کی ہلاکت خیزی اور تباہ کاری کو سامنے رکھتے ہوئے اسلامک فقہ اکیڈمی کا یہ سمینار حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ اسے جلد از جلد نافذ کیا جائے اور اس سلسلے میں قانون سازی کی جائے۔

۳- یہ سمینار تمام انسانوں سے عموماً اور مسلمانوں سے خصوصاً اپیل کرتا ہے کہ وہ نشہ آور اشیاء سے دور رہیں، تاکہ ان کی ذہنی نشوونما اور جسمانی ارتقاء کا عمل متاثر نہ ہو اور وہ سماج پر بوجھ بننے کے بجائے اپنی گوناگوں بلکہ ہمہ جہت صلاحیتوں کی وجہ سے ملک و ملت کے لئے مفید بن سکیں۔

۴- ہم سب کو یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ انسان کے پاس اس کے تمام اعضاء و جوارح، جسم و جان، عقل و شعور اور ادراک اس کی اپنی ملکیت نہیں بلکہ اللہ کی امانت ہے، اور وہ شریعت کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق ان کے استعمال کا پابند ہے، وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کر سکتا، جس کی وجہ سے ان اعضاء کی خدمات متاثر ہوں یا کلیتہً ختم ہو جائیں۔ شراب کی حرمت منصوص ہے، خواہ وہ کسی نام اور کسی عنوان سے متعارف ہو اور وہ کسی بھی چیز سے بنے۔

۵- اس کے علاوہ اشیاء کی حرمت کا حکم نشہ پیدا کرنے پر ہے خواہ وہ نشہ سیال اشیاء سے ہو یا جامد اشیاء سے، انجکشن کے ذریعہ حاصل کیا جائے یا کسی اور طریقہ سے، یہ سب حرام ہیں اور ان سب سے احتراز لازم ہے۔

۶- افیون، بھانگ و گانجا وغیرہ کی کاشت و تجارت کا مقصود انہیں منشیات کے طور پر استعمال کرنا اور ان کی تیاری میں تعاون ہو تو یہ ناجائز اور ممنوع ہے۔

۷- وہ تمام منشیات و مسکرات جو بھانگ و افیم جیسی چیزوں سے تیار کی جائیں ان کا استعمال اور خرید و فروخت ناجائز و حرام ہے۔

۸- جو لوگ شراب اور دیگر نشہ آور اشیاء کے استعمال کی عادت میں گرفتار ہیں وہ قابل سرزنش ہیں اور انہیں تمام ممکنہ تدابیر کے ذریعہ بچانے کی کوشش کرنا شرعی و انسانی فریضہ ہے۔

۹- جو لوگ اس بری عادت کو پھیلانے کا سبب بنتے ہیں خواہ کاروبار و تجارت کے ذریعہ ہو یا کسی اور طریقے سے، ایسے افراد اپنی حرکتوں سے باز نہ آنے کی صورت میں سخت سے سخت سزا کے مستحق ہیں۔

۱۰- ہر ایسی جائز تدبیر اختیار کرنا جس سے نشہ کی عادت چھوٹ جائے، شرعاً مطلوب، اور انسانی و اخلاقی فریضہ ہے۔

۱۱- نشہ کی عادت چھڑانے کے لئے اگر جائز اشیاء سے علاج کی کوئی صورت کارگر نہ ہو، اور حالت مجبوری کی ہو، تو ماہرین اطباء کے مشورہ سے تدریجی طور پر نشہ آور اشیاء سے بھی علاج کی گنجائش ہے۔

۱۲- جسم و جان اور صحت و صلاحیت سب اللہ کی نعمت و امانت ہیں، ان کی ہر ممکن حفاظت انسان پر فرض ہے، اس لئے نشہ آور اشیاء سے احتراز کے ساتھ ان تمام اشیاء کے استعمال سے بھی بچنا ضروری ہے جو جسم و صحت کو نقصان پہنچاتی ہیں اور خطرناک بیماریوں کا ذریعہ بنتی ہیں مثلاً سگریٹ، بیڑی، گٹکھا، تمباکو نوشی وغیرہ۔

الیکشن سے مربوط شرعی مسائل ☆

- ۱۔ جمہوری نظام میں ووٹ کی غیر معمولی اہمیت ہے، اس اہمیت کے پیش نظر مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس حق کا بھرپور استعمال کریں۔
- ۲۔ الیکشن میں باصلاحیت اور اہل افراد کا اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنا جائز و بہتر ہے۔
- ۳۔ قانون ساز اداروں میں ملٹی مفادات کے تحت مسلمانوں کی نمائندگی ضروری ہے؛ البتہ اگر کوئی قانون ایسا بنایا جائے جو شرعی احکام یا انسانی مصالح کے خلاف ہو تو اس کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کرنا مسلم ممبران کا دینی و ملی فریضہ ہے۔
- ۴۔ مسلم ممبران کا یہ بھی دینی و ملی فریضہ ہے کہ شرعی احکام یا انسانی مصالح کے خلاف جو قوانین پہلے سے بنے ہوں، ان میں تبدیلی کرانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔
- ۵۔ منتخب ممبران کے لیے دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔
- ۶۔ ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں مسلمانوں کے لیے الیکشن میں حصہ لینا ایک ناگزیر ضرورت ہے؛ لہذا ایسی سیاسی پارٹیوں میں شرکت درست ہے جن کا منشور فرقہ واریت پر مبنی نہ ہو۔
- ۷۔ مسلم خواتین کے لیے شرعی احکام کی رعایت کے ساتھ ووٹ دینا درست ہے۔



☆ میراث و وصیت سے متعلق مسائل

۱- قانون میراث شریعت کا ایک اہم ترین حصہ ہے اور مسلمانوں کے لئے اسی کے مطابق ترکہ کی تقسیم شرعی فریضہ ہے، لہذا اگر کسی ملک میں مسلمانوں کے لئے احکام شریعت کے مطابق نظام میراث نافذ نہ ہو تو وہاں مسلمانوں کو چاہئے کہ حکومت سے نظام میراث کے نفاذ کا مطالبہ کیا جائے، اس کے لئے پُر امن جدوجہد کی جائے اور جب تک ایسا نظام قانونی طور پر نافذ نہ ہو، رضا کارانہ طور پر اسے نافذ کرنے کی سعی کی جائے۔

۲- جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے، اور وصیت کے بغیر ورثہ کو ان کا شرعی حق نہ مل سکے، وہاں اس طرح کا وصیت نامہ لکھنا واجب ہوگا، جو مورث کی موت کے بعد قانون شریعت کے مطابق ترکہ کی تقسیم کا ذریعہ بن سکے، البتہ مورث وصیت نامہ کو نافذ کرانے کے لئے اپنی زندگی میں کسی کو وکیل (وصی) بنادے تاکہ مورث کی وصیت کے بعد اگر ورثہ میں اضافہ یا کمی ہو جائے تو حکم شریعت کے مطابق حذف و اضافہ کا حق اسے حاصل رہے۔

۳- ورثہ کے حصص شرعیہ کا وصیت نامہ لکھنا حدیث: ”لا وصیۃ لوارث“ (وارث کے لئے وصیت کا اعتبار نہیں) کے خلاف نہ ہوگا، کیونکہ اس حدیث کا مصداق وہ وصیت ہے جس میں کسی وارث کو ضرر پہنچانا مقصود ہو۔

۴- وارث کے حق میں حق شرعی سے زائد کی وصیت کرنا معتبر نہیں، البتہ اگر دوسرے ورثہ راضی ہوں تو اس کا اعتبار ہوگا اور ورثہ کی یہ رضامندی مورث کی موت کے بعد ہی معتبر مانی

☆ تیسواں فقہی سمینار (جمبوسر، گجرات) بتاریخ: ۲۸، ۲۹، ۳۰ رجب الثانی و یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ مطابق ۱-۳ مارچ ۲۰۱۴ء۔

جائے گی۔

۵۔ کوئی مسلمان کسی کافر کا اور کوئی کافر کسی مسلمان کا شرعاً وارث نہیں ہو سکتا۔

۶۔ ایسے غیر مسلم ممالک جہاں مسلمان سے غیر مسلم قرابت دار کو اور غیر مسلم سے مسلمان قرابت دار کو ملکی قانون کے مطابق موت کے بعد چھوڑے ہوئے مال میں حصہ دلا یا جاتا ہو، وہاں مسلمان کے لئے اس حیثیت سے اس کا لینا جائز ہوگا کہ اسے حکومت کی طرف سے یہ مال حاصل ہو رہا ہے۔

۷۔ ترکہ کی تقسیم میں اختلاف سے بچنے کے لئے اگر مورث اپنی زندگی میں ہی اپنے ترکہ کی حصہ شرعی کے مطابق تقسیم کے لئے تحریر لکھ دے تو جائز ہے، البتہ اگر وارث کی موت سے پہلے ورثہ کی تعداد میں اضافہ یا کمی ہو جائے تو اس نئی صورت حال کے مطابق ہی ترکہ کی تقسیم ہوگی۔

۸۔ شوہر کے لاولد ہونے کی صورت میں اگر بیوی کے علاوہ کوئی شرعی وارث نہ ہو تو بیوی دو طرح سے ترکہ کی حقدار ہوگی۔ ایک اپنے حصہ شرعی کے اعتبار سے، دوسرے علم میراث کی اصطلاح کے مطابق ”من یرد علیہم“ میں داخل ہونے کی وجہ سے۔ لیکن اگر شوہر اپنی بیوہ کا حق محفوظ رکھنے کے لئے کوئی تحریر بھی لکھ دے تو کوئی حرج نہیں۔

۹۔ غیر وارث کے لئے ایک تہائی تک وصیت کرنے میں ورثہ کی رضامندی کی ضرورت نہیں۔

۱۰۔ وارث کے لئے وصیت کرنے کی صورت میں یا غیر وارث کے لئے ایک تہائی ترکہ سے زیادہ کی وصیت کی شکل میں مورث کی زندگی میں ورثہ کی اجازت کافی نہیں ہے، مورث کے مرنے کے بعد تمام ورثہ کی رضامندی ضروری ہے۔



☆ اسلام میں بچوں کے حقوق ☆

۱- بچوں کے حق پرورش کے سلسلے میں بنیادی ہدایات یہ ہیں:

الف: حضانت شرعاً واجب ہے اور یہ فریضہ اصلاً ماں کا ہے، اس کو یہ کام انجام دینا چاہئے، اگر ماں نہ ہو اور حضانت کی حقدار اگر ایک ہی عورت موجود ہو تو بچہ کی پرورش اس پر واجب عینی، اور متعدد ہوں تو واجب کفائی ہے۔

ب: پرورش میں بچہ اور پرورش کنندہ، دونوں کی رعایت ملحوظ رکھی جائے گی۔
ج: عام حالات میں ماں کو پرورش کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا، البتہ بعض مخصوص حالات میں جبکہ کوئی دوسرا موجود نہ ہو اور بچہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو مجبور کیا جائے گا۔
د: پرورش کے لئے بچہ ماں کے پاس اس وقت تک رہے گا جب تک کہ اپنی بنیادی ضروریات مثلاً کھانا، پینا اور استنجا کے لائق نہ ہو جائے، بچہ میں سات سال کی عمر ہے اور لڑکی بالغہ یا قریب البلوغ تک ماں کے پاس رہے گی۔

ه: پرورش کرنے والے کا عاقل، بالغ، امانت دار اور پرورش پر قدرت رکھنے والا ہونا ضروری ہے، اور عورت ہو تو یہ بات بھی ضروری ہے کہ وہ جس شخص کے نکاح میں ہو وہ زیر پرورش بچہ کا غیر محرم نہ ہو۔

و: جن صورتوں میں بچہ کو تعلیمی، تربیتی، جسمانی یا نفسیاتی پہلو سے مضرت کا اندیشہ ہو تو ان صورتوں میں حق پرورش ساقط ہو جائے گا۔

☆ ۲۴ وال فقہی سمینار (اوپیرا، کیرالا) بتاریخ ۹ تا ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ، مطابق ۱ تا ۳ مارچ ۲۰۱۵ء۔

۲- الف: والدین اور سرپرستوں پر بچوں اور بچیوں کو اتنی تعلیم دینا ضروری ہے جس سے وہ اپنی دینی ذمہ داریاں ادا کرنے کے اہل ہو جائیں، اسی طرح حسب ضرورت عصری تعلیم بھی دی جائے اور اس سلسلہ میں شرعی حدود کی رعایت رکھی جائے۔

ب: اگر حکومت کسی سطح تک کی تعلیم بچوں اور بچیوں کے لئے لازم قرار دے اور وہ تعلیم شرعی اصول سے متصادم نہ ہو، اور کوئی بات ایمان و اخلاقیات کے منافی نہ ہو اور نہ ہی بے راہ روی و انحراف کا باعث ہو تو اس کی پابندی مسلمانوں کو کرنی چاہئے۔

ج: آج کل بچوں کے لئے جس جنسی تعلیم کا مطالبہ کیا جا رہا ہے اس کی گنجائش اسلام میں بالکل نہیں ہے کیونکہ اس کے مفاسد بہت ہیں اور اس سے بے راہ روی پیدا ہوتی ہے، ایسی عمر میں بچوں کو اخلاقیات کی تعلیم دی جانی چاہئے۔

۳- نکاح کے بارے میں اسلامی تعلیم اور شرعی ہدایت یہ ہے کہ بلوغ کے بعد بچہ اور بچی کی شادی میں زیادہ تاخیر نہ کی جائے، کیونکہ اس سے جسمانی، روحانی اور سماجی نقصانات پیدا ہوتے ہیں، بعض مصالح کی وجہ سے کمسنی میں نکاح کا جواز ہے لیکن بہتر اور پسندیدہ بلوغ کے بعد کا نکاح ہی ہے۔

۴- بچہ مزدوری کے بارے میں اسلام کا موقف ہے کہ بچہ قابل رحم اور لائق شفقت ہے، لہذا حسب استطاعت اس کی بہتر تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جائے اور ذہنی و جسمانی نشوونما کے لئے بہتر مواقع فراہم کئے جائیں۔

۵- والدین یا اولیاء بچوں سے بقدر استطاعت ایسے گھریلو کام لے سکتے ہیں جن کا تعلق تربیت اور آداب زندگی سکھانے سے ہو، اسی طرح انہیں ایسا پیشہ ورا نہ کام بھی سکھا سکتے ہیں جو ان کے حق میں مفید ہو۔

۶- جو والدین معاشی تنگی کا شکار ہوں، حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کا تکفل

کرے اور ان کے لئے وظائف جاری کرے۔

۷۔ اگر اسلام کے اصول تعلیم و تربیت کی رعایت رکھی جائے تو بچوں سے جرائم کا صدور نہیں ہوگا۔ جرائم کی شرعی سزا جاری کرنے کے لئے بلوغ شرط ہے، لہذا نابالغ چوری، قتل اور زنا جیسے جرائم کا ارتکاب کرے تو اس پر حدود و قصاص کا اجراء نہیں کیا جائے گا، البتہ تادیب کی جائے گی۔

۸۔ والدین، اولیاء اور اساتذہ کو بچوں کی تادیب کا حق حاصل ہے، لیکن ضروری ہے کہ یہ تکلیف دہ اور مضرت رساں نہ ہو، اور شرعی حدود کے اندر ہو۔

۹۔ تادیب کے طور پر انہیں بچہ جیل میں رکھا جاسکتا ہے، لیکن ان کو سخت سزائیں دینا ناجائز ہے، سزائیں ان کی قوت برداشت کے مطابق دی جائیں، اور پُر مشقت کام نہ لیا جائے اور ان کی اصلاح کے لئے جیلوں میں تعلیم و تربیت کا نظم کیا جائے۔

۱۰۔ بے سہارا بچوں کی پرورش اور ان کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری اور خبر گیری اولاً ان کے رشتہ داروں پر، پھر حکومت پر، پھر سماج یا بالفاظ دیگر عامۃ المسلمین پر ہے، اس سلسلہ میں ہر شعبہ کو اپنی ذمہ داری کا احساس رکھنا چاہئے۔

۱۱۔ حد درجہ افلاس کی وجہ سے اپنا بچہ دوسرے کے حوالہ کر کے اس سے مکمل طور پر لا تعلق ہو جانا درست نہیں ہے، اس سلسلہ میں حکومت اور سماج کو سامنے آنا اور اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔

۱۲۔ والدین اور اولیاء پر ذہنی یا جسمانی طور پر معذور بچوں کی دیکھ ریکھ لازم ہے، خواہ گھر میں رکھ کر ہو یا ناگزیر ضرورت پر ہسپتال میں رکھ کر ہو، اور ایسے بچوں کا علاج حتی المقدور صبر و استقامت کے ساتھ کیا جائے، اور اللہ سے اس پر اجر کی امید رکھی جائے۔



اہل کتاب سے متعلق مسائل و احکام ☆

۱- اہل کتاب قرآن وحدیث کی ایک اصطلاح ہے اور عہد نبوت سے ہی اہل کتاب کا لقب یہود و نصاریٰ دونوں گروہوں کے ساتھ خاص ہے، جمہور فقہاء بشمول متاخرین احناف نے اسی کو رائج قرار دیا ہے۔

۲- صابئین کی تحقیق میں آراء انتہائی مختلف رہی ہیں، اس لئے ان کا معاملہ ہنوز مشتبہ ہے، اس لئے کسی ایک رائے کو اختیار کرنا مشکل ہے۔

۳- یہود و نصاریٰ جب تک تورات وانجیل اور اپنے پیغمبر کے ماننے کے مدعی ہیں وہ قرآن وحدیث کی اصطلاح میں اہل کتاب کہلائیں گے، جو عیسائی یا یہودی منکر خدا اور مذہب بیزار اور وحی و پیغمبر کے سرے سے منکر ہیں وہ اہل کتاب کے ہرگز مصداق نہیں، نکاح و ذبیحہ کے باب میں ان کا حکم اہل کتاب کا نہ ہوگا۔

۴، ۵- بابی، بہائی، سکھ اور قادیانی خواہ نسلی ہو یا بذات خود ان مذاہب کو اختیار کیا ہو وہ اہل کتاب میں داخل و شامل نہیں۔

۶: الف، ب- کتابیہ سے نکاح فی نفسہ جائز ہونے کے باوجود موجودہ دور میں کسی بھی ملک میں کتابیہ سے نکاح عموماً مفاسد و مضرات سے خالی نہیں، لہذا مسلمانوں کو اس سے گریز کرنا چاہئے۔

۷- کسی کتاب کا آسمانی اور کسی انسان کا نبی و رسول ہونا یہ دونوں مسئلے اعتقادات سے

☆ ۲۵ واں فقہی سمینار (بدرپور، آسام) بتاریخ ۲۵ تا ۲۷ ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ، مطابق ۵ تا ۷ فروری ۲۰۱۶ء۔

متعلق ہیں اور اعتقادات کے لئے دلائل قطعیہ کا ہونا ضروری ہے اور دیگر اقوام کی مذہبی کتابوں اور ان کے مقتداؤں کے نبی و رسول ہونے پر کوئی یقینی دلیل نہیں، لہذا دیگر اقوام کی مذہبی کتابوں کا قرآن مجید کی بہت سی اعتقادی اور اخلاقی تعلیمات میں محض موافقت کی وجہ سے ان کتابوں کے آسمانی کتاب ہونے کا یقین نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح ایسی شخصیتوں کے پیغمبر ہونے کا بھی یقین نہیں کیا جاسکتا ہے جن کے بارے میں کتاب و سنت خاموش ہیں۔

۸: الف- ہمدردان قوم و ملت علماء و عوام پر لازم ہے کہ ایسے عصری معیاری تعلیمی اداروں کے قیام پر توجہ دیں جن میں عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی و اخلاقی تعلیم و تربیت کا بھی نظم ہو، جب تک ایسے اداروں کا نظم نہ ہو تو بدرجہ مجبوری ان اداروں میں جہاں اخلاقی و دینی عقائد کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہو احتیاطی تدابیر کے نظم کے ساتھ تعلیم دلانے کی گنجائش ہے۔

ب- نان و نفقہ، حقوق زوجیت اور حسن معاشرت کے تعلق سے جو حقوق مسلمان بیویوں کے ہیں وہی حقوق کتابیہ بیویوں کے بھی ہیں، محض کتابیہ ہونے کی بنا پر ان کے حقوق سے راہ فرار اختیار کرنا اور چھوڑ کر بھاگ آنا درست نہیں، ہاں اگر کتابیہ بیویوں کی رفاقت سے دین متاثر ہو رہا ہو تو پھر اس سے علاحدگی اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔

ج- اگر زوجہ کتابیہ اپنے مذہب کے مطابق مذہبی رسوم انجام دینا چاہے تو شوہر اس حد تک اس سے چشم پوشی سے کام لے گا کہ جس کا ضرر خود پر یا اپنے بچوں پر نہ پڑے۔

د- غیر مسلم رفاہی اداروں میں خدمت کرنے اور ان سے استفادہ کرنے میں مسلمانوں کو احتیاط برتنا چاہئے، اگر ان اداروں میں کسی ملازم کے ذمہ کوئی ایسا کام سپرد کیا جائے یا قرض وغیرہ سے استفادہ کے نتیجہ میں کوئی ایسا کام کرنا پڑے جس میں عیسائیت کے مشن کی اعانت یا ترویج ہو یا باطل عقائد و نظریات سے متاثر ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی خدمت سے انکار واجب ہے اور استفادہ جائز نہیں۔ ملی و سماجی مسلم تنظیموں کی یہ ذمہ داری ہے کہ متبادل نظام پر توجہ دیں۔

اسلام میں بوڑھوں اور کمزوروں کے حقوق ☆

اسلام ایک دن فطرت ہے جو اخلاق و آداب اور معاملات کی ایسی تعلیم دیتا ہے جو انسان کو انسانیت کی تکمیل تک پہنچا دیتی ہے، رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی مکارم اخلاق کی تعلیم ہے، اسلام کے عطا کیے ہوئے مکارم اخلاق کا ایک اہم عنصر معذورین اور سن رسیدہ لوگوں کی قدر و منزلت اور ان کے حقوق کی ادائیگی ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو اس بات کا پابند بناتا ہے کہ معذوروں اور عمر رسیدہ لوگوں کی عزت اور ان کی ہر طرح کی ضرورتوں کا مکمل خیال رکھا جائے۔ اس تناظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا یہ تاریخی سمینار اسلامی اور اخلاقی نقطہ نظر کو واضح کرتے ہوئے درج ذیل تجاویز منظور کرتا ہے:

- ۱- اگر انسان کے پاس مال ہو تو اصولی طور پر اس کا نفقہ خود اس کے اپنے مال میں واجب ہے، البتہ بیوی کا نفقہ ہر حال میں شوہر پر واجب ہے۔
- ۲- اگر والدین تنگ دست ہوں تو اولاد کے ذمہ ان کا نفقہ واجب ہے، اولاد کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے والدین کو کسب معاش پر مجبور کریں، اگرچہ والدین کسب پر قادر ہوں۔

- ۳- دوسرے قریبی رشتہ داروں کا نفقہ و علاج اس وقت واجب ہوگا جبکہ تنگ دست ہونے کے ساتھ کسب سے بھی عاجز ہوں۔

- ۴- والدین اگر خود کفیل ہوں تو اولاد پر ان کا نفقہ واجب نہیں، لیکن اولاد کو چاہئے کہ

☆ ۲۵ واں فقہی سمینار (بدرپور، آسام) بتاریخ ۲۵ تا ۲۷ ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ، مطابق ۵ تا ۷ فروری ۲۰۱۶ء۔

اخلاقی طور پر والدین کی ہر جائز خواہش کو پورا کریں۔

۵- والدین کی خدمت اولاد کا فریضہ بھی ہے اور ان کے لئے دنیا و آخرت کی سعادت کا باعث بھی، ضرورت سے زائد معاش اور بلند معیار زندگی حاصل کرنے کے لئے خدمت کے محتاج والدین کو چھوڑ کر دوسرے شہر، دوسری ریاست یا دوسرے ممالک میں جانا اس وقت جائز ہوگا جبکہ والدین کے خدمت گار موجود ہوں اور والدین اس پر راضی بھی ہوں۔

۶- ساس اور سسر کی خدمت بہو پر شرعاً واجب نہیں ہے، لیکن شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے خدمت کرنا اس کی اخلاقی ذمہ داری ہے۔

۷- ماں باپ کی خدمت بیٹا اور بیٹی دونوں پر واجب ہے۔

۸- اگر والدین بالکل مجبور ہوں یا ایسی بیماریوں میں مبتلا ہوں کہ بیٹی کی خدمت کے محتاج ہوں اور بیٹی کے علاوہ کوئی خدمت گار نہ ہو تو ایسی صورت میں بیٹی کو والدین کی خدمت کرنی چاہئے، شوہر کو چاہئے کہ اس کی اجازت دے۔

۹- اولاد کا اپنے والد کو نکاح ثانی سے روکنا جائز نہیں ہے اور اگر باپ اپنی اس بیوی کے اخراجات کی ادائیگی پر قادر نہ ہو تو اس کی زوجہ ثانیہ (سوتیلی ماں) کا نفقہ بھی اس کی غنی اولاد پر واجب ہے۔

۱۰- والدین کی زندگی میں تقسیم جائیداد کا مطالبہ کرنا اولاد کا حق نہیں، والدین خود اپنی مرضی سے تقسیم کر کے مالکانہ تصرف دیدیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۱: الف- اپنے بزرگ رشتہ داروں کو اپنے ساتھ رکھ کر خدمت کرنا یا بہ وقت

ضرورت دوسرے خدمت گار کے ذریعہ ان کی خدمت کرنا شرعی فریضہ ہے، اس لئے اولڈ ایج ہوم اسلام کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں، البتہ بے سہارا لوگوں کے لئے ایسا اولڈ ایج ہوٹل جن میں شرعی تقاضے پورے ہوتے ہوں بنانے کی اور وہاں رکھنے کی شرعاً گنجائش ہے۔

ب۔ جو لوگ خود یا خدمت گار کے ذریعہ اپنے والدین کی خدمت کر سکتے ہیں، ان کے لئے بوڑھے والدین کو ان کی اجازت و مرضی کے بغیر ایسے ہاسٹل میں رکھنا جائز نہیں، البتہ اگر ضرورت کے تحت اور والدین کی اجازت و مرضی سے ان کو ہاسٹل میں رکھا جائے تب بھی اولاد پر واجب ہے کہ وہ مسلسل ان کی خبر گیری کرے، اور ان سے ملاقات کرتا رہے۔

۱۲۔ حکومت عمر رسیدہ لوگوں کو رعایتیں فراہم کرنے کے لئے جو عمر مقرر کرتی ہے اس عمر کو پہنچنے سے پہلے ان مراعات سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔



☆ طلاق غضبان ☆

پچیسواں فقہی سمینار منعقدہ ۵ تا ۱۶ فروری ۱۶ء بمقام بدر پور آسام کے موضوعات میں ایک اہم موضوع طلاق غضبان کا ہے، یعنی حالت غضب میں دی گئی طلاق کا حکم کیا ہے؟ کافی بحث و مباحثہ اور غور و خوض کے بعد شرکاء سمینار جس نتیجہ پر پہنچے وہ درج ذیل ہے:

۱- نکاح ایک ایسا رشتہ ہے جس میں شرعاً دوام و استحکام مطلوب ہے، اور جن باتوں کی گنجائش رکھی گئی ہے، ان میں طلاق سب سے زیادہ ناپسندیدہ عمل ہے، جس کا بہ وقت ضرورت ہی استعمال کرنا چاہئے، لہذا شوہر کو چاہئے کہ غصہ کی حالت میں اپنے دل و دماغ پر قابو رکھے اور طلاق کے الفاظ زبان پر لانے سے احتراز کرے۔

۲- غصہ کی حالت میں دی گئی طلاق شرعاً واقع ہوگی، البتہ اگر غصہ جنون کی حد تک پہنچ گیا ہو اور شوہر غصہ کی حالت میں دماغی توازن کھو چکا ہو، اسے یہ معلوم نہ ہو کہ کیا کہہ رہا ہے اور کیا کر رہا ہے تو ایسی حالت میں اس کا حکم مجنون کا ہوگا اور اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔



معاشی مسائل

☆ جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعہ عقود و معاملات

۱۔ ”مجلس“ سے مراد وہ حالت ہے جس میں عاقدین کسی معاملہ کو طے کرنے میں مشغول ہوں۔ ”اتحاد مجلس“ کا مقصد ایک ہی وقت میں ایجاب کا قبول سے مربوط ہونا ہے۔ اور ”اختلاف مجلس“ سے مراد یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں ایجاب و قبول میں ارتباط کا تحقق نہ ہو سکے۔

۲۔ الف۔ فون اور ویڈیو کانفرنسنگ کے ذریعہ بیع میں ایجاب و قبول معتبر ہوگا، انٹرنیٹ پر بھی اگر بیک وقت عاقدین موجود ہوں اور ایجاب کے بعد فوراً دوسرے کی طرف سے قبول ظاہر ہو جائے تو بیع منعقد ہو جائے گی، اور ان صورتوں میں عاقدین کو متحد مجلس تصور کیا جائے گا۔

ب۔ اگر انٹرنیٹ پر ایک شخص نے بیع کی پیشکش کی، اور دوسرا شخص اس وقت انٹرنیٹ پر موجود نہیں تھا، بعد کو اس نے اس پیشکش کرنے والے کا پیغام حاصل کیا، یہ صورت تحریر و کتابت کے ذریعہ بیع کی ہوگی، اور جس وقت وہ دوسرا شخص اس پیشکش کو پڑھے اسی وقت اس کی جانب سے قبولیت کا اظہار ضروری ہوگا۔

۳۔ اگر خریدار اور بائع نے اپنے معاملہ کو مخفی رکھنا چاہا اور اس کے لئے سکریٹ کوڈ (Secret Code) استعمال کیا تو کسی شخص کے لئے اس معاملہ سے باخبر ہونے کی کوشش جائز نہیں ہوگی، البتہ کسی اور شخص کا حق شفعہ یا کوئی اور شرعی حق اس عقد یا بیع سے متعلق ہو تو اس کے لئے اس مخفی معاملہ کے بارے میں واقفیت حاصل کرنا درست ہے۔



کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت ☆

موجودہ دور میں سونا چاندی ذریعہ تبادلہ نہیں رہا، اور کاغذی نوٹوں نے ذریعہ تبادلہ ہونے میں سونے چاندی کی جگہ لے لی ہے، حکومت کے قوانین بھی کاغذی نوٹوں کو مکمل طور پر ثمن کی حیثیت دیتے ہیں اور بحیثیت ثمن نوٹوں کو قبول کرنا لازم قرار دیتے ہیں، غرضیکہ کاغذی نوٹوں کی حیثیت عرف اور رواج میں زر قانونی کی ہو گئی ہے۔ کرنسی کے اس ہمہ گیر رواج نے جو شرعی اور فقہی مسائل پیدا کئے ہیں ان کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینے اور غور و خوض کرنے کے بعد شرکاء سمینار درج ذیل نکات پر متفق ہوئے:

۱- کرنسی نوٹ سند و حوالہ نہیں ہے بلکہ ثمن ہے اور اسلامی شریعت کی نظر میں کرنسی نوٹ کی حیثیت زرا اصطلاحی و قانونی کی ہے۔

۲- عصر حاضر میں نوٹوں نے ذریعہ تبادلہ ہونے میں مکمل طور پر زر خلقی (سونا چاندی) کی جگہ لے لی ہے اور باہمی لین دین نوٹوں کے ذریعہ انجام پاتا ہے، اس لئے کرنسی نوٹ بھی احکام میں ثمن حقیقی کے مشابہ ہے، لہذا ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ اسی ملک کی کرنسی سے کمی و بیشی کے ساتھ نہ تو نقد جائز ہے نہ ادھار۔

۳- دو ملکوں کی کرنسیاں دو اجناس ہیں، اس لئے ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ دوسرے ملک کی کرنسی سے کمی و بیشی کے ساتھ حسب رضائے فریقین جائز ہے۔

☆ دوسرا فقہی سمینار (دہلی) بتاریخ ۸-۱۱ جمادی الاول ۱۴۱۰ھ مطابق ۸-۱۱ دسمبر ۱۹۸۹ء۔

۴- کرنسی نوٹوں پر زکوٰۃ لازم ہے۔

۵- نوٹوں میں زکوٰۃ کا نصاب، چاندی کے نصاب کی قیمت کے مساوی ہوگا۔

۶- مؤخر مطالبات کے سلسلے میں کرنسی نوٹوں کی قوت خرید اور قدر و قیمت میں ہونے

والے اتار چڑھاؤ کا احکام شرعیہ میں اعتبار کیا جائے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں شرکاء سمینار کے درمیان دو نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں۔ کمیٹی کی

رائے میں اس مسئلہ کے بارے میں کوئی فیصلہ آئندہ مزید غور و فکر کے بعد کیا جائے گا۔



قسط پر خرید و فروخت ☆

۱- خرید و فروخت کے معاملہ میں ادھار فروخت کی صورت میں بمقابلہ نقد قیمت کا اضافہ جائز و درست ہے، اور اس طرح کی خرید و فروخت بھی درست ہے بشرطیکہ معاملہ کو مکمل کرتے وقت بات اس پر ختم کی جائے کہ یہ خرید و فروخت ادھار اتنی قیمت پر اور اتنی مدت کے لئے ہو رہی ہے^(۱)۔

۲- ادھار قیمت یکمشت ادا کی جائے یا چند حصوں و قسطوں میں، دونوں صورتیں درست ہیں۔

☆ دسواں فقہی سمینار (مبئی) بتاریخ ۲۱-۲۴ جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۴-۲۷ اکتوبر ۱۹۹۷ء۔
(۱) تیسرے فقہی سمینار منعقدہ جون ۱۹۹۰ء میں مراجعہ کے ذیل میں فیصلہ نمبر ۴ کے شق ب میں کہا گیا ہے کہ ”یہ درست نہیں ہوگا کہ معاملہ کرتے وقت یہ کہا جائے کہ اگر نقد خریدا جائے تو یہ قیمت ہوگی اور ادھار خریدا جائے تو دوسری قیمت، یا ادھار کی مدت کے کم یا زیادہ ہونے پر قیمت کی کمی اور زیادتی کا ذکر معاملہ کرتے وقت کیا جائے، بلکہ بینک خریدار کو مطلوبہ سامان کا نمونہ دکھا کر وضاحت کرے کہ اس کی قیمت اتنی مدت میں اتنی قسطوں میں ادا کرنی ہوگی، اور بینک کو اس کی لاگت پر اتنا منافع دینا ہوگا (اور یہی بینک سے خریداری کی قیمت ہوگی)۔“

معاملہ کی اصل معیاری اور احسن صورت وہی ہے جس کا ذکر بذیل تجویز مراجعہ کیا گیا ہے یعنی ادھار اور نقد کی علاحدہ علاحدہ قیمتیں معاملہ کرتے وقت نہیں بتائی جائیں ایسا کرنا درست نہیں۔ لیکن اگر اس کے باوجود یہ اصل معاملہ طے کرنے سے پہلے ہوئیں اور مجلس عقد میں ہی معاملہ کسی ایک صورت پر متعین طور پر کر لیا گیا تو یہ عقد صحیح ہو جائے گا۔

یہ واضح رہے کہ ادھار اور قسطوار بیع میں مثلاً تین مہینہ یا ایک سال مدت قیمت کی ادائیگی کے لئے مقرر کی گئی اور خریدار نے وقت مقرر پر قسط ادا نہیں کی اور تین ماہ کے بجائے چھ ماہ یا ایک سال کے بجائے ڈیڑھ سال ادائیگی میں لگ گئے تو اس زائد مدت کی وجہ سے قیمت میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔

۳- اس طرح کی خرید و فروخت کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ معاملہ کو مکمل کرتے وقت قیمت متعین ہو جائے، ابتداءً خواہ صرف ادھار قیمت ذکر کی جائے یا نقد و ادھار دونوں۔

۴- ادھار خرید و فروخت میں نقد معاملہ کے مقابلہ میں قیمت کی زیادتی ربا کے تحت نہیں آتی، جیسے نقد خرید و فروخت میں جو بھی قیمت ہو وہ بیع یعنی خرید کردہ سامان کے بالمقابل ہوتی ہے، اسی طرح ادھار خرید و فروخت کے مقابلہ میں بھی طے شدہ قیمت خرید کردہ سامان کے بالمقابل ہوتی ہے۔

۵- متعینہ مدت میں قیمت یا قسط کے ادا نہ کرنے کی صورت میں مزید کسی طرح کی زیادتی کا مطالبہ اور معاملہ سود کے تحت داخل ہے، خواہ معاملہ کرتے وقت اس طرح کی شرط لگائی گئی ہو، یا یہ کہ بعد میں اس طرح کا مطالبہ کیا جائے۔

۶- جس شخص نے بطور رہن کوئی سامان اپنے پاس رکھا ہو، اس کا رہن رکھے ہوئے سامان سے نفع اٹھانا سود ہے جو کسی حال میں جائز نہیں ہے۔

۷- رہن کا سامان اگر رہن رکھنے والے کے پاس ہلاک ہو جائے تو سامان کی قیمت اگر دین کے برابر ہے، تو کسی کے ذمہ کوئی حق نہیں رہا، اگر سامان کی قیمت کم ہے، تو دین کی باقی رقم دین والے (جس کے پاس رہن تھا اس) کے ذمہ واجب ہوگی، اگر سامان کی قیمت زیادہ ہے، تو اگر رہن لینے والے کے عمل و لاپرواہی کو اس میں دخل ہے تو دین سے زیادہ قیمت رہن لینے والے کے ذمہ واجب ہوگی۔

۸- دین کو وقت پر ادا نہ کرنے کی صورت میں قرض دار کو بار بار متوجہ کرنے کے بعد جب کہ اس کا ٹال مٹول ظاہر ہو، قرض خواہ کو اجازت ہے کہ سامان کو واجبی قیمت پر بیچ کر اپنا حق وصول کر لے۔

۹- قسط وار خرید و فروخت کی صورت میں فروخت کردہ سامان کو اگر بائع اس وقت تک

کے لئے روکتا ہے جب تک کہ اس کو تمام قسطیں وصول نہ ہو جائیں، تو یہ درست نہیں، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ فریقین یہ طے کر لیں کہ خرید کردہ سامان بطور رہن فروخت کنندہ کے قبضہ میں اس وقت تک رہے گا جب تک اس کی جملہ اقساط ادا نہ ہو جائیں۔

۱۰- طے شدہ مدت تک بعض قسطوں کو ادا کر دینے کے بعد بقیہ قسطوں کے ادا نہ کرنے کی صورت میں بائع (فروخت کنندہ) کو یہ حق نہیں ہے کہ فروخت کردہ شے کو واپس لے لے اور ادا کردہ قسطوں کو واپس نہ کرے۔

۱۱- خرید کردہ سامان کو مشتری (خریدار) کے قبضہ میں دے کر رہن قرار دینا درست نہیں ہے، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ خریدار سے بیچنے والا بطور رہن لے لے، اور اس کے بعد پھر مشتری کو عاریۃً دے دے۔

۱۲- کریڈٹ لیٹر کی اجرت کی بابت کمیٹی نے یہ طے کیا کہ اس سلسلہ میں مزید غور و خوض کیا جائے۔

۱۳- قرض کی دستاویز (رسیدات، پرچیاں وغیرہ) کا کسی تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا کہ اب وہ قرض وصول کرے اور مالک ہو جائے، قرض دینے والا یا واجبات کا مستحق واجب رقم سے کم لے کر اس معاملہ سے علیحدہ ہو جاتا ہے، اس طرح کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔

۱۴- واجب الاداء رقم کی مقدار کم کر کے فوری وصول کر لینا جسے ”ضع وتعجل“ کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اگر اصل معاملہ میں کوئی مدت اداء دین کی معین نہ ہو تو جائز ہے کہ یہ ایک طرح کا تبرع ہے، اور اگر مدت معین ہو تو اس طرح کا معاملہ جائز نہیں ہوگا کہ جس پر دین واجب ہے وہ مدت کا فائدہ اٹھا کر واجب الاداء دین کو کم کر رہا ہے۔

۱۵- دین کی ادائیگی کے لئے طے شدہ مدت سے قبل دین کی ادائیگی کا مطالبہ جبکہ

قسطیں وقت پر ادا نہ کی جا رہی ہوں، درست ہے، اس لئے کہ فریقین نے جو معاہدہ کیا ایک فریق نے جب اس کی خلاف ورزی کی تو دوسرے پر بھی اس کی پابندی لازم نہیں رہ گئی۔

۱۶۔ جملہ اقساط کی ادائیگی سے قبل اگر مدیون (خریدار) کی موت ہو جائے تو بھی

معاملہ علی حالہ باقی رہے گا، جیسا کہ دائن کی موت کی صورت میں باقی رہتا ہے، بشرطیکہ بائع (دائن) اس پر راضی ہو۔



☆ عقد مراحہ کے شرعی اصول

۱- مراحہ کا فقہاء کے نزدیک ایک متعین مفہوم ہے۔

۲- اسلامی بینکوں میں مراحہ جن شکلوں میں رائج ہے وہی شکلیں اس سمینار میں زیر بحث ہیں۔

۳- مشہور فقہی قاعدہ ہے کہ عقود معاملات میں مقاصد کا اعتبار ہوتا ہے محض الفاظ کا اعتبار نہیں ہوتا، لہذا مراحہ کے نام پر جو معاملات مروج ہیں ان کی حقیقت کا اعتبار ہے محض ان کے ناموں کا اعتبار نہیں ہے۔

۴- اسلامی بینکوں میں استعمال ہونے والی مراحہ کی شکلیں مراحہ کی معروف شرطوں کے ساتھ اسی صورت میں جائز ہوں گی جب کہ:

الف- بینک کی طرف سے جاری کردہ مخصوص فارم (Quotation) میں بینک کے ذریعہ فروخت کی جانے والی اشیاء کی نوعیت، ان کی کیفیت (Quality) اور دوسری ضروری صفات واضح طور پر ذکر کی گئی ہوں تاکہ جہالت اور ابہام کی وجہ سے معاملہ کے ہر دو فریق کے درمیان کسی نزاع کا امکان باقی نہ رہے، نیز اس قیمت خرید یا لاگت پر بینک کو ملنے والے نفع (قیمت)، اس کی ادائیگی کی مدت اور اقساط کی صراحت کردی گئی ہو۔

ب- یہ درست نہیں ہوگا کہ معاملہ کرتے وقت یہ کہا جائے کہ اگر نقد خریدا جائے تو یہ

قیمت ہوگی اور ادھار خریدا جائے تو دوسری قیمت، یا ادھار کی مدت کے کم یا زیادہ ہونے پر قیمت کی کمی اور زیادتی کا ذکر معاملہ کرتے وقت کیا جائے، بلکہ بینک خریدار کو مطلوبہ سامان کا نمونہ دکھا کر وضاحت کرے کہ اس کی قیمت اتنی مدت میں اتنی قسطوں میں ادا کرنی ہوگی، اور بینک کو اس کی لاگت پر اتنا منافع دینا ہوگا (اور یہی بینک سے خریداری کی قیمت ہوگی)۔



حقوق کی فقہی حیثیت ☆

- ۱- بیع میں مال کی شرط جوہری ہے۔
- ۲- مال کی حقیقت نصوص شرعیہ نے متعین نہیں کی ہے۔ پس اس کا اصل مدار ہر عہد کے اس عرف و رواج پر ہے جو شریعت سے متصادم نہ ہو۔
- ۳- وہ تمام حقوق جن کی مشروعیت اصالتاً نہیں بلکہ صاحب حق سے کسی ضرر کو دور کرنے کے لئے ہوتی ہے، ایسے حقوق پر عوض لینا جائز نہیں جیسے شفعہ۔
- ۴- جو حقوق نصوص شرعیہ سے ثابت ہوں البتہ ان سے مالی منفعت متعلق ہوگئی اور عرف میں ان کا عوض لینا مروج اور معروف ہو چکا ہو، نیز ان کی حیثیت محض دفع ضرر کی نہ ہو اور نہ وہ شریعت کے عمومی مقاصد و مصالح سے متصادم ہوں، ایسے حقوق پر عوض حاصل کرنا جائز اور درست ہے۔
- ۵- کون سے حقوق کس نوع میں داخل ہیں، اور اس تفصیل کے مطابق عصر حاضر میں مروج کون سے حقوق قابل عوض ہیں اور کون قابل عوض نہیں ہیں، ان کی تعیین و تطبیق کے لئے مستند دارالافتاء اور اصحاب فتویٰ کی طرف رجوع کیا جائے۔



قبضہ کی حقیقت اور اس سے متعلق احکام ☆

۱- اصولی طور پر قبضہ سے پہلے کسی چیز کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، تاہم اگر قبضہ سے پہلے بیع کر دی جائے تو یہ بیع فاسد ہوگی نہ کہ باطل، اور قبضہ کے بعد مفید ملک ہوگی۔

۲- کتاب و سنت میں قبضہ کی حقیقت اور اس کی کوئی خاص صورت مقرر نہیں کی گئی ہے، گویا شریعت نے اس مسئلہ میں مسلمانوں کے عرف کو اصل قرار دیا ہے، لہذا ہر عہد کے مروجہ طریقوں اور اشیاء کی مختلف انواع کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت متعین ہوگی۔

۳- فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ اصل میں مبیع پر خریدار کے ایسے استیلاء کا نام ہے کہ مبیع پر اس کے تصرف میں کوئی مانع باقی نہ رہے، اسی کو فقہ کی کتابوں میں ”تخلیہ“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۴- بیع قبل القبض کی ممانعت ”غرر انفساخ“ کی علت پر مبنی ہے، یعنی جب تک مبیع خریدار اول کے ہاتھ نہ آجائے اس بات کا اندیشہ موجود ہے کہ مبیع اس کے قبضہ میں آہی نہ پائے، اور وہ خریدار دوم کو مبیع کی حوالگی پر قادر نہ رہے۔

۵- بیع قبل القبض کی ممانعت کا تعلق اموال منقولہ سے ہے، اموال غیر منقولہ میں بیع قبل القبض جائز ہے، بشرطیکہ خریدار کے لئے انتفاع سے کوئی قوی مانع نہ پایا جاتا ہو۔

۶- اگر ایک شخص کسی بائع (فیکٹری وغیرہ) سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے

☆ نواں فقہی سمینار (جے پور) بتاریخ ۲۷-۳۰ جمادی الاول ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۱-۱۴ اکتوبر ۱۹۹۶ء۔

ہاتھ فروخت کر دے، اور ابھی خریدا ہوا مال فیکٹری نے روانہ بھی نہ کیا ہو، تو یہ صورت بیع قبل القبض میں داخل ہے اور جائز نہیں ہے۔

۷۔ اگر ایک شخص کسی فیکٹری وغیرہ سے خرید کر اس کو کسی خاص ذریعہ (جہاز، ٹرانسپورٹ، پرمٹ وغیرہ) سے سامان کی ترسیل کا آرڈر دے اور مطلوبہ سامان فیکٹری سے روانہ بھی کر دیا جائے اور نقصان کی صورت میں خریدار اس کا ضامن ہوتا ہو، نیز ترسیل کی اجرت خریدار کے ذمہ ہے، تو جس ذریعہ سے مال روانہ کیا جائے اس کا قبضہ خریدار کی طرف سے وکالتہ قبضہ متصور ہوگا، لہذا اس صورت میں مال پہنچنے سے پہلے خریدار کو فروخت کرنا جائز ہے، اور یہ بیع قبل القبض میں داخل نہیں، البتہ جس شخص نے اس خریدار سے مال خریدا ہے اس خریدار دوم کے لئے مال پہنچنے سے پہلے دوبارہ بیع جائز نہیں، اور اگر بیع کرے تو یہ بیع قبل القبض کے زمرہ میں داخل ہوگی۔



پانی میں رہتے ہوئے مچھلی کی خرید و فروخت ☆

رسول اللہ ﷺ نے پانی میں موجود مچھلیوں کی خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے، فی زمانہ مچھلیوں کے کاروبار کی بعض ایسی صورتیں مروج ہو گئی ہیں جن کے اس زمرہ میں شامل ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ اس پس منظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی کے نویں سمینار منعقدہ جامعۃ الہدایہ جے پور میں اس مسئلہ پر بحث ہوئی اور درج ذیل امور طے پائے:

۱- ندی، نالے، نہریں جو کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہوتیں بلکہ سرکاران کو اشخاص یا کوآپریٹو سوسائٹی یا گرام پنچایت کو مخصوص مدت کے لئے بند و بست کر دیتی ہے، یہ مچھلی کے حق شکار پر ہوتا ہے، اس لئے یہ معاملہ عقد اجارہ کی صورت ہے اور جائز ہے۔ لیکن سرکار کے لئے مناسب ہے کہ ایسے تالاب کا بند و بست نہ کرے جس سے عام لوگوں کو ضرور پہنچ سکتا ہو۔

۲- پانی میں رہتے ہوئے مچھلی کو فروخت کر دینا جائز نہیں ہوگا۔ اگر بائع تالاب کی ان مچھلیوں کا مالک ہو تو اس صورت میں یہ بیع فاسد ہوگی، اور اگر بائع حسب حکم شرع ان مچھلیوں کا مالک بھی نہیں اور اسے پانی سے نکالے بغیر فروخت کرتا ہے تو یہ بیع باطل ہوگی، البتہ اگر حوض چھوٹا ہو اور وہ مچھلیاں آسانی کے ساتھ نکال کر خریدار کو حوالہ کی جاسکتی ہوں تو ایسی صورت میں پانی میں رہتے ہوئے مچھلی فروخت کی جاسکتی ہے۔

۳- مچھلی کے مالک ہونے کی تین صورتیں ہیں:

الف- تالاب میں مچھلیاں قدرتی طور پر آ گئی ہوں اور تالاب کے مالک نے ان

☆ نواں فقہی سمینار (جے پور) بتاریخ ۲۷-۳۰ جمادی الاول ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۱-۱۴ اکتوبر ۱۹۹۶ء۔

مچھلیوں کو روکنے کی تدبیر کی ہو۔

ب۔ مچھلیوں کی غرض سے تالاب بنوایا گیا ہو۔

ج۔ کسی شخص نے تالاب میں مچھلی کی افزائش کے لئے مچھلی کے زیرے ڈالے ہوں۔

نوٹ: مولانا شاہین جمالی صاحب (مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ) کے نزدیک موجودہ

وسائل ماہی گیری، تعامل اور حاجات انسانی کی رعایت کے نقطہ نظر سے مملوکہ مچھلیاں پانی کے

اندر ہوں اور تالاب ایسا ہو کہ جال اس کا احاطہ کر لے، تب ان کو پانی کے اندر بھی فروخت کرنا

جائز ہے۔



شیرز اور ان کی خرید و فروخت ☆

۱- کسی کمپنی کا خرید کردہ اکویٹی شیر کمپنی میں شیر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، وہ محض اس بات کی دستاویز نہیں ہے کہ اس نے کمپنی کو اتنی رقم دی ہے۔

۲- ایسی کمپنیوں کے شیرز کی ابتدائی خریداری جو ابھی سرمایہ اکٹھا کرنے کے مرحلے سے گزر رہی ہیں، شرعاً خریداری نہیں بلکہ اس کمپنی میں شرکت ہے۔

۳- عام طور پر کمپنیوں کی دوسری املاک نقد سرمایہ سے زیادہ ہوتی ہیں، اس لئے کمپنیز کے شیرز کی خریداری درست ہے، لیکن اگر معلوم ہو جائے کہ ادا کردہ نقد اس مقدار نقد کے برابر یا اس سے کم ہے جس کی شیرز نمائندگی کرتا ہے تو ایسی صورت میں شیرز کی خریداری اس کی مقررہ قیمت سے کم یا زیادہ پر درست نہ ہوگی۔

۴- جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حرام ہے، مثلاً شراب و خنزیر کے گوشت کی تجارت یا سودی قرضے دینا وغیرہ، ان کے شیرز کی خرید و فروخت ناجائز ہے۔

۵- شرکاء سمینار کا احساس ہے کہ ہندوستان میں ایسی کمپنیز کا قیام قابل عمل ہے جو خالص اسلامی اصول تجارت کے اعتبار سے کاروبار کریں، سمینار مسلم تجارت اور ماہرین معاشیات کو اس طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ وہ اپنی دینی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے ایسی کمپنیز کے قیام کی جدوجہد کریں جو کامل طور پر اسلامی احکام پر کاربند ہوں۔

☆ نواں فقہی سمینار (جے پور) بتاریخ ۲۷-۳۰ جمادی الاول ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۱-۱۴ اکتوبر ۱۹۹۶ء۔

لیکن چونکہ فی الحال ایسی کمپنیاں ہندوستان میں موجود نہیں ہیں یا بہت کم ہیں جو خالص اسلامی بنیادوں پر کاروبار کرتی ہوں، اس لئے جن مسلمانوں کے پاس نقد سرمایہ ہو اور اپنے مخصوص حالات کی بنا پر ان کے لئے جائز تجارت میں اس سرمایہ کو لگانا قابل عمل نہ ہو ان کے لئے ایسی کمپنیز کے شیئرز خریدنے کی گنجائش ہے جن کا بنیادی کاروبار حلال ہو (مثلاً انجینئرنگ کے سامان یا عام استعمال کی مصرفی چیزیں تیار کرنا) اگرچہ انہیں بعض قانونی مجبوریوں کی وجہ سے سودی معاملات میں ملوث ہونا پڑتا ہو۔

۶۔ جن مسلمانوں نے ایسی کمپنیز کے شیئرز خریدے جن کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن وہ کمپنیز ضمنی طور پر بعض ناجائز تصرفات میں بھی ملوث ہوتی ہیں، ان مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ شیئر ہولڈرس کی سالانہ میٹنگ میں کمپنی کو آئندہ ایسے ناجائز تصرفات سے روکنے کی کوشش کریں، اور دوسرے شیئر ہولڈرس کو افہام و تفہیم کے ذریعہ اس بات پر آمادہ کرنے کی سعی کریں کہ وہ بھی ان کے نقطہ نظر سے اتفاق کرتے ہوئے میٹنگ میں ان کی تائید کریں۔

۷۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور اس کی مقدار معلوم ہو تو شیئر ہولڈر کے لئے منافع میں سے اس کے بقدر صدقہ بلا نیت ثواب کر دینا ضروری ہے۔

۸۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع کمایا گیا ہو تو جتنا فیصد کل آمدنی میں سود مخلوط ہو گیا ہے اسی تناسب سے ملنے والے منافع سے نکال کر بلا نیت ثواب اپنی ملک سے نکال دینا ضروری ہے۔

(نوٹ: دفعہ ۷ اور ۸ میں مولانا رئیس الاحرار ندوی صاحب کے نزدیک سود کی رقم

غیر مسلم ہی کو دی جائے)۔

۹۔ کمپنی کی اپنی قانونی شخصیت ہے جو شیئر ہولڈرس کی اجتماعی حیثیت کی نمائندگی کرتی ہے، بورڈ آف ڈائریکٹرز کمپنی کے منتخب کردہ افراد کا مجموعہ ہے جو کمپنی کی طرف سے

تصرفات کرتا ہے اور اس طرح شیئر ہولڈر کے مجموعہ کا وکیل ہے، لہذا بورڈ آف ڈائریکٹرز کے تصرفات جو کمپنی کے مقرر کردہ اصول و ضوابط کی حدود میں ہوں، کی بالواسطہ ذمہ داری سبھی شیئر ہولڈرس پر آتی ہے۔

۱۰- حلال کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی تجارت کرنا درست ہے۔

۱۱- فیوچر سیل (Future Sale) جس کا مقصد شیئرز خریدنا نہیں ہوتا بلکہ بڑھتے گھٹتے دام کے ساتھ نفع نقصان برابر کر لینا مقصود ہوتا ہے، اسلامی شریعت کی نگاہ میں ناجائز ہے کیونکہ یہ کھلا ہوا جوا ہے۔

۱۲- غائب سودا (Forward Sale) جس میں بیع تو ہو جاتی ہے لیکن اس کی اضافت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے، بیع نہیں وعدہ بیع ہے، مقررہ تاریخ آنے پر ایجاب و قبول ہونے کے بعد ہی بیع وجود میں آئے گی۔

۱۳- حاضر سودے (Cash Sale - Spot Sale) میں شیئر سرٹیفیکٹ پر قبضہ سے پہلے خرید کردہ شیئرز کو فروخت کرنا جائز نہیں ہوگا۔

۱۴- شیئر سرٹیفیکٹ حاصل ہونے کے بعد خریدار کا اس پر قبضہ متحقق ہو جاتا ہے، اگرچہ بعض انتظامی دشواریوں کی وجہ سے کمپنی میں اس کا نام اندراج نہ ہو سکا ہے، لہذا اس شیئر کو خریدار فروخت کر سکتا ہے۔

۱۵- جن شیئرز کی خرید و فروخت جائز ہے ان کی خرید و فروخت میں بروکر کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے، ناجائز اور حرام کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید و فروخت میں بحیثیت بروکر کام کرنا جائز نہیں ہے۔



کمپنیوں کے شیئرز ☆

- ۱- ایسی کمپنیاں جن کا کاروبار خالص حلال ہے، اسلامی مالیاتی ادارہ یا کوئی بھی مسلمان ان کے شیئرز خرید سکتا ہے۔
- ۲- ایسی کمپنیاں جن کا کاروبار خالص حرام ہے، ان کے شیئرز کی خریداری ہرگز جائز نہیں ہے۔



☆ پکڑی کی شرعی حیثیت

۱- مالک مکان زر ضمانت وڈپوزٹ کے نام سے کرایہ دار سے جو پیشگی رقم وصول کرتا ہے بہتر ہے کہ اس کو بعینہ محفوظ رکھا جائے، اگر مالک اس کو خرچ کر دے تو وہ اس بات کا ضامن ہوگا کہ کرایہ داری کی مدت ختم ہوتے ہی وہ رقم کرایہ دار کو فوراً واپس کر دے۔

۲- اگر کوئی مکان یا دوکان کرایہ پر دیا جائے اور مالک مکان مروجہ پکڑی کے نام پر اصل ماہوار کرایہ کے علاوہ بھی نقد رقم کرایہ دار سے وصول کرے تو سمجھا جائے گا کہ مالک مکان نے بحیثیت مالک اپنے مکان کو کرایہ دار سے واپس لینے کے حق سے دست برداری کا عوض وصول کر لیا ہے۔ یہ رقم اس کے لئے اس حق کے عوض ہونے کی بنیاد پر جائز ہوگی۔ آئندہ اگر مالک مکان کرایہ دار سے مکان واپس لینا چاہے تو کرایہ دار کو اس کا حق ہوگا کہ وہ مکان خالی کرنے کے عوض جس پر ہر دو فریق راضی ہو جائیں مالک مکان سے وصول کر لے، اور اسی طرح کرایہ دار دوسرے کرایہ دار کے حق میں باہمی طے شدہ رقم کے عوض اپنے اس حق سے جو اس نے اصل مالک سے عوض دے کر حاصل کیا تھا دست بردار ہو سکتا ہے۔

۳- مالک مکان نے پکڑی لئے بغیر مکان کرایہ پر دیا اور اجارہ کی مدت معاہدہ میں مقرر نہیں کی گئی ہو تو اس صورت میں مالک مکان کو حق ہوگا کہ جب چاہے مکان خالی کرالے۔ البتہ مالک مکان کو چاہئے کہ خالی کرانے کا نوٹس اور خالی کرنے کی تاریخ کے درمیان ایسی مہلت دے جو مقامی حالت کے پیش نظر مناسب ہو اور جس میں مالک اور کرایہ دار کو کوئی خاص ضرر لاحق

☆ دوسرا فقہی سمینار (دہلی) بتاریخ ۸-۱۱ جمادی الاول ۱۴۱۰ھ مطابق ۸-۱۱ دسمبر ۱۹۸۹ء۔

نہ ہو، اور کرایہ دار کو چاہئے کہ اس مناسب مہلت میں مکان خالی کر دے۔

۴- جو مکان یا دوکان بغیر پکڑی لئے کرایہ پردی گئی ہو، مالک مکان کو مکان واپس کرتے وقت کرایہ دار کے لئے اس سے پکڑی طلب کرنا جائز نہ ہوگا۔

۵- سمینار مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ اپنے معاملات میں شریعت کا خاص خیال رکھیں، شریعت چاہتی ہے کہ کسی بھی معاہدہ کے بارے میں معاہدہ کے ہر دو فریق تمام ضروری متعلقہ امور کو وضاحت اور صراحت کے ساتھ باہم طے کر لیں تاکہ آئندہ کوئی نزاع پیدا نہ ہو اور فریقین ضرر سے محفوظ رہیں۔ اس سلسلہ میں سمینار خصوصیت سے یہ سفارش کرتا ہے کہ کرایہ داری کا معاملہ طے کرتے وقت مدت کا تعین کر لیا جائے اور اگر مالک مکان عوض لے کر ہمیشہ کے لئے اپنے مکان خالی کرانے کے حق سے دست بردار ہونا چاہتا ہے تو فریقین صراحتاً آپس میں اس کو طے کر لیں۔



☆ بنک انٹرسٹ

بنک انٹرسٹ کے سود ہونے پر شرکاء سمینار کا اتفاق ہے۔ انٹرسٹ کی رقم بنک سے نکالی جائے یا چھوڑ دی جائے؟ نکال لی جائے تو کس مصرف میں خرچ کی جائے؟ اس سلسلہ میں طے پایا کہ:

۱- بینکوں سے ملنے والی سود کی رقم کو بینکوں میں نہ چھوڑا جائے بلکہ اسے نکال کر مندرجہ ذیل مصارف میں خرچ کیا جانا چاہئے۔

۲- بینک کے سود کی رقم کو بلا نیت ثواب فقراء و مساکین پر خرچ کر دیا جائے اس پر تمام ارکان کا اتفاق ہے۔

۳- سود کی رقم کو مساجد اور اس کے متعلقات پر خرچ نہیں کیا جاسکتا۔

۴- اکثر شرکاء سمینار کی یہ رائے ہے کہ اس رقم کو صدقات واجبہ کے مصارف کے علاوہ رفاہ عام کے کاموں پر بھی خرچ کیا جاسکتا ہے۔ بعض حضرات کی رائے میں اس کے مصرف کو فقراء و مساکین تک محدود رکھنا چاہئے۔



☆ تجارتی سود

سود خواہ ذاتی مصارف کے قرضوں پر لیا دیا جائے یا تجارتی و کاروباری قرضوں پر، شریعت اسلامیہ کی نظر میں بہر حال حرام ہے۔ یہ سمجھنا کہ سود کی حرمت کا اطلاق تجارتی و کاروباری قرضوں پر نہیں ہوتا قطعاً غلط ہے۔ نیز یہ خیال کہ تجارتی و کاروباری قرضوں کا وجود زمانہ نزول قرآن میں نہیں پایا جاتا اس لئے حرمت ربوا کا اطلاق ان پر نہیں ہوگا، کسی طرح درست نہیں۔ یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ تجارتی و کاروباری مقاصد کے لئے سودی لین دین عرب جاہلیت، نیز ان قوموں میں جن سے جاہلی عرب کے تجارتی روابط تھے رائج اور شائع تھا۔ چنانچہ تجارتی و کاروباری مقاصد کے لئے سودی لین دین تحریم ربا کا اولین مورد ہے۔ اس کے علاوہ بالفرض اگر تجارتی و کاروباری مقاصد کے لئے سودی لین دین کا وجود زمانہ نزول قرآن میں نہ بھی پایا جاتا تب بھی مستقل شرعی دلائل دونوں قسم کے قرضوں (ذاتی و شخصی اور تجارتی و کاروباری) پر اضافے یعنی سود کی حرمت کے بارے میں قائم ہیں۔ قرآن و سنت، اجماع و قیاس اور امت محمدیہ کا عمل متواتر سب یہی بتاتے ہیں کہ حرمت ربوا کے بارے میں اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاسکتا کہ قرض لینے دینے کا مقصد اور محرک کیا ہے؟

سود کی حرمت پر اس کا بھی کوئی اثر نہیں پڑتا کہ شرح سود کم ہے یا زیادہ، مناسب حد تک کم ہے یا نامناسب حد تک زیادہ۔ شریعت اسلامیہ میں اس بات کو تسلیم کرنے کی کوئی گنجائش نہیں کہ شرح سود اگر مناسب حد تک کم ہے تو سودی لین دین جائز ہے اور اگر نامناسب حد تک زیادہ ہے تو ناجائز، دلائل شرعیہ اس طرح کی کسی تفریق کی اجازت نہیں دیتے۔

☆ دوسرا فقہی سمینار (دہلی) بتاریخ ۸-۱۱ جمادی الاول ۱۴۱۰ھ مطابق ۸-۱۱ دسمبر ۱۹۸۹ء۔

ہندوستان کے پس منظر میں انشورنس کا حکم ☆

ہندوستان کے موجودہ حالات اور مسلمانوں کو درپیش ہر آن جان اور مال کے خطرے کو سامنے رکھتے ہوئے جان و مال کے تحفظ اور قیام امن کے سلسلہ میں حکومت کی ذمہ داریوں اور بسا اوقات نہ صرف غفلت بلکہ حکومت کے عملہ کی طرف سے فسادات کی ہمت افزائی اور بعض اوقات اس میں شرکت اور پھر مسلمانوں کے جان و مال کو پہنچنے والے نقصانات کی تلافی میں حکومت کی طرف سے کوتاہی اور اس وجہ سے کہ وہ ہندوستان کی انشورنس کمپنیاں بالواسطہ یا بلاواسطہ حکومت سے ہی متعلق ہیں، ان ہی حالات کی روشنی میں ”مجمع الفقہ الاسلامی“ کے چوتھے سمینار منعقدہ مورخہ ۲۷-۳۰ محرم ۱۴۱۲ھ مطابق ۹-۱۲ اگست ۱۹۹۱ء بمقام دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد میں غور کیا گیا تھا۔

شرکاء سمینار کا عام رجحان یہ تھا کہ ان حالات میں مسلمانوں کے لئے جان و مال کا بیمہ کرانا جائز قرار دینا چاہئے، لیکن دوران بحث یہ نقطہ اٹھایا گیا کہ فرقہ وارانہ فسادات کی صورت میں پہنچنے والے جانی و مالی نقصان کو بیمہ کے ذریعہ رائج انشورنس قانون کے تحت تحفظ حاصل ہے یا نہیں؟ اور مندرجہ ذیل تجویز منظور کی گئی:

”کمیٹی نے مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور کیا اور یہ محسوس کیا کہ انشورنس کمپنیوں کی پالیسی اس سلسلہ میں واضح نہیں ہے کہ فرقہ وارانہ فسادات میں ہونے والے جانی و مالی نقصانات کو موجودہ انشورنس قانون کی رو سے تحفظ حاصل ہوتا ہے، اور اس کی ضرورت محسوس کی گئی کہ اس

☆ پانچواں فقہی سمینار (رشادنگرا عظیم گڑھ) بتاریخ ۳-۶ جمادی الاول ۱۴۱۳ھ مطابق ۳۰ اکتوبر-۲ نومبر ۱۹۹۲ء۔

مسئلہ پر تفصیل سے غور کیا جائے اور انشورنس کے ماہرین سے مختلف اسکیموں کے بارے میں پوری معلومات حاصل جائیں، سمینار کے عام اجلاس میں کمیٹی کی اس تجویز سے اتفاق کیا گیا اور مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جو مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر ماہرین سے پوری معلومات حاصل کرنے کے بعد کوئی قطعی رائے قائم کرے:

- ۱- مولانا مجیب اللہ ندوی
جامعۃ الرشاد، اعظم گڑھ
- ۲- مولانا برہان الدین سنبھلی قاسمی
دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
- ۳- مولانا عبید اللہ سعدی قاسمی
جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ
- ۴- مولانا متیق احمد بستوی قاسمی
دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
- ۵- مولانا مفتی حبیب الرحمن خیر آبادی قاسمی
دارالعلوم دیوبند
- ۶- مولانا مفتی احمد خان پوری قاسمی
جامعہ تعلیم الدین، ڈابھیل
- ۷- مولانا عبدالاحد ازہری
معہد ملت، مالگاوں
- ۸- مولانا مفتی منظور احمد کان پوری قاسمی
جامع العلوم، کان پور
- ۹- مفتی نظام الدین اشرفی
دارالعلوم اشرفیہ، مبارک پور
- ۱۰- مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحی
دارالعلوم دیوبند
- ۱۱- مفتی عبدالقدوس رومی
آگرہ
- ۱۲- مولانا زبیر احمد قاسمی
دارالعلوم سبیل السلام، حیدر آباد
- ۱۳- مفتی جنید عالم قاسمی
امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ
- ۱۴- مولانا خلیل الرحمن اعظمی
جامعہ دارالسلام، عمر آباد
- ۱۵- مولانا خلیل الرحمن سجاد ندوی
لکھنؤ
- ۱۶- جناب عبدالستار یوسف شیخ
بمبئی
- ۱۷- مولانا مجاہد الاسلام قاسمی
امارت شرعیہ، پٹنہ

اسلامک فقہ اکیڈمی کے سمینار منعقدہ مورخہ ۳-۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ مطابق ۳۰

۳۱- اکتوبر اور ۱-۲ نومبر ۱۹۹۲ء بمقام جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کے موقع پر اس سلسلہ میں

ضروری معلومات اور ان پر غور کر کے کوئی قطعی فیصلہ کرنے کے سلسلہ میں کمیٹی مذکور کے موجودہ ارکان اور مزید دیگر علماء پر مشتمل ایک کمیٹی نے پوری صورت حال پر غور کیا، اور خاص کر انشورنس کے قانون کی اس دفعہ پر غور کیا گیا جس سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ فسادات کی صورت میں جان و مال کو پہنچنے والے نقصانات کو تحفظ نہیں مل سکتا، لیکن اس سلسلہ میں ”لائف کارپوریشن آف انڈیا“ کی جاری کردہ تفصیلات پر غور کرنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ اس اعلامیہ کی دفعہ (۱۰) شق (III A. B.) میں فرقہ وارانہ فسادات سے پہنچنے والے نقصانات کا استثناء دراصل دفعہ ۱۰ سے حاصل ہونے والی ان مراعات سے استثناء ہے جن کے تحت حادثاتی موت کی صورت میں اصل انشورنس پالیسی پر مستزاد اضافی رقم دی جاتی ہے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ عام طور پر حادثاتی موت میں اصل انشورنس پالیسی سے زائد رقم دیئے جانے کا پروویژن فرقہ وارانہ فسادات کی صورت میں پہنچنے والے جانی اور مالی نقصانات کو شامل نہیں ہوگا، یعنی اس صورت میں انشورنس پالیسی پر اضافی رقم نہیں ملے گی، لیکن جتنی بھر انشورنس پالیسی ہے جیسے دیگر عام جانی و مالی نقصانات میں ملتی ہے اسی طرح اس میں بھی ملے گی، اس نقطہ کے واضح ہو جانے کے بعد ”مجمع الفقہ الاسلامی“ کی یہ کمیٹی (مجلس تحقیقات شرعیہ لکھنؤ نے ۱۹۶۰ء میں انشورنس کے سلسلہ میں جو فیصلہ کیا تھا، نیز ملک کی موقر درسگاہ ”دارالعلوم دیوبند“ سے اس بابت جو فتویٰ دیا جا چکا ہے) مجلس کے فیصلے اور دارالعلوم کے فتویٰ کو مد نظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل قطعی فیصلہ کرتی ہے:

”مروجہ انشورنس اگرچہ شریعت میں ناجائز ہے کیونکہ وہ ربوہ، قمار، غرر جیسے شرعی طور پر ممنوع معاملات پر مشتمل ہے، لیکن ہندوستان کے موجودہ حالات میں جبکہ مسلمانوں کی جان و مال، صنعت و تجارت وغیرہ کو فسادات کی وجہ سے ہر آن شدید خطرہ لاحق رہتا ہے، اس کے پیش نظر ”الضرورات تبیح المحظورات“ رفع ضرر، دفع حرج اور تحفظ جان و مال کی شرعاً اہمیت کی

بنا پر ہندوستان کے موجودہ حالات میں جان و مال کا بیمہ کرانے کی شرعاً اجازت ہے^(۱)۔

اس فیصلہ پر دستخط کرنے والے اہم علماء کرام کے اسماء گرامی:

- ۱- حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی قاسمی دارالعلوم دیوبند
- ۲- حضرت مولانا حبیب الرحمن خیر آبادی دارالعلوم دیوبند
- ۳- حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی قاسمی ندوۃ العلماء، لکھنؤ
- ۴- حضرت مولانا حبیب اللہ قاسمی مفتی ریاض العلوم، گورینی
- ۵- حضرت مولانا محمد ثناء الہدی قاسمی مدرسہ احمدیہ ابا بکر پور، ویشالی
- ۶- حضرت مولانا زبیر احمد قاسمی اشرف العلوم کنہواں، سیتا مڑھی
- ۷- حضرت مولانا محمد ظفر الدین مفتاحی دارالعلوم دیوبند
- ۸- حضرت مولانا انیس الرحمن قاسمی امارت شرعیہ، پٹنہ
- ۹- حضرت مولانا عتیق احمد قاسمی قاسمی دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
- ۱۰- حضرت مولانا عزیز الرحمن فتح پوری قاسمی بمبئی
- ۱۱- حضرت مولانا رفیق المنان قاسمی احیاء العلوم، مبارک پور
- ۱۲- حضرت مولانا سید مصطفیٰ رفاعی ندوی صدر الاصلاح، بنگلور
- ۱۳- حضرت مولانا معاذ الاسلام مراد آباد
- ۱۴- حضرت مولانا شفاق احمد جامعہ شرعیہ، سرائے میر

(مبتلی بہ کی صواب دید پر اجازت کی گنجائش ہے)

(۱) واضح رہے کہ فقہ اکیڈمی کی طرف سے یہ تجویز اور سمینار میں شریک اہل علم کی طرف سے اس کی تائید کا یہ مطلب نہیں کہ انشورنس مسلمانوں کی حفاظت کا ضامن ہے، اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اس انشورنس کے بعد جو بھی صورت پیش آئے اس میں ملنے والی سب رقم انشورنس کرانے والوں کے لئے جائز و درست ہوگی، بلکہ اس میں تفصیل ہے اور وہ یہ کہ صرف فسادات کی صورت میں جان و مال کے نقصان کے بعد جو کچھ ملے اور جو حق قانون و ضابطہ میں بتایا جائے، اس کے مطابق ملنے والا مال تو انشورنس کرانے والوں کے لئے جائز و درست ہوگا اور بقیہ صورتوں میں صرف اپنی جمع کردہ رقم کے بقدر لینا اور استعمال کرنا جائز ہوگا، زائد کا نہیں۔ اور انشورنس کی صورت میں زائد کے جواز کی جہت حکومت کی نااہلی اور غیر ذمہ داری کی وجہ سے اس کی طرف سے اور اس پر ضمان کی ہے۔

- ۱۵- حضرت مولانا عبداللہ مغیشی
اجراڑہ، میرٹھ
- ۱۶- حضرت مفتی محمد ارشد قاسمی
اجراڑہ
- ۱۷- حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
حیدرآباد
- ۱۸- حضرت مولانا عبدالجلیل قاسمی
جامعہ اسلامیہ، سمرچمپارن
- ۱۹- حضرت مولانا سلطان احمد اصلاحیؒ
ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ
- ۲۰- حضرت مولانا محمد جنید عالم ندوی قاسمی
دارالافتاء امارت شرعیہ، پٹنہ
- ۲۱- حضرت مولانا مفتی نسیم احمد قاسمیؒ
رفیق اسلامک فقہ اکیڈمی
- ۲۲- حضرت مولانا بدر احمد مجیبی ندوی
خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف، پٹنہ
- ۲۳- حضرت مولانا نجیب احمد قاسمی
جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ
- ۲۴- حضرت مولانا محمد صدر الحسن ندوی
اورنگ آباد
- ۲۵- حضرت مولانا شبیر احمد
مدرسہ شاہی، مراد آباد
- (احقر کو املاک کے بیمہ سے اتفاق ہے جیون کے جواز سے اتفاق نہیں ہے۔)
- ۲۶- حضرت مولانا محمد عبدالرحیم قاسمی
جامعہ حسینیہ خیر العلوم، بھوپال
- ۲۷- حضرت مولانا مبارک حسین ندوی قاسمی
نیپال
- ۲۸- حضرت مولانا محمد افضال الحق جوہر قاسمی
دارالعلوم گورکھپور
- ۲۹- حضرت مولانا شمیم احمد
جامعۃ مفتاح العلوم منو
- ۳۰- حضرت مولانا سعید الحق قاسمی صاحب مدنی
دارالقرآن منو
- ۳۱- حضرت مولانا محمد یوسف قاسمی
جامعہ امداد العلوم زید پور، بارہ بنکی
- ۳۲- حضرت مولانا سرفراز احمد
جامعہ عربیہ احیاء العلوم، مبارک پور
- ۳۳- حضرت مولانا افضال احمد قاسمی
خطیب مسجد نیو پائلی پترا کالونی، پٹنہ
- ۳۴- حضرت ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقویؒ
دار قدرت، میسور، کرناٹک
- ۳۵- حضرت مولانا عبدالقیوم پالن پوری
مدرسہ جامعہ ندیریہ، کاکوسی، گجرات
- ۳۶- حضرت مولانا عبداللہ قاسمی
استاد جامعہ اسلامیہ، بنارس
- ۳۷- حضرت مولانا عبدالرحمن قاسمی پالن پوری
دارالعلوم چھاپی، گجرات
- ۳۸- حضرت مولانا محمد عمران مظاہری
دارالعلوم چھاپی، گجرات

- ۳۹- حضرت مولانا محمد قمر الزماں مدرسہ بیت المعارف، الہ آباد
- ۴۰- حضرت مولانا تنویر عالم قاسمی مدرسہ اشرف العلوم کنہواں، سیتا مڑھی
- ۴۱- حضرت مولانا مفتی انور علی اعظمی دارالعلوم منو
- ۴۲- حضرت مفتی اقبال احمد دارالعلوم دیوبند
- ۴۳- حضرت مولانا شعیب اصلاحی مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ
- ۴۴- حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی قاضی شریعت بہار واڑیسہ، پٹنہ
- ۴۵- حضرت مولانا مجیب اللہ ندوی جامعۃ الرشاد، اعظم گڑھ
- ۴۶- حضرت مولانا بدر الحسن قاسمی کویت
- ۴۷- حضرت مولانا عبید اللہ سعدی استاد جامعہ عربیہ، ہتھورا، باندہ
- ۴۸- حضرت مولانا محمد راشد دارالعلوم دیوبند
- ۴۹- حضرت مولانا مفتی جمیل احمد ندیری استاد جامعہ عربیہ احیاء العلوم، مبارک پور
- ۵۰- حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی شعبہ معاشیات، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
- ۵۱- حضرت مولانا شمس پیرزادہ بمبئی
- (اضطرابی صورت ہی میں اجازت دی جاسکتی ہے)
- ۵۲- حضرت مولانا ندیر احمد قاسمی بارہ بنکی
- (ضرورت شدیدہ کا لحاظ ضروری ہے)
- ۵۳- حضرت مولانا خبیب احمد قاسمی اسلامک فقہ اکیڈمی پھلواڑی شریف، پٹنہ



دو ملکوں کی کرنسیوں کا ادھار تبادلہ ☆

دو ملکوں کی کرنسیوں کے باہمی تبادلہ کے مسئلہ میں اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کی طرف سے منعقد ہونے والے دوسرے فقہی سمینار میں یہ طے ہو چکا ہے کہ دو ملکوں کی کرنسیاں دو جنس ہیں جن کا باہمی تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے۔

چوتھے سمینار میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ دو ملکوں کی کرنسیوں کے تبادلہ میں عوضین پر فوری قبضہ مجلس عقد میں ضروری ہے یا نہیں؟ شریک علماء کے دورِ حجانات سامنے آئے۔ ایک رائے یہ ہے کہ مجلس عقد میں ہر دو عوض پر فوری قبضہ ضروری نہیں، ایک عوض پر قبضہ کافی ہے، کیونکہ نوٹوں کی حیثیت کلی طور پر سونے چاندی جیسی نہیں کہ یہ اعتباری اور اصطلاحی اثمان ہیں۔

علماء کی ایک جماعت اسے خلقی اثمان (سونے چاندی) کی طرح تصور کرتی ہے، اس لئے بدلیں پر قبضہ کو مجلس عقد میں ضروری قرار دیتی ہے۔ البتہ یہ حضرات عام طور پر قبضہ کی تعریف کو وسیع کرتے ہوئے ڈرافٹ اور چیک کے حصول کو اصل بدل پر قبضہ کے مترادف قرار دیتے ہیں۔

اسلامک فقہ اکیڈمی کا یہ اجلاس ہر دو موثر آراء کو سامنے رکھتے ہوئے طے کرتا ہے کہ دو ملکوں کی کرنسیوں کے ادھار تبادلہ میں بہر حال احتیاط برتی جائے، لیکن واقعی حاجت و ضرورت کی صورت میں اول الذکر رائے پر عمل کیا جاسکتا ہے۔



☆ سود

۱- ربوا (سود) قطعی حرام ہے، اور جس طرح سود لینا حرام ہے اسی طرح سود دینا بھی حرام ہے۔

۲- سود ادا کرنے کی حرمت بذات خود نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ یہ سود خواری کا ذریعہ ہے، اس لئے بعض خاص حالات میں عذر کی بنیاد پر سود ادا کر کے قرض لینے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ کون سا عذر معتبر ہے اور کون سا نہیں، اور کون سی حاجت قابل لحاظ ہے اور کون سی قابل لحاظ نہیں، اس سلسلہ میں معتمد اصحاب افتاء کے مشورہ پر عمل کیا جائے۔

۳- ہندوستان میں محض سرکاری قرضے ایسے ہیں جن پر سرکار کی طرف سے چھوٹ (Subsidy) دی جاتی ہے اور سود کے نام سے اضافی رقم بھی لی جاتی ہے، اگر سود کے نام سے لی جانے والی اضافی رقم چھوٹ (Subsidy) کے مساوی ہو یا اس سے کم ہو تو یہ اضافی رقم شرعاً سود نہیں۔

۴- ہندوستان میں حکومت جب اراضی مملوکہ کو اکوائر کرتی ہے (یعنی بحکم سرکاری وہ اراضی مفاد عامہ کے لئے جبراً خریدی جاتی ہیں) اور حکومت اس کی قیمت مالکان اراضی کو اپنے ضابطوں کے پیش نظر اپنی منشا کے مطابق ادا کرتی ہے۔ مالکان اراضی سرکاری حکم کے خلاف عدالتوں سے رجوع کرتے ہیں، عدالتیں عادلانہ قیمت کا تعین کرتی ہیں اور مالکان اراضی کو

☆ دوسرا فقہی سمینار (دہلی) بتاریخ ۸-۱۱ جمادی الاول ۱۴۱۰ھ مطابق ۸-۱۱ دسمبر ۱۹۸۹ء۔

اکوزیشن کی تاریخ سے بذریعہ فیصلہ عدالت اس قیمت کے علاوہ اضافی رقم بھی سود کے نام سے دلاتی ہیں۔ سمینار کی رائے میں یہ اضافی رقم سود نہیں بلکہ قیمت کا جزء ہے جس کا لینا اور اپنے مصرف میں خرچ کرنا جائز ہے۔

۵- سرکاری بنکوں سے ملنے والے ترقیاتی قرضوں اور ان پر ادا کئے جانے والے سود کے مسئلہ پر ہندوستان کے مخصوص پس منظر میں غور کر کے کسی فیصلہ تک پہنچنے کے لئے یہ سمینار اسلامک فقہ اکیڈمی سے علماء و متخصصین کی ایک کمیٹی کی تشکیل کی سفارش کرتا ہے جو مسئلہ کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر کسی نتیجہ پر پہنچے۔



اسلامی مالیاتی ادارہ ☆

اسلامی مالیاتی ادارہ کو ریزرو بینک کے حکم کی وجہ سے جبراً اپنے سرمایہ کا پانچ فیصد حصہ سرکاری تمسکات میں محفوظ کرنا پڑتا ہے، اس پر حکومت سود بھی دیتی ہے، تو شرکاء سمینار کے نزدیک یہ صورت درست ہے کہ اس محفوظ سرمایہ پر ملنے والے سود کو بتدریج محفوظ سرمایہ بنادیا جائے، اور اصل سرمایہ دھیرے دھیرے نکال لیا جائے۔



☆ اسلامی بنکاری

دور حاضر کے مالیاتی اور اقتصادی نظام میں بینک ایک کلیدی حیثیت کا حامل ہے، فاضل سرمایہ کو جمع کر کے مختلف اقتصادی ضروریات کی تکمیل کے لئے اس کے ذریعہ سرمایہ بھی فراہم ہوتا ہے اور قومی پیداوار میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔ مزید برآں بینکنگ ادارے متعدد ایسی خدمات بھی انجام دیتے ہیں جو تجارت، صنعت اور زراعت کے لئے ناگزیر ہیں۔ ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کی معاشی جدوجہد اور سرمایہ کاری بھی اس امر کی محتاج ہے کہ وہ موجودہ بینکوں کی طرف رجوع کریں۔ مگر یہ پورا نظام بینکنگ سود کی بنیاد پر قائم ہے جسے اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ سودی نظام غیر عادلانہ اساس پر قائم ہے۔ سود پر مبنی عقد سرمایہ دار کا یہ حق تسلیم کرتا ہے کہ وہ ہر حال میں ایک متعین شرح پر منافع وصول کرے، جب کہ صاحب العمل (Entreneur) کا منافع اس کی اقتصادی جدوجہد کی کامیابی یا ناکامی پر منحصر ہے۔ اسلام کے نزدیک یہ عقد فاسد ہے کیونکہ یہ ظلم پر مبنی ہے۔ اس کے علاوہ سود موجودہ زمانہ میں تفریق دولت اور ترکیز سرمایہ (Concentration of Wealth) کا مؤثر ترین ذریعہ بن گیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں موجودہ معاشرہ میں قرض پر دیئے جانے والے سرمایہ (Loan Capital) کو جو تسلط اور قاہرانہ حیثیت حاصل ہو گئی ہے اس کا شعور تقریباً سارے ہی اصحاب فکر کو کسی نہ کسی درجہ میں حاصل ہو گیا ہے۔

☆ دوسرا فقہی سمینار (دہلی) بتاریخ ۸-۱۱ جمادی الاول ۱۴۱۰ھ مطابق ۸-۱۱ دسمبر ۱۹۸۹ء۔

سود کے مفاسد کا یہ ایک مجمل بیان ہے، اس کے مضر اور ظالمانہ اثرات کا حصر یہاں ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ شریعت انسان کی معاشی جدوجہد کی اہمیت کی نہ صرف یہ کہ منکر نہیں ہے بلکہ وہ اس جدوجہد کو ابتغاء فضل اللہ قرار دیتی ہے۔ یہ شریعت انسانوں کے معاشرہ میں بالعموم اور معاشی جدوجہد کے میدان میں بالخصوص عدل و رحمت، دیانت اور امانت کی نہ صرف مقتضی ہے بلکہ وہ بھی ایسے احکام، اصول اور اقدار بھی فراہم کرتی ہے جن پر ایک صحت مند، عادلانہ اور مشفقانہ نظام معیشت قائم ہوتا ہے، سود کی حرمت فی الحقیقت اسی مقصد کے پیش نظر کی گئی ہے۔ اسلامی نظام معیشت ظالمانہ مقابلہ اور تنافس کے بدلے باہمی اخوت، عدل اور مساوات اور عام انسانوں کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کی وسیع بنیادوں پر قائم ہے۔

ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کا یہ فرض منصبی ہے کہ وہ اپنی معاشی سرگرمیوں کو بھی انہی بنیادوں پر استوار کریں، تاکہ ایک طرف وہ اس نظام عدل و مساوات کے داعی بن سکیں اور دوسری طرف اپنی معاشی اور معاشرتی زندگی کو بہتر اور مضبوط بنیادوں پر قائم رکھ سکیں۔

غیر سودی بنیادوں پر بینکنگ کے نظام کے لئے شریعت حق نے جو اصول و ضوابط عطا فرمائے ہیں وہ موجودہ دور کے مسائل کا بہتر حل پیش کرتے ہیں، بلکہ ہمیں یقین ہے کہ اپنی کارکردگی کے اعتبار سے وہ موجودہ طریق تنظیم سے بہتر ہیں۔ ان کے اختیار کرنے سے مسلمانوں کی معاشی حالت بھی بہتر ہوگی اور ایسا عادلانہ معاشرہ قائم ہوگا جس کا ہمارا ملک بدرجہ اولیٰ محتاج ہے۔ یہ سمینار سمجھتا ہے کہ مضاربت (Equity Participation)، مشارکت (Partnership) اور مراحمہ (Mark up Pricing) جیسے اصولوں سے قابل عمل اور بہتر نظام بینکنگ قائم کیا جاسکتا ہے، ایسا نظام مالیات اور سرمایہ کاری جو ملک کے لئے ایک پیغام بھی ثابت ہو اور قابل عمل نمونہ بھی۔ البتہ اس سمینار کو اس بات کا مکمل شعور ہے کہ موجودہ عصر کے متعدد مسائل اور سرمایہ کاری کے متعدد وسائل اور معاملات کے پیش نظر ان اصولوں کے انطباق کے

لئے ہمیں انتھک جدوجہد کرنا ہوگی، اسلامی نظام بینکنگ کا خاکہ مرتب کرتے وقت مندرجہ ذیل اصولی ہدایات کو ملحوظ رکھنا ہوگا:

۱- اسلام سودی نظام تعاقد کی ہر شکل کو حرام قرار دیتا ہے۔

۲- اسلام مالیاتی اور اقتصادی عقد میں جانین کے لئے عدل کو ضروری شرط قرار دیتا ہے، جس کا مقتضی یہ ہے کہ صاحب المال اور صاحب العمل دونوں کے ساتھ عدل ہو، صاحب المال منافع میں شریک ہو اور سرمایہ کے نقصان کا مکمل ذمہ دار قرار دیا جائے، جب کہ صاحب العمل (مستقرض) نفع میں شریک ہو اور بصورت نقصان وہ اپنی محنت کی اجرت سے محروم ہو۔

۳- زر کو وسیلہ سمجھا جائے نہ کہ مطلوب بالذات، جس طرح بضائع ضروریہ اور عیش و راحت کے سامان ہوتے ہیں۔

۴- سرمایہ کو اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھا جائے اور اس کے ذریعہ انسانوں کی حقیقی ضروریات اور ان کی مالی اور اقتصادی استعداد میں اضافہ کا ذریعہ بنایا جائے، برعکس موجودہ طریق تصرف کے، جہاں سرمایہ کو صاحب المال اور بینک اپنی ازدیاد دولت کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔

۵- سرمایہ کی تقسیم اس طرح کی جائے کہ کمزور اور پسماندہ طبقات کی معاشی حالت میں بہتری ہو اور نامنصفانہ تقسیم اور تفریق دولت میں کمی واقع ہو۔ اس اصول کے پیش نظر اسلامی بینکوں کو سرمایہ کی تقسیم اور فراہمی کرتے وقت ضروریات، تحسینات اور کمالیات میں اول الذکر کو ترجیح دینا ہوگا، اور شرح منافع کے ساتھ اس امر کا بھی لحاظ کرنا ہوگا کہ ملت کے کمزور اور ضعیف صاحبان استعداد کی ہمت افزائی کی جائے۔

۶- ان تمام وسائل تمویل سے احتراز کرنا ہوگا جو اگرچہ عصر حاضر میں مروج ہیں لیکن خیانت، دھوکہ اور کتمان حقیقت کے شاہکار ہیں۔

۷۔ ان اصولی ہدایات اور اسلامی نظام معیشت و معاشرت کے عمومی مقاصد، اس کی اخلاقی روح، دیانت و صداقت کی عملی اقدار کو بھی ملحوظ رکھنا ہوگا تا کہ یہ کوشش محض ایک میکا نکی مشن نہ بن جائے بلکہ حقیقی معنوں میں جاری نظام منافعت، لوٹ کھسوٹ، نفسانیت کی جگہ پر نظام رحمت اور باہمی خیر سگالی اور تعاون کا آئینہ دار ہو۔

اسی مقصد کے پیش نظر سمینار نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ماہرین اور علماء پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی جائے جو شریعت کے مذکورہ اصول اور اس کی عمومی ہدایات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہندوستان کے حالات اور مسلمانوں کے مسائل کے پیش نظر ایسا نظام مالیات تجویز کرے جو مسلمانوں کی امنگوں اور ان کی پسندیدہ اقدار کا آئینہ دار بھی ہو اور ان کے حقیقی معاشی مسائل کا حل بھی۔



☆ غیر سودی امدادی سوسائٹیاں ☆

۱- ہندوستانی مسلمانوں کے اقتصادی اور معاشی حالات کے پیش نظر ایسے امدادی مالیاتی اداروں کا قیام ضروری اور مفید ہے جو عامۃ المسلمین سے بلا سود قرض حاصل کریں اور ضرورت مند مسلمانوں کو سود کی ادنیٰ آمیزش کے بغیر قرض فراہم کر سکیں۔

ایسے ادارے دراصل رفاہی اور فلاحی ادارے ہوتے ہیں جن کی بنیاد صلہ، احسان اور تعاون پر ہوتی ہے۔

۲- قرض خواہوں سے قرض میں دی گئی رقم سے زائد وصول کرنا، چاہے اس کا کوئی سا بھی طریقہ اختیار کر لیا جائے، ہرگز جائز نہیں، اور قرض سے زائد حاصل کی گئی رقم شرعاً سود ہے۔ لہذا ذاتی مفاد یا ادارے کے مفاد یا دیگر رفاہی اسکیموں پر خرچ کرنے کے لئے بھی قرض سے زائد کوئی رقم وصول کرنا جائز نہیں، نیز ان اداروں میں جمع شدہ رقوم کو فلکسڈ پارٹ میں رکھنا اور ان پر سود حاصل کرنا بھی حرام ہے۔

رہا یہ سوال کہ ایسے اداروں سے انتظامی مصارف کس طرح پورے کئے جائیں تو یہ ”فقہی سمینار“ اس کے لئے مندرجہ ذیل طریقوں کو درست قرار دیتا ہے:

الف- ایسے مالیاتی اداروں کو کچھ اصحاب خیر ایک ملی ضرورت سمجھ کر محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اپنے خرچوں سے چلائیں، یعنی انتظامی اخراجات کا بار یہ اصحاب خیر برداشت کریں۔ اگر یہ ادارے مسلمانوں میں اپنا یہ اعتماد حاصل کر لیں کہ یہ خالص شرعی حدود میں عام

مسلمانوں کی مالی امداد کے لئے اور ان کو سودی لین دین سے بچانے کے لئے کام کر رہے ہیں اور علماء کرام کی رہنمائی بھی ان کو حاصل ہے تو قوی امید ہے کہ اہل ثروت مسلمان ایسے اداروں کے انتظامی مصارف بلکہ ترقیاتی مصارف کے لئے بھی آگے بڑھیں گے۔

ب۔ سمینار کی رائے میں ایسے تمام امدادی مالی اداروں کو ہر طور پر یہ کوشش کرنی چاہئے کہ سرمایہ کا کچھ حصہ پیداواری ذرائع میں لگا کر جائز آمدنی حاصل کی جائے، اور کم از کم اتنی آمدنی ضرور حاصل کر لی جائے جس سے سوسائٹی کے انتظامی اخراجات پورے کئے جاسکیں۔

ج۔ سمینار کے شرکاء میں سے متعدد علماء کی رائے یہ ہے کہ اجر الخدمۃ (Service Charge) یا انتظامی اخراجات (Operational Expenses) اگرچہ وہ ضروری اور واقعی اخراجات تک محدود ہوں، قرض خواہوں سے نہیں لئے جاسکتے، بعض علماء کی رائے میں اگرچہ یہ اصلاً جائز ہیں لیکن سود کا دروازہ کھل جانے کا خطرہ ہے، اس لئے اسے قطعی طور پر ممنوع قرار دیا جانا چاہئے۔

دیگر علماء (شرکاء سمینار) کی رائے میں اس طرح کے اداروں کا قیام مفید اور ضروری ہے، اور اگر اصحاب خیر کی طرف سے تعاون یا پیداواری ذرائع میں سرمایہ لگا کر بقدر ضرورت جائز آمدنی حاصل کر کے بھی ادارہ چلانا ممکن نہیں ہو تو ادارے کے ضروری اور حقیقی انتظامی اخراجات قرض خواہوں سے وصول کئے جاسکتے ہیں کہ اس ادائیگی کا کوئی نفع نہ سرمایہ جمع کرنے والوں کو پہنچتا ہے اور نہ ادارہ کے لئے ذریعہ آمدنی ہے۔

ان علماء کی رائے میں ان واقعی اور ضروری اخراجات کے تعین میں اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اصلاً قرض کی جو روح شریعت کے پیش نظر ہے اس کے ساتھ قرض خواہوں سے ان اخراجات کا وصول کرنا میل نہیں کھاتا، لیکن ان اخراجات کے وصول کرنے کی اجازت ناگزیر حالت کی وجہ سے دی جا رہی ہے۔ لہذا ان اخراجات کے تعین میں حد درجہ احتیاط برتی جائے۔

ضروری اور واقعی اخراجات محتاط انداز کے ساتھ متعین کئے جاسکتے ہیں لیکن اگر حسابی مدت کے پورا ہونے کے بعد یہ معلوم ہو کہ انتظامی اخراجات کی مد میں وصول کی گئی تخمینی رقم حقیقی اخراجات سے زائد ہو تو یہ زائد رقم قرض خواہوں کو وصول کئے گئے خرچ کے تناسب سے واپس کر دینا واجب ہوگا۔



☆ غیر سودی بینکنگ

کمٹی کی تفصیلی رپورٹ پیش ہوئی، اس رپورٹ کی تلخیص اردو زبان میں جناب عبدالحسید صاحب سابق ڈائریکٹر ریزرو بینک آف انڈیا اور جناب محمد حسین کھٹکھٹے نے شرکاء سمینار کے سامنے پیش کی۔

اس رپورٹ میں یہ امر واضح کیا گیا ہے کہ جب تک بینکنگ کے موجودہ قوانین میں ترمیم نہیں کی جاتی اور بینکوں کو تجارت اور صنعت میں براہ راست سرمایہ لگانے کی اجازت نہیں دی جاتی، موجودہ قانون کے تحت غیر سودی اسلامی بینک قائم نہیں کئے جاسکتے۔

رپورٹ میں متبادل کے طور پر ”انڈین کمپنیز ایکٹ“ اور ”کوآپریٹو کریڈٹ“ کے تحت اسلامی مالیاتی اداروں اور غیر سودی سوسائٹیز قائم کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔ بعض خاص حالات میں پارٹنرشپ کی گنجائش بھی ہو سکتی ہے۔

رپورٹ کی روشنی میں مضاربہ، شرکت، مراہجہ اور اجارہ جیسے اسلامی طریقہ تجارت کو نیز بینکنس کی ان خدمات کو اختیار کئے جانے کی سفارش کی گئی ہے جو سود سے پاک ہیں، جنہیں (Non Banking Services) کہا جاتا ہے۔

اس رپورٹ میں ایک ایسے مرکزی ادارہ (وفاق) کے قائم کرنے کی سفارش بھی کی گئی ہے جو اس طرح کے قائم اسلامی مالیاتی اداروں کو کنٹرول کرے، ان کے استحکام اور قابل اعتماد ہونے کے سرٹیفکیٹ جاری کرے، نیز اگر ایسے نئے مالی ادارے قائم کئے جانے کا منصوبہ ہو تو

پہلے ان کی صلاحیت کا راور قابل اعتماد ہونے کے سلسلے میں ضروری جائزہ لے اور انہیں اس سلسلے میں مفید مشورہ دے، اور ایک مالیاتی ادارہ کے منجمد سرمایہ کو دوسرے مالیاتی ادارہ کے ذریعہ مفید اور جائز کاروبار میں لگانے کا انتظام کرے۔

ساتھ ہی ساتھ یہ سفارش بھی کی گئی ہے کہ مستند علماء پر مشتمل ایک ایسا بورڈ بھی تشکیل دیا جائے جو وقتاً فوقتاً ان اسلامی مالیاتی اداروں میں اختیار کئے گئے طریق تجارت پر غور کر کے شرعی حیثیت سے رہنمائی کرے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی کے چوتھے سمینار منعقدہ ۹-۱۲ اگست بہ احاطہ دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد، میں بینکنگ کمیٹی کی اس رپورٹ کی تحسین کی گئی، اور شریک علماء وفقہاء و ماہرین کی آراء کو سننے کے بعد طے کیا گیا کہ:

۱- یہ اجلاس اس رپورٹ کو ”مجمع الفقہ الاسلامی“ کی دستاویزات کے ساتھ ریکارڈ کرنے کی ہدایت کرتا ہے اور بینکنگ کمیٹی کے ارکان کا اس جامع رپورٹ کے پیش کرنے پر شکریہ ادا کرتا ہے۔

۲- یہ سمینار طے کرتا ہے کہ علماء کا ایک بورڈ مجمع الفقہ الاسلامی کے ذریعہ تشکیل دیا جائے جو ماہرین کی طرف سے اس طرح کے اسلامی مالیاتی اداروں میں روزمرہ پیش آنے والے سوالات اور عملی مشکلات جنہیں بینکنگ کے ماہرین کی طرف سے انہیں پیش کیا جائے، وہ ان پر شرعی رائے اور فتویٰ صادر کرے، نیز مذکورہ بالا رپورٹ میں اٹھائے گئے سوالات کا فقہ اسلامی کی روشنی میں جائزہ لے کر ان کا شرعی حل پیش کرے۔

۳- سمینار یہ بھی طے کرتا ہے کہ بینکنگ اور اسلامی اقتصادیات کے ماہرین پر مشتمل ایک مستقل بورڈ تشکیل دیا جائے جو مسلسل اپنا کام جاری رکھے اور ایسے بہتر سے بہتر ممکن العمل مالیاتی اداروں کے قیام کے لئے نمونے تیار کرے جن کی بنیاد پر ایسے اداروں کا قیام عمل میں

آسكے جو مختلف مالی خدمات انجام دے سکیں، جن کی ضرورت مسلمانان ہند کو ہے، اور وہ شرعاً درست اور قانوناً قابل عمل ہوں۔

۴- یہ بھی طے کیا گیا کہ علماء کے بورڈ میں ایک یا دو بینکنگ کے ماہرین، اور ماہرین کے بورڈ میں ایک یا دو علماء کو بھی رکھا جائے۔



بینک سے جاری ہونے والے مختلف کارڈ ☆

اس سمینار میں بینک سے جاری ہونے والے مختلف کارڈ پر اس نقطہ نظر سے بحث کی گئی کہ کس صورت میں سود پایا جاتا ہے اور کس صورت میں نہیں پایا جاتا؟ کیوں کہ اسلام میں غریبوں کا استحصال ہونے کی وجہ سے سود کو حرام قرار دیا گیا ہے اور اس کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ اس پس منظر میں جو قراردادیں منظور ہوئیں وہ اس طرح ہیں:

۱۔ چونکہ معاملات میں اصل اباحت ہے، اس لئے اے ٹی ایم کارڈ جس کے ذریعہ مشین سے اپنی جمع کردہ رقم نکالی جاتی ہے، کے استعمال میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔

۲۔ ڈیبٹ کارڈ کا استعمال، اس کے ذریعہ خرید و فروخت اور ایک کھاتہ سے دوسرے کھاتہ میں رقم کی منتقلی درست اور جائز ہے۔

۳۔ اے ٹی ایم کارڈ اور ڈیبٹ کارڈ کے حصول اور استعمال کے لئے جو رقم ادا کی جاتی ہے وہ کارڈ کا معاوضہ اور سروس چارج ہے، اس لئے اس کا ادا کرنا جائز ہے۔

۴۔ کریڈٹ کارڈ کی مروج صورت چونکہ سودی معاملہ پر مشتمل ہے، لہذا کریڈٹ کارڈ یا اس قسم کے کسی کارڈ کا حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔



☆ نیٹ ورک مارکنگ

- ۱- ملٹی لیول مارکیٹنگ کی مروجہ شکلیں مختلف مفاسد کو شامل ہیں، اس میں دھوکہ، غرر، بیع کو ایک غیر متعلق چیز کے ساتھ مشروط کرنا، ایک معاملہ کو دو معاملوں سے مرکب بنادینا اور شبہ قمار وغیرہ خلاف شرع باتیں پائی جاتی ہیں، اور خریداروں کا اصل مقصد سامان خرید کرنا نہیں ہوتا ہے، بلکہ غیر معمولی کمیشن حاصل کرنا ہوتا ہے، اس لئے اس میں شرکت کرنا جائز نہیں ہے۔
- ۲- چونکہ اس میں شرکت جائز نہیں ہے، اس لئے دوسروں کو اس میں شریک کرنا اور نیچے کے ممبروں کی وساطت سے کمیشن حاصل کرنا بھی جائز نہیں ہے۔
- ۳- مسلمانوں کو اس طرح کے تمام کاروبار سے بچنا چاہئے اور کسی بھی ایسی تجارت میں شامل نہیں ہونا چاہئے، جو اسلام کے مقرر کئے ہوئے اصول تجارت سے متصادم ہو۔



☆ سولہواں فقہی سمینار (رشاد نگر، اعظم گڑھ) بتاریخ ۱۰-۱۳ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ مطابق ۳۰ مارچ -

۲۱/۲ اپریل ۲۰۰۷ء -

☆ تعلیمی قرض

تعلیم انسان کی بنیادی ضرورت ہے اور ہر علم نافع کی اسلام نے حوصلہ افزائی کی ہے، اس ضرورت کی تکمیل کے لئے فرد، سماج اور حکومت تینوں کو اپنا کردار ادا کرنا ضروری ہے، اس پس منظر میں یہ سمینار حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ:

ہمارے ملک میں تعلیم اتنی مہنگی ہو چکی ہے کہ ملک کے غریب شہریوں خاص کر مسلمانوں کی اکثریت کے لئے معاشی پسماندگی کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم کا حصول مشکل ترین امر بن گیا ہے، یہ ملک مختلف مذہبوں، زبانوں اور تہذیبوں کا گلدستہ ہے، اس میں کسی ایک طبقہ کا کچھڑ جانا یقیناً قومی ترقی کے لئے نقصان دہ ہے؛ اس لئے حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے میں اپنا موثر رول ادا کرے، اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے مسلمانوں کو بلا سودی قرض فراہم کرے، نیز تعلیم حاصل کرنے کے لئے مسلمان بچوں کو معقول اسکالرشپ فراہم کرے اور اس کے حصول کی شرائط کو آسان کرے۔
یہ اجلاس مسلمانوں کو توجہ دلاتا ہے کہ:

۱- ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم کو اولین ترجیح دیں اور اپنی آمدنی کا معقول حصہ ان کی تعلیم و تربیت پر صرف کریں۔

۲- مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنی نئی نسل کی تعلیمی ضرورتوں کے پیش نظر ملکی، ریاستی اور علاقائی سطح پر اطلاعاتی ادارہ، انجمن، سنٹر قائم کریں، جو ملک اور بیرون ملک میں اعلیٰ تعلیم کے

☆ اٹھارہواں فقہی سمینار (مدورائی، تامل ناڈو) بتاریخ ۲-۴ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۸ فروری-۲ مارچ ۲۰۰۹ء۔

مواقع اور حکومت کی تعلیمی امدادی اسکیموں سے نئی نسل کو واقف کرائیں۔

۳۔ مختلف علوم اور کورسوں کے لئے اسکالرشپ فراہم کرنے والے اداروں، تنظیموں کے مابین رابطہ اور تعاون و اطلاعات کے تبادلہ کا نظم قائم ہو؛ تاکہ طالب علموں کو اسکالرشپ کے حصول میں سہولت ہو۔

۴۔ ریاستی اور علاقائی سطح پر ایسے تعلیمی فنڈ قائم کریں، جس سے ہونہار اور ضرورت مند بچوں کی اعلیٰ تعلیم کے حصول میں مدد کی جاسکے۔

۵۔ عصری علوم کے ماہرین خصوصاً ریٹائرڈ اور پروفیشنل حضرات کو چاہئے کہ وہ اپنی معلومات اور تجربات سے نئی نسل کی موثر رہنمائی کا فریضہ انجام دیں۔

۶۔ علماء اور اصحاب ثروت کو چاہئے کہ وہ ان حضرات کی خدمات سے فائدہ اٹھانے کی منظم کوشش کریں۔

۷۔ مسلمانوں کے عصری تعلیمی ادارے، اخراجات میں ایسی سہولتیں فراہم کریں کہ ضرورت مند و باصلاحیت طلبہ ان سے بآسانی فائدہ اٹھا سکیں، بالخصوص ڈونیشن کے بھاری اور غیر شرعی بوجھ سے مسلمان طلبہ و طالبات کو آزاد کریں، کہ یہ نہ صرف غیر اسلامی؛ بلکہ غیر انسانی طرز عمل بھی ہے۔

یہ اجلاس مسلمان طلبہ و طالبات کو تلقین کرتا ہے کہ:

۱۔ علم مؤمن کی متاع گم گشتہ ہے؛ لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ پروفیشنل علوم کو انسانی خدمت کے جذبہ سے حاصل کریں۔

۲۔ مسلمان طلبہ و طالبات کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی دینی پہچان کے ساتھ محنت اور تعلیمی مسابقت کو اپنا شعار بنائیں۔

۳- اپنے تعلیمی اخراجات کی تکمیل کے لئے حسب ضرورت اسکا لرشپ اور غیر سودی قرض حاصل کرنے اور اپنی تعلیم مکمل کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

۴- جس طرح سود کا لینا حرام ہے، اسی طرح شریعت نے سودی قرض لینے اور سود ادا کرنے کو بھی حرام قرار دیا ہے؛ اس لئے بنیادی طور پر تعلیم کے لئے سودی قرض حاصل کرنا جائز نہیں؛ البتہ اگر کسی کے پاس مالی گنجائش نہ ہو، غیر سودی قرض نہ مل پائے اور اس کے مطلوبہ تعلیم سے محروم رہ جانے کا اندیشہ ہو تو ایسے طلبہ کو چاہئے کہ کسی معتبر مفتی کے سامنے اپنے حالات رکھ کر ان کے مشورہ پر عمل کریں۔



☆ خواتین کی ملازمت

۱- یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام خاندانی نظام کے استحکام کو بڑی اہمیت دیتا ہے؛ چنانچہ اس مقصد کے پیش نظر اس نے مردوں و عورتوں کی ذمہ داریوں میں تقسیم کار سے کام لیا ہے کہ گھر سے باہر کی ذمہ داریاں --- جن میں کسبِ معاش کی تگ و دو بھی داخل ہے --- مردوں سے متعلق ہوں گی اور گھر کے اندر کے امور عورتوں سے متعلق ہوں گے، یہ وہ بہترین تقسیم کار ہے، جو مسلم معاشرہ میں آج بھی بڑی حد تک خاندانی استحکام کو باقی رکھے ہوئے ہے؛ اسلئے کسبِ معاش بنیادی طور پر مردوں کی ذمہ داری ہے نہ کہ عورتوں کی، عورتوں کو بلا ضرورت آزادی و ترقی کے نام پر کسبِ معاش پر مجبور کر دینا ایک سماجی ظلم ہے، کہ عورتیں بچوں کی پرورش و نگہداشت اور امور خانہ داری وغیرہ اپنے منصبی فرائض بھی انجام دیں اور اس دوڑ دھوپ میں بھی مردوں کی شریک ہوں۔

۲- عام حالات میں شریعت نے خواتین پر کسبِ معاش کی ذمہ داری نہیں رکھی ہے؛ لیکن شرعی حدود میں رہتے ہوئے ان کے لئے کسبِ معاش مباح ہے۔

۳- شریعت نے اصولی طور پر خواتین پر نفقہ کی ذمہ داری نہیں رکھی ہے؛ البتہ بعض حالات میں ان پر نفقہ کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔

۴- شرعی حدود و شرائط کا پورا پورا لحاظ کرتے ہوئے عورت کے لئے معاشی جدوجہد

جائز ہے۔

☆ اٹھارہواں فقہی سمینار (مدورائی، تامل ناڈو) بتاریخ ۲-۴ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۸ فروری-۲ مارچ ۲۰۰۹ء۔

۵- عورت کے اندرون خانہ کسب معاش کے لئے کوئی صورت اختیار کرنے کی اجازت ہے؛ بشرطیکہ اس سے شوہر اور بچوں کے حقوق متاثر نہ ہوں۔

۶- الف- شوہر یا ولی اگر عورت کی کفالت کر رہے ہوں، تو ہر عورت کے لئے کسب معاش کی غرض سے گھر سے باہر جانے کے لئے ان کی اجازت ضروری ہے، خواہ وہ جگہ مسافت سفر سے کم ہو یا اس سے زیادہ۔

ب- رات میں کسب معاش کی خاطر عورت کے باہر نکلنے کے لئے شوہر یا محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔

۷- خواتین کسب معاش کے لئے گھر سے باہر نکلیں تو درج ذیل امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

الف- ولی یا شوہر کی اجازت شامل ہو، سوائے اس کے کہ ولی یا شوہر نفقہ نہ دیتا ہو اور اس کے لئے خود کسب معاش کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔

ب- شرعی پردہ کی مکمل رعایت ہو۔

ج- لباس مردوں کے لئے باعث کشش نہ ہو۔

د- خوشبو کے استعمال سے پرہیز ہو۔

ه- مردوں سے اختلاط بالکل نہ ہو۔

و- اجنبی مرد کے ساتھ تنہائی کی نوبت نہ آئے۔

ز- شوہر اور بچوں کے حقوق سے بے اعتنائی نہ ہو۔

۸- ملازمت کرنے والی خواتین ایسے اداروں میں کام کریں، جہاں خواتین ہی

خدمت انجام دیتی ہوں؛ لیکن ادارہ کے ذمہ دار مرد ہوں، تو اس صورت میں ضروری ہوگا کہ ادارہ کا کوئی مرد تنہائی میں کسی خاتون کا رکن سے بات نہ کرے، اگر ذمہ دار مردوں کے ساتھ تبادلہ خیال

کی ضرورت ہو تو خواتین پردہ کے اہتمام کے ساتھ بیٹھیں، اپنی آواز میں لوچ سے پرہیز کریں، اسی طرح خواتین کا رکن ذمہ دار مردوں کے ساتھ ہنسی مذاق اور بے تکلفی کا ماحول ہرگز نہ بنائیں۔

۹- جوان عورتوں کے لئے ایسے اداروں میں کام کرنا جائز نہیں، جہاں ان کے ساتھ مرد کا رکن بھی شریک کار ہوں۔

۱۰- ملازمت کی غرض سے عورت کا اپنے گھر اور اپنے اقارب سے دور تنہا مستقل قیام کرنا جائز نہیں، اگر کسی عورت کے ساتھ بہت مجبوری ہو تو پھر وہ مفتی سے رابطہ کر کے اپنی مشکل کا حل تلاش کر سکتی ہے۔

۱۱- سمینار حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ خواتین کے لئے رات کی ڈیوٹی کو ممنوع قرار دیا جائے؛ کیوں کہ رات کے وقت ڈیوٹی کے لئے جائے ملازمت تک جانا یا جائے ملازمت پر قیام کرنا ان کی جان و ناموس کے تحفظ کے لئے خطرہ ہے اور یہ ہمارے ملک کے معاشرتی اقدار کے بھی مغائر ہے۔

۱۲- سمینار حکومت، تعلیمی و رفاہی اداروں اور خاص کر مسلمان انتظامیہ سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ لڑکیوں کی تعلیم کے لئے الگ درسگاہیں اور خواتین کے لئے الگ ہسپتال، اسی طرح شعبہ ہائے زندگی میں عورتوں کے لئے علاحدہ کاؤنٹرز قائم کریں؛ تاکہ خواتین اور لڑکیاں پاکیزہ اخلاقی ماحول میں تعلیم و علاج وغیرہ کی خدمات سے فائدہ اٹھا سکیں اور ضرورت مند خواتین کے لئے روزگار کے مواقع بھی بڑھیں۔



☆ موجودہ کرنسی کی شرعی حیثیت

۱- مؤخر مطالبات اور بقایا جات کو قیمتوں کے اشاریہ یا سونے چاندی کی قیمت سے مربوط کرنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ اشاریہ دقیق فنی اصولوں اور ظن و تخمین پر مبنی ہونے کی وجہ سے ناقابل عمل بھی ہے اور سخت نزاع کا باعث ہو سکتا ہے، نیز دونوں صورتوں میں ربا کا دروازہ بھی کھل سکتا ہے۔

۲- بہتر ہے کہ مہر مؤجل سونے یا چاندی میں مقرر کیا جائے جیسا کہ اس سے پہلے بھی اکیڈمی فیصلہ کر چکی ہے، ایسی صورت میں بوقت ادائیگی مقررہ مقدار میں سونا یا چاندی ادا کرنا ہوگا، اور اگر اس وقت دونوں فریق اتنی مقدار سونا یا چاندی کی قیمت کے پیسوں کی ادائیگی پر اتفاق کر لیں تو یہ بھی جائز ہے، یہی حکم اس وقت بھی ہوگا جبکہ کسی شے کی اجرت یا قیمت سونے یا چاندی میں طے کی جائے۔



☆ تورق کا مسئلہ

بعض دفعہ انسان کو نقد رقم کی ضرورت ہوتی ہے اور اسے کوئی قرض دینے والا نہیں ملتا، لہذا وہ شخص کوئی مال ادھار زیادہ قیمت پر خرید کر کسی تیسرے شخص کے ہاتھ نقد کم قیمت پر فروخت کر دیتا ہے تاکہ اسے نقد رقم حاصل ہو جائے، یہ صورت دور قدیم سے رائج ہے، فقہاء حنابلہ کے یہاں اس صورت مسئلہ کے لئے ”تورق“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جمہور فقہاء کے نزدیک دو علیحدہ عقد ہونے کی بنا پر یہ صورت جائز ہے۔ دور حاضر میں بعض اسلامی بینک اور مالیاتی ادارے تورق کے نام سے بعض معاملات کرتے ہیں جن کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے، اس پس منظر میں سمینار میں غور و خوض اور بحث و مباحثہ کے بعد درج ذیل قراردادیں طے پائیں:

۱- اگر اسلامی بینک یا کوئی اور مالیاتی ادارہ قرض لینے والے کے ہاتھ سامان زیادہ قیمت میں ادھار فروخت کر کے کم قیمت میں خود ہی یا اس کا کوئی ذیلی ادارہ خریدتا ہے تو یہ ناجائز ہے۔

۲- اگر بینک حقیقت میں خرید و فروخت نہیں کرتا بلکہ یہ صرف کاغذی کارروائی ہوتی ہے تو یہ بھی شرعاً ناجائز ہے۔

۳- اگر اسلامی بینک قرض لینے والے کے ہاتھ اپنا کوئی سامان زائد قیمت میں ادھار فروخت کر کے بے تعلق ہو جائے اور خریدار اس سامان کو قبضہ میں لینے کے بعد اپنے طور پر کسی ایسے شخص کے ہاتھ کم قیمت میں نقد فروخت کر دے جس کا اس بینک سے اس معاملہ میں کوئی تجارتی تعلق نہ ہو تو یہ صورت جائز و درست ہوگی۔



کاروبار میں والد کے ساتھ اولاد کی شرکت ☆

۱- شریعت اسلامیہ نے مسلمانوں کو معاملات کی صفائی کی طرف خاص توجہ دلائی ہے، اس لئے مسلمان اپنی معاشرت میں معاملات کی صفائی کا خاص اہتمام کریں، خصوصاً تجارت اور کاروبار میں اس کی اہمیت بہت ہی زیادہ ہے۔ ایک شخص تجارت کر رہا ہے، اور اس کی اولاد بھی اس کاروبار میں شریک ہے تو جو بیٹے باپ کے ساتھ کاروبار میں شریک ہو رہے ہیں، ان کی حیثیت (شریک، اجیر یا معاون کے طور پر) شروع سے متعین ہو جائے، تو خاندانوں میں ملکیت کے اعتبار سے جو نزاعات ہوتے ہیں ان کا بڑی حد تک سدّ باب ہو جائے گا، اس لئے اس طرح کے معاملات میں پہلے سے حیثیت متعین کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

۲- اگر والد نے اپنے سرمائے سے کاروبار شروع کیا، بعد میں اس کے لڑکوں میں سے بعض شریک کار ہو گئے، مگر الگ سے انھوں نے اپنا کوئی سرمایہ نہیں لگایا اور والد نے ایسے لڑکوں کی کوئی حیثیت متعین نہیں کی، تو اگر وہ لڑکے باپ کی کفالت میں ہیں تو اس صورت میں وہ لڑکے والد کے معاون شمار کئے جائیں گے، اور اگر باپ کی زیر کفالت نہیں ہیں تو عرفاً جو اجرت عمل ہو سکتی ہے وہ ان کو دی جائے۔

۳- اگر والد کے ساتھ بیٹوں نے بھی کاروبار میں سرمایہ لگایا ہو اور سب کا سرمایہ معلوم ہو کہ کس نے کتنا لگایا ہے تو ایسے بیٹوں کی حیثیت باپ کے شریک کی ہوگی، اور سرمائے کی مقدار کے تناسب سے شرکت مانی جائے گی، سوائے اس کے کہ سرمایہ لگانے والے بیٹے کی نیت والد

☆ انیسواں فقہی سمینار (ہانسوٹ، گجرات) بتاریخ ۲۷ تا ۳۰ صفر المظفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۲ تا ۱۵ فروری ۲۰۱۰ء۔

کے یا مشترکہ کاروبار کے تعاون کی ہو شرکت کی نہیں۔

۴- اگر کاروبار کسی لڑکے نے اپنے ہی سرمائے سے شروع کیا ہو لیکن بہ طور احترام دوکان پر والد کو بٹھایا ہو یا اپنے والد کے نام پر دوکان کا نام رکھا ہو تو اس صورت میں کاروبار کا مالک لڑکا ہوگا، والد کو دوکان پر بٹھانے یا ان کے نام پر دوکان کا نام رکھنے سے کاروبار میں والد کی ملکیت و شرکت ثابت نہ ہوگی۔

۵- باپ کی موجودگی میں اگر بیٹوں نے اپنے طور پر مختلف ذرائع کسب اختیار کئے اور اپنی کمائی کا ایک حصہ والد کے حوالے کرتے رہے تو اس صورت میں باپ کو ادا کردہ سرمایہ باپ کی ملکیت شمار کی جائے گی۔

۶- اگر کسی وجہ سے والد کا کاروبار ختم ہو گیا لیکن کاروبار کی جگہ باقی ہو، خواہ وہ جگہ مملوکہ ہو یا کرائے پر حاصل کی گئی ہو، اور اولاد میں سے کسی نے اپنا سرمایہ لگا کر اسی جگہ اور اسی نام سے دوبارہ کاروبار شروع کیا تو اس صورت میں جس نے سرمایہ لگا کر کاروبار شروع کیا، کاروبار اس کی ملکیت ہوگی، والد کی ملکیت نہیں ہوگی، لیکن وہ جگہ (خواہ مملوکہ ہو یا کرایہ پر لی گئی ہو) دوبارہ کاروبار شروع کرنے والے کی نہیں بلکہ اس کے والد کی ہوگی، اور والد کی وفات کی صورت میں اس میں تمام ورثہ کا حق ہوگا، اور اسی طرح کاروبار کا گڈول بھی باپ کا حق ہے اور اس کی وفات کے بعد تمام ورثہ کا حق ہوگا۔

۷- اس موضوع سے متعلق سماج میں پیش آنے والے مختلف مسائل ہیں جن کو واضح کرنے اور عام مسلمانوں کو ان سے واقف کرانے کی ضرورت ہے؛ اس لئے یہ اجتماع اکیڈمی سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اس سلسلہ میں ایک مفصل رہنما تحریر تیار کرے اور ان میں جو مسائل قابل تحقیق ہوں حسب گنجائش آئندہ منعقد ہونے والے سمیناروں میں انہیں اجتماعی غور و فکر کے ذریعہ طے کرے۔

۸- ائمہ و خطباء اور علماء کرام سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقے میں معاملات کی صفائی کے سلسلے میں ذہن سازی کریں، اور شرکت و میراث وغیرہ کے جو شرعی اصول و احکام ہیں ان سے ان کو آگاہ کریں، خاص طور پر والدین، اولاد، بھائیوں اور میاں بیوی کے درمیان شرکت کے مسائل سے واقف کرائیں۔



مختلف النوع ملازمتیں ☆

۱- الف: فوج کا بنیادی مقصد ملک کی سرحدوں کی حفاظت اور غیر معمولی حالات میں امن و امان کا قیام ہے، یہ دونوں مقاصد شریعت اسلامیہ میں بھی مطلوب ہیں، اس لیے مصلحت عامہ کے پیش نظر فوج کی ملازمت مسلمانوں کے لیے جائز ہے، البتہ حتی الامکان غیر شرعی اقدام سے احتراز ضروری ہے۔

ب- پولیس کا محکمہ بھی دراصل امن و امان قائم کرنے اور شہریوں کی جان و مال کی حفاظت کے لیے ہوتا ہے اس لئے اس کی بھی ملازمت جائز ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ اپنے فرض کی انجام دہی کے لئے کسی طرح کا ظلم و ستم وغیرہ نہ کیا جائے۔

ج- ملک کی سلامتی، امن و امان کے قیام اور جرائم کی روک تھام کے لیے انٹیلی جینس کی ملازمت درست ہے، البتہ ہر ایسے طریقہ کار سے اجتناب لازم ہے جو غیر شرعی اور حقوق انسانی کے خلاف ہو۔

د- عدلیہ کا مقصد انصاف کی فراہمی اور ظلم و حق تلفی کی روک تھام ہے، لہذا عدلیہ کی ملازمت درست ہے۔

ه- حکومت کی طرف سے رعایا کی فلاح و بہبود کی غرض سے مختلف ٹیکس عائد کئے جاتے ہیں اور ان کے لیے محکمے و ادارے قائم ہیں ایسے اداروں کی ملازمت شرعی حدود کا لحاظ کرتے ہوئے جائز ہے۔

☆ بیسواں فقہی سمینار (راپور، یوپی) بتاریخ: ۲۹ ربیع الاول - ۱ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ مطابق ۵-۷ مارچ ۲۰۱۱ء۔

۲- الف: بینک کا بنیادی کام سودی لین دین کا ہے اس لیے اصولی طور پر بینک یا کسی سودی کاروبار کے ادارے کی ملازمت جائز نہیں ہے۔

ب- بینک کی ایسی ملازمت جس کا تعلق براہ راست سودی معاملات (سود کے لکھنے اور لینے دینے وغیرہ) سے نہ ہو ایسی ملازمت کی گنجائش ہے، اور اس سے بھی بچنا بہتر ہے۔

ج- بینک کے لئے عمارت وغیرہ کا کرایہ پر دینا مکروہ ہے۔

د- انشورنس کمپنیاں عام طور سے سود و قمار کا کام کرتی ہیں لہذا ایسی کمپنیاں جن میں سود و قمار یا کسی ایک کا نظام ہو ان کی ملازمت جائز نہیں ہے۔

ھ- انشورنس کی وہ کمپنیاں جن کا نظام سود و قمار سے پاک ہو ان کی ملازمت درست ہے کہ جان و مال کی حفاظت اسلام کے مقاصد میں سے ہے۔

و- شراب سازی کے کام و کارخانہ میں کسی طرح کی بھی ملازمت ناجائز ہے۔

ز- ایسی اشیاء جن کا استعمال شراب سازی کے لیے کیا جاسکتا ہے ان کا شراب سازی کا کام کرنے والوں کے ہاتھوں فروخت کرنا اور ایسے کاموں کی ملازمت کی گنجائش ہے مگر اس سے بچنا بہتر ہے۔

۳- الف- ایسے سوپر مارکیٹ کی ملازمت جس میں شراب کے علاوہ اکثر جائز اشیاء فروخت ہوتی ہوں اور ملازمت کا تعلق براہ راست شراب سے نہ ہو تو ایسی ملازمت جائز ہے۔

ب- اسلامی نقطہ نظر سے مخلوط تعلیمی نظام درست نہیں ہے؛ البتہ جہاں جداگانہ تعلیمی نظام کی سہولت نہ ہو وہاں ضرورتاً اس سے استفادہ کی گنجائش ہے، اور مخلوط تعلیم گاہ نیز جہاں صنف مخالف کو تعلیم دینے کی نوبت آئے وہاں تدریسی ملازمت کی گنجائش ہے البتہ شرعی حدود و ہدایات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

ج- یہ سمینار مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ ایسے تعلیمی ادارے قائم کریں جو

جداگانہ نظام پر مبنی ہوں اور ان میں شرعی حدود و احکام کی پوری رعایت ہو، نیز تعلیم و تربیت کے لحاظ سے بھی اعلیٰ معیار کو پورا کرتے ہوں؛ تاکہ مسلمان طلبہ و طالبات ان مفاسد سے بچتے ہوئے تعلیم حاصل کر سکیں جو آہستہ آہستہ عصری تعلیمی اداروں کا حصہ بنتے جا رہے ہیں۔

د- پیشہ وکالت فی نفسہ جائز ہے؛ البتہ غلط مقدمات کی پیروی اور صاحب حق کی حق تلفی کے لیے وکالت اور کذب بیانی وغیرہ جائز نہیں ہے۔

ھ- طبابت (ڈاکٹری) انسانی خدمات اور آمدنی کا بہترین ذریعہ ہے، طبیب کا بطور ملازمت کسی اسپتال میں اجرت پر کام کرنا اور علاج کرنا جائز ہے۔

و- بلا ضرورت کسی مریض کا ٹسٹ کرانا، آپریشن تجویز کرنا یا کسی دوا کا دینا محض اضافہ آمدنی کے لیے جائز نہیں ہے، ایسا کرنا خیانت اور بددیانتی ہوگی اور اس طور پر حاصل کیا ہوا مال جائز نہیں ہوگا۔

۲- مرد مریض کے لیے مرد معالج اور خاتون مریض کے لیے خاتون معالج ہونا چاہئے؛ البتہ ضرورت کے موقع پر صنف مخالف کا علاج کیا جاسکتا ہے۔

۳- بلا ضرورت کسی کے جسم کے ایسے حصے پر نظر کرنا یا مس کرنا جو ستر میں داخل ہے، جائز نہیں ہے؛ البتہ بوقت ضرورت معالج کے لیے مریض کے ایسے قابل ستر حصہ کو جس کا تعلق مرض سے ہے، بقدر ضرورت دیکھنا اور چھونا جائز ہے۔

۴- ہوٹل کی ملازمت فی نفسہ جائز ہے۔ ہوٹل میں قیام کرنے والے اشخاص کا اپنے طور پر اس میں محرمات کا استعمال ہوٹل مالک کے لیے حاصل ہونے والے کرایہ پر اثر انداز نہیں ہوگا، اس کی اجرت اور کرایہ جائز ہے۔

۵- ہوٹل مالک یا اس کے کسی ملازم کے ذریعہ محرمات کی فراہمی تعاون علی الاثم براہ راست شمار ہوگی اور اس پر اجرت لینا جائز نہیں ہوگا۔

☆ اسلامی تکافل

اسلامک فقہ اکیڈمی کے اکیسویں فقہی سمینار (۳-۵ مارچ ۲۰۱۲ء) منعقدہ جامعہ اسلامیہ بخاری میں غور و خوض اور تبادلہ خیال کے بعد درج ذیل امور باتفاق رائے طے ہوئے:

انسانی زندگی خطرات سے گھری ہوئی ہے، خاص طور سے صنعتی انقلاب کے بعد جہاں معاشی ترقی کے وسیع تر مواقع پیدا ہوئے اور انسان کے لئے آسانیاں بڑھیں وہیں مشینی انقلاب نے خطرات میں بھی اضافہ کیا۔ انسان فطری طور پر چاہتا ہے کہ ممکنہ تدابیر و اسباب کے ذریعہ ایسی پیش بندی کی جائے کہ خطرات سے ممکن حد تک اس کا تحفظ ہو، اور اگر کوئی حادثہ پیش ہی آجائے تو وہ اس کے لئے مالی طور پر ناقابل برداشت نہ رہے۔

شریعت اسلامیہ انسان کی اس فطری خواہش کو نظر انداز نہیں کرتی، بلکہ اسلام میں مستقبل کی پیش بندی اور ممکنہ خطرات سے تحفظ کی تدابیر کرنے کی پوری گنجائش موجود ہے۔ قرآن و حدیث میں اجتماعی تعاون، امداد باہم، اور تبرع و ایثار کی واضح ہدایات موجود ہیں، شریعت میں خطرات کی تقسیم و تخفیف کا تصور بھی ملتا ہے، جس سے ایک فرد کا نقصان پوری جماعت میں تقسیم ہو جائے اور فرد کے لئے اس کو برداشت کرنا آسان ہو جائے۔

اسلامی تکافل کی بنیاد دراصل انہی تصورات پر قائم ہے، جس میں ہر شریک کے لئے بہتر مستقبل کی پیش بندی کی جاتی ہے، اور ممکنہ خطرات سے تحفظ کا سامان کیا جاتا ہے، اس بنا پر یہ سمینار محسوس کرتا ہے کہ تکافل کو مفاسد سے

☆ اکیسواں فقہی سمینار (اندور، یوپی) بتاریخ ۹-۱۱ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ مطابق ۳-۵ مارچ ۲۰۱۲ء۔

بچاتے ہوئے مضبوط شرعی بنیادوں پر مستحکم کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ جو لوگ ان مقاصد کے حصول کے لئے مروجہ غیر اسلامی انشورنس کمپنیوں اور سود و قمار پر مبنی اداروں کی طرف رجوع کرتے ہیں، ان کو صحیح اسلامی متبادل فراہم کیا جائے۔

۱- تکافل کی سب سے بہتر اور شریعت کے اصول و مقاصد سے ہم آہنگ صورت یہ ہے کہ اس کی بنیاد خالصتاً تعاون پر ہو، اور ممبروں کے لئے سرمایہ کاری کے ذریعہ نفع حاصل کرنے کو اس کے ساتھ جوڑا نہ جائے۔

۲- اسلامی تکافل کی تشکیل کے لئے تین شرعی اساس موجود ہیں: ہبہ بالعوض، التزام بالتبرع یا وعدہ ہبہ، اور وقف۔ مختلف قانونی احوال و ظروف میں ان میں سے کسی کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

۳- تکافل کی مختلف صورتوں کے مروجہ طریقہ کار کا جائزہ لینے اور اس سلسلہ میں تفصیلی ہدایات مرتب کرنے کے لئے اکیڈمی عنقریب ایک کمیٹی تشکیل کرے گی جس میں کم از کم پانچ علماء نیز انشورنس، مالیات اور قانون سے متعلق تین ماہرین شامل ہوں، جو عمومی طور پر اس مسئلہ میں غور کریں اور ہندوستان کے قانون کے پس منظر میں بھی قابل عمل صورت کی نشاندہی کریں۔

۴- تکافل کی جو بھی صورت اختیار کی جائے یہ ضروری ہے کہ تمام امور کی نگرانی کے لئے انتظامی کمیٹی کے علاوہ ایک شرعی نگران بورڈ بھی قائم کیا جائے جس کو تمام معاملات کے دیکھنے کا پورا اختیار ہو اور اس کا فیصلہ کمپنی کے لئے ہر حال میں واجب العمل ہو۔

۵- یہ سمینار اپیل کرتا ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ مصیبت زدہ افراد کی اعانت کے لئے اوقاف قائم کریں، امداد باہمی کی انجمنوں کو وجود میں لائیں، اور مختلف اداروں، کمپنیوں اور پیشوں سے مربوط افراد باہمی تعاون کے ایسے نظام کو فروغ دیں کہ حادثات سے دوچار ہونے والے ساتھیوں کے نقصانات کی تلافی ہو سکے، اور معاونین اجر و ثواب کے لئے اس کام کو انجام دیں۔

۶- اسلامک فقہ اکیڈمی حکومت ہند سے مطالبہ کرتی ہے کہ ربا و قمار سے پاک تکافل کمپنی اور مالیاتی ادارے کے قیام میں تعاون فراہم کرے اور قانونی رکاوٹوں کو دور کرے۔

بیع الوفا☆

۱- بیع وفا کے موضوع پر تمام مقالات، تحریروں اور بحث و مباحثہ کے بعد شرکاء سمینار کا احساس ہے کہ ہمارے معاشرہ سے باہمی تعاون اور قرض حسنہ کا جذبہ کم اور قرض کی واپسی میں ٹال مٹول کا مزاج بڑھتا جا رہا ہے، اس لیے سمینار امت مسلمہ سے اپیل کرتا ہے کہ قرض حسنہ کی جو فضیلت ہے اس کو حاصل کرنے اور قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول کی قباحت سے بچنے کی فکر پیدا کی جائے، ساتھ ہی ساتھ شریعت اسلامی سے اس بارے میں جو رہنمائی ملتی ہے اس پر عمل کیا جائے۔

۲- شریعت میں رہن کا مقصد قرض کی وصولیابی کو یقینی بنانا ہے، لہذا قرض دہندہ کے لیے مال مرہون سے استفادہ کرنا جائز نہیں، یہ غریبوں کا استحصال اور سود خوری کا ایک ذریعہ ہے۔

۳- اگر قرض دہندہ مال مرہون سے فائدہ اٹھائے تو انتفاع کے بقدر رقم قرض سے منہا ہوتی جائے گی، یہاں تک کہ اگر قرض کی پوری رقم کے بقدر انتفاع کر چکا ہو تو مال مرہون بغیر کسی مطالبہ کے مقروض کو واپس کرنا واجب ہوگا۔

۴- اگر کوئی شخص سخت ضرورت مند ہو، اس کو نہ قرض حسن ملے اور نہ ہی رہن پر قرض ملے اور وہ نقد رقم حاصل کرنے کے لیے اپنی کوئی چیز کسی کے ہاتھ فروخت کرتا ہے، جب کہ اس کا ارادہ ہو کہ بعد میں اس کو دوبارہ خرید لے گا تو اس کی گنجائش ہے، البتہ واپس خریداری کا ذکر اس معاملے کے کرنے کے درمیان نہ کیا جائے؛ بلکہ اس سے الگ باہمی معاہدہ ہو جائے کہ خریدار

اسے اسی قیمت پر دوبارہ بائع کو فروخت کر دے گا تو ایسا کرنا درست ہوگا، اس صورت میں کہ خریدار کے لیے بیع سے نفع اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، بعض فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، تاہم اس سے احتیاط کرنا بہتر ہے۔

۵۔ کسی بھی جائداد۔ دکان و مکان۔ کو کرایہ پر لین دین کے لیے ضمانت کے نام سے لی جانے والی رقم شرعاً قرض کے حکم میں ہے۔

۶۔ قرض کی بنا پر کرایہ میں مروجہ اجرت کے مقابلہ میں غیر معمولی کمی (غبن فاحش) ”کل قرض جو نفعاً فہو حرام“ کے تحت ناجائز ہے۔



☆ صکوک

موجودہ دور میں جو مالیاتی ادارے قائم ہوئے ہیں، ان میں سے بعض انسانی ضرورتیں اور معاشی مصلحتیں متعلق ہیں، نیز اپنے بنیادی مقاصد کے اعتبار سے وہ شریعت اسلامی کے مزاج و مذاق سے متصادم نہیں ہیں؛ لیکن ان کے لئے ایسا طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے جس میں شرعی نقطہ نظر سے بعض مفاسد داخل ہو گئے ہیں، علماء اسلام کا فریضہ ہے کہ وہ ان کا ایسا متبادل پیش کریں، جو اپنے طریقہ کار کے اعتبار سے بھی شریعت اسلامی سے ہم آہنگ ہوں، اسی طرح کی ایک کوشش اسلامی مالیاتی اداروں نے سود پر مبنی باؤنڈز کے مقابلہ ”صکوک“ کی صورت میں کی ہے، جس کی بنیاد مختلف شرعی عقود پر رکھی گئی ہے؛ تاہم اس کی صورت میں بہت تنوع ہے اور شرکاء سمینار کا احساس ہے کہ صورت مسئلہ کو مزید سمجھنے اور اس پر حکم شرعی کی تطبیق کے سلسلہ میں مزید غور کرنے کی ضرورت ہے، اس لئے ”تجویز کمیٹی“ کی رپورٹ کو ریکارڈ کیا جاتا ہے اور اس مسئلہ کو مستقبل کے لئے موقوف رکھا جاتا ہے۔



ہبہ سے متعلق مسائل ☆

- ۱- ہبہ کرنے والے کو چاہئے کہ جو شئی ہبہ کرنی ہو، اگر وہ قابل تقسیم ہو تو اسے تقسیم کر کے ہبہ کرے۔
- ۲- اگر مشاع یعنی مشترکہ چیز کو ہبہ کیا جائے تو اگرچہ قیمت و اہمیت کے لحاظ سے اس کے مختلف حصوں کی حیثیت میں فرق ہو، لیکن اس کی تقسیم اور قبضہ کے سلسلہ میں ان لوگوں کے درمیان کوئی باہمی نزاع نہ ہو جن کو ہبہ کی گئی ہے تو یہ ہبہ درست ہے۔
- ۳- ہبہ کے مکمل ہونے کے لئے کہ شرط ہے کہ جس کو ہبہ کیا گیا ہو وہ اس پر قبضہ بھی کر لے۔
- ۴- جس کو ہبہ کیا گیا ہے، اگر وہ ہبہ کرنے کے وقت نابالغ ہو اور اس کی طرف سے ولی قبضہ کر لے تو کافی ہے۔ بالغ ہونے کے بعد دوبارہ قبضہ کی ضرورت نہیں۔



عقد استصناع (آرڈر پر سامان تیار کرانے کا معاملہ) سے متعلق مسائل ☆

۱- عقد استصناع اصلاً بیع ہے اور یہ ہر اس چھوٹی بڑی منقول اور غیر منقول چیز میں جائز ہے جن میں مندرجہ ذیل شرائط پائی جائیں:

(الف) وہ چیز قابل صنعت ہو۔

(ب) وہ چیز اس لائق ہو کہ مقدار، وصف، وزن اور سائز وغیرہ کے ذریعہ اس کو متعین کیا جاسکتا ہو۔

(ج) اس چیز کی تیاری میں میٹرل صانع (آرڈر لینے والے) کی طرف سے ہو۔

(د) اس میں استصناع (آرڈر پر خرید و فروخت) کا تعامل اور رواج ہو۔

(س) عقد کے وقت اس چیز کی جنس، نوعیت، وزن، سائز، ڈیزائن اور دیگر مطلوبہ صفات کی وضاحت اس طرح کر دی جائے کہ کوئی ابہام باقی نہ رہے۔

۲- عقد استصناع کے بعد فریقین معاملہ کے پابند ہوں گے اور کسی فریق کو دوسرے فریق کی رضا کے بغیر معاملہ کو فسخ کرنے کا حق و اختیار حاصل نہ ہوگا۔

۳- صانع (آرڈر قبول کرنے والے) کو اختیار ہوگا کہ وہ سامان خود تیار کرے یا دوسرے سے تیار کرائے، البتہ مُسْتَصْنِع یعنی آرڈر دینے والا اس شے کے حاصل ہونے سے پہلے کسی دوسرے کے ہاتھ نہیں فروخت کر سکتا۔

☆ تنیسواں فقہی سمینار (جبوسر، گجرات) بتاریخ: ۲۸، ۲۹ ربیع الثانی و یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ مطابق ۱-۳ مارچ ۲۰۱۴ء۔

۴- عقد استصناع میں آرڈر قبول کرنے والے کے لیے بیعانہ کی رقم سے اپنے حقیقی نقصان کی تلافی کرنا درست ہے۔

۵- عقد استصناع میں بیع کی حوالگی کی مقررہ تاریخ کی پابندی نہ کرنے کی صورت میں آرڈر دینے والے کو ہونے والے حقیقی نقصان کی تلافی کے لیے فریقین عقد کے وقت اگر کسی شرط پر اتفاق کر چکے ہوں تو اس کے پابند ہوں گے۔



سرکاری اسکیموں سے استفادہ ☆

- ۱- وہ سرکاری قرضے جن کا کچھ حصہ معاف کر دیا جاتا ہے، اور لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑتا ہے ایسے قرضوں کا لینا جائز ہے۔
- ۲- وہ قرضے جن میں ایک مقررہ مدت کے اندر واپس کرنے پر معافی ہوتی ہے ورنہ پوری رقم ادا کرنی پڑتی ہے، ایسے قرضوں کا لینا بھی درست ہے۔
- ۳- وہ قرضے جن میں مقررہ مدت کے بعد قرض واپس کرنے پر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم بھی ادا کرنی پڑے ایسے قرضے بلا ضرورت شدیدہ لینا جائز نہیں ہے۔
- ۴- وہ قرضے جن کی واپسی پر اصل سے زائد رقم ادا کرنی پڑتی ہو وہ ناجائز ہے البتہ اگر وہ دیندار ماہرین کی رائے کے مطابق اس جیسے عمل کے لئے واقعی سروس چارج کھلانے کے لائق ہو اور کسی طرح بھی سود لینے کا حیلہ نہ ہو تو لینے کی گنجائش ہے۔
- (نوٹ: قرض پر زائد رقم کا حصول اگرچہ قلیل و معمولی ہو درست نہیں، سروس چارج کا معاملہ الگ ہونا چاہئے: خورشید احمد اعظمی)
- ۵- قرض پر لی جانے والی زائد رقم کا اوسط معمولی نہ ہو کہ جس کو انتظامی خرچ پر محمول کیا جاسکے وہ رقم سود ہے اور عام حالات میں ایسا قرض لینا جائز نہیں ہے۔
- ۶- مکان یا بیت الخلاء کی تعمیر یا تعلیمی ضروریات وغیرہ کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے امداد کے طور پر جو رقم ملتی ہے اس کو حاصل کرنا اور اس کا استعمال کرنا درست ہے۔

۷۔ گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی رقوم حاصل کرنے میں اگر کسی کو واسطہ بنایا جائے جو ان کے حصول کے لئے تگ و دو اور جدوجہد کرتا ہے تو اس کو بہ طور مختانہ مقررہ اجرت کا لین دین درست ہے۔

۸۔ امدادی رقوم یا قرض حاصل کرنے کے لئے جو شرائط و معیارات حکومت کی طرف سے متعین ہوں اس سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لینا اور غلط طریقہ پر امداد یا قرض حاصل کرنا درست نہیں ہے۔

۹۔ تعلیم یا کسی اور مقصد کے لئے حکومت عوام کو بینک سے قرض دلائے اور اس پر عائد ہونے والی زائد رقم خود مقروض کو ادا نہ کرنا پڑے بلکہ خود حکومت ادا کرے تو اس طرح کا قرض لینا درست ہے۔

۱۰۔ جن اسکیموں میں حکومت نے محفوظ فنڈ قائم کر کے اس کو بینک میں ڈپازٹ کر دیا اور اس کے انٹرسٹ سے حاصل شدہ رقم کا مالک ہو کر تعلیمی و رفاہی اداروں اور افراد و اشخاص کا تعاون کرتی ہے، ایسی اسکیموں سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہے۔

۱۱۔ دوسری قومی اکائیوں کی طرح مسلمانوں کا بھی سرکاری خزانہ میں حق ہے، اس لئے سرکاری اسکیموں سے مسلمانوں کو استفادہ کرنا چاہئے، بہ شرطیکہ کوئی شرعاً محظور نہ ہو۔

۱۲۔ شرکاء سمینار مسلم دانش وروں، تنظیموں اور اداروں کے نمائندوں اور ذمہ داروں کو توجہ دلاتے ہیں کہ سرکاری جائز اسکیموں کا لوگوں میں زیادہ سے زیادہ تعارف کرائیں اور بلا معاوضہ ممکنہ تعاون کی صورت پیدا کریں۔



☆ زمین کی خرید و فروخت سے متعلق مسائل ☆

۱- شہر کی ضرورتوں سے وابستہ اراضی یا وہ اراضی جن کو حکومت نے کسی ضرورت کے لیے متعین کر رکھا ہے ایسی اراضی پر قبضہ غصب ہے اور غاصبین سے ایسی اراضی کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے، لیکن وہ اراضی جو شہروں کی ضرورتوں سے فاضل ہیں یا حکومت نے اس کو کسی ضرورت کے لیے خاص نہیں کیا ہے ایسی اراضی کی خرید و فروخت کے لیے بھی قانونی تقاضوں کی تکمیل ضروری ہے۔

۲- غیر مجاز طور پر اوقاف کی زمین کو فروخت کرنا ناجائز اور سخت گناہ ہے اور ایسے غاصبین سے اس کا خرید کرنا بھی درست نہیں ہے۔

۳- مورث کے انتقال کے بعد ورثہ کے مابین ترکہ کی تقسیم فوراً ہونی چاہئے۔ لیکن اگر ترکہ کی تقسیم نہیں ہو سکی اور کسی وارث نے مشترک اراضی کو فروخت کر دیا تو یہ فروختگی صرف اس فروخت شدہ جائیداد میں اس کے حصہ کے بقدر محدود رہے گی اور اس کے حصہ سے زائد میں ورثہ کی اجازت کے بغیر درست نہیں ہوگی۔

۴- حرام مال سے جو زمین و جائیداد خریدی گئی ہے (حقیقت حال سے واقف حضرات کے لئے) اس کا خریدنا جائز نہیں، ہاں! لاعلمی کی صورت میں خریدنے سے خریدار کی ملکیت ثابت ہو جائے گی۔

۵- کالونی بسانے کے خاطر جو لے آؤٹ منظور کرایا جاتا ہے اس کی خلاف ورزی

درست نہیں ہے، لیکن اس کی وجہ سے وہ زمین کالونی بسانے والے کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتی ہے اس لئے منظور شدہ نقشہ کے برخلاف اپنے نقشہ کے مطابق بیچنے کی گنجائش ہے۔

ب: نقشہ کے مطابق قطعات کی فروخت ہو جانے کے بعد مفاد عامہ کے لئے متین قطعات کی خرید و فروخت جائز نہیں۔

۶- مسجد مسلمانوں کی اہم ترین دینی ضرورت ہے اس لئے کالونی بننے سے پہلے اگر کالونی بنانے والا پلے گراؤنڈ وغیرہ جیسے مفاد عامہ کو برائے مسجد تبدیل کر دیتا ہے نیز مسجد کے لئے مطلوبہ شرائط بھی پائی جاتی ہیں تو اس پر مسجد بنانا درست ہوگا اور وہ مسجد شرعی تصور کی جائے گی۔ کالونی بن جانے کے بعد مفاد عامہ کے قطعات سے تمام باشندگان کا حق متعلق ہوتا ہے اس لئے باہمی رضامندی سے ہی مسجد بنائی جاسکتی ہے۔

۷- کالونی بسانے میں مسلمانوں کو چاہئے کہ قانونی طریقہ اختیار کریں لیکن دشواریوں کے پیش نظر کالونیاں بسالی جائیں تو اس کی گنجائش ہے، البتہ قانونی منظوری حاصل کرنے کی کوشش جاری رکھیں۔

۸- حتی الامکان سودی قرض سے بچنا لازم ہے البتہ ضرورت کے وقت بینک سے قرض لیکر مکان خریدنے اور زمین خرید کر کالونیاں بسانے کی گنجائش ہے۔

۹- کالونی بسانے کے لئے نقشہ میں دکھائے گئے پلاٹ نمبر کی تعین سے بیع متعین ہو جاتی ہے اور خرید و فروخت کا یہ عمل درست ہے اور کالونی بسانے والے کیلئے اس میں کسی طرح کا تغیر و تبدل جائز نہیں ہے۔ اور اگر زمین کے بیچے گئے حصہ پر بیچنے والا خریدار و مالک کی اجازت سے کاشت بھی کرتا رہتا ہے تب بھی خریدار اس کا مالک رہے گا۔

۱۰- زمین و جائیداد کی بیع میں قبضہ ضروری نہیں ہے صرف ملکیت میں آ جانا کافی ہے اس لئے زمین اگر کالونی بنانے والے کی ملکیت میں آگئی ہو تو اس کو فروخت کر سکتا ہے اور

خریدنے والا اس کو خرید سکتا ہے۔

ب: اگر وہ ملکیت میں نہیں آئی باس طور کہ ابھی وعدہ بیع ہوا ہے، بیعانہ کی رقم بھی اسی وعدہ کو مستحکم کرنے کے لیے دی گئی ہے تو آگے فروخت نہیں کر سکتا۔

ج: کالونی بسانے والا مالک زمین سے اپنی مرضی کے مطابق زمین کو فروخت کرنے اور مدت متعینہ میں قیمت ادا کرنے کا معاملہ کر لیتا ہے اور اس کے لیے بیعانہ کے نام پر کچھ رقم بھی ادا کر دیتا ہے تو یہ معاملہ کرنا اور اس کی خرید و فروخت کرنا شرعاً جائز ہے۔ اگر فروخت کرنے کے بعد آئندہ قبضہ دلانے میں کوئی قانونی رکاوٹ پیش آتی ہے تو اس کی پوری قیمت واپس کرنا لازم ہوگی۔

۱۱- دلال کے ذریعہ خرید و فروخت کا یہ طریقہ جس میں زمین اور مالک زمین کا کچھ پتہ نہ ہو تو شرعاً یہ ناجائز ہے۔

۱۲- پلاٹس کے مالک کا معاملے کو اس طرح مشروط کرنا کہ جب خریدار بیچنا چاہے تو بیچنے والے سے ہی فروخت کر سکتا ہے یہ جائز نہیں البتہ بغیر کسی پیشگی شرط کے معاملہ کیا جائے پھر معاملہ کے دونوں فریق اپنی رضا و رغبت سے اپنی سہولت کے لیے اس طرح کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

۱۳- قسطوں پر زمین کی خریداری کی یہ شکل کہ اگر متعینہ مدت تک قیمت ادا نہیں کی گئی تو معاملہ کینسل ہو جائے گا اگر اس کی وضاحت معاملہ کے وقت ہی کر دی جائے تو اس طرح کا معاملہ کرنا جائز ہے اور تمام قسطیں وقت مقررہ پر ادا نہ کرنے کی صورت میں صرف اپنی جمع کردہ قسطوں کی واپسی کا حق ہوگا۔

۱۴- دلال کی اجرت جائز ہے، مگر اجرت کا معلوم ہونا اور معاملہ کا صاف ستھرا ہونا ضروری ہے، لہذا زمین کی خرید و فروخت کے دلال کا ایک فریق سے قیمت کو چھپا کر زیادہ لینا یا

جھوٹ بول کر زیادہ لینا جائز نہیں ہے۔

۱۵- دلال کا قبضہ نہ دلانا بیع کے مقتضاء کے خلاف اور ظلم ہے نیز شرط لگانا کہ جب

بھی بیچنا ہو ہم سے بیچ دینا شرط فاسد ہے جو کہ جائز نہیں ہے۔



☆ سونے چاندی کی تجارت سے متعلق مسائل

آج مورخہ ۶ مارچ ۲۰۱۷ء کو سونا چاندی کی تجارت سے متعلق چند مسائل کے سلسلہ میں تجویز ساز کمیٹی نے درج ذیل تجاویز پر اتفاق کیا:

۱- کرنسی سے سونا چاندی خریدا جائے تو یہ بیع صرف نہیں ہے، اس لئے بدلیں میں سے کسی ایک کا ادھار ہونا درست ہے۔

۲- سونے چاندی کی مقررہ نرخ سے زیادہ یا کم قیمت پر خرید و فروخت درست ہے۔

۳- سونے چاندی کی زیور سازی میں نکلنے والے ذرات کو اجرت بنانا درست ہے، جب کہ مقدار میں ایسی جہالت نہ ہو جو نزاع کا سبب بنے، البتہ بہتر یہ ہے کہ الگ سے اجرت متعین کی جائے۔

۴- سونے چاندی کے پرانے زیورات کائے زیورات سے کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ جائز نہیں ہے، اگر تبادلہ کرنا ہی ہے تو پرانے کو قیمتاً بیچ دے اور پھر اس قیمت سے نیاز زیور خرید لے۔

۵- کمیوڈٹیز ایکسچینج میں سونے چاندی کی اس طرح خرید و فروخت درست نہیں کہ خریدار کا قبضہ ہی متحقق نہ ہو۔

۶- کمیوڈٹیز ایکسچینج میں سونے چاندی کی اس طرح خرید و فروخت کہ صرف کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں اندراج ہو درست نہیں ہے، البتہ اگر خریدار کے لئے اس کی خرید کردہ مقدار الگ کر دی جائے اور اس پر عملی قبضہ ہو جائے تو درست ہے۔

☆ ۲۶ واں فقہی سمینار (اجین) بتاریخ ۵-۷/ جمادی الثانی ۱۴۳۸ھ، مطابق ۲-۶/ مارچ ۲۰۱۷ء۔

۷- کمیوڈٹیز ایکسچینج میں سونے چاندی کی اس طرح خرید و فروخت درست نہیں ہے کہ بیع اور ثمن پر قبضہ ہی نہ ہو اور صرف خریداری اور ادائیگی کے وقت نرخ میں جو کمی بیشی آتی ہے اس کا لین دین کر لیا جائے۔

۸- گراں فروشی کی نیت سے سونے کی ذخیرہ اندوزی احتکار کے دائرہ میں داخل نہیں ہے، البتہ اس کو روک کر رکھنے کی صورت میں دوسری ضروری اشیاء کی قیمتیں متاثر ہوتی ہوں تو اس سے بچنا چاہئے۔

۹- اسمگلنگ غیر قانونی عمل ہے، لہذا اس راستہ سے سونے کی خرید و فروخت سے بچنا چاہئے، لیکن اس راہ سے کسی نے سونا خرید لیا ہے تو وہ اس کا مالک ہے۔

۱۰- پلائینیم سونا نہیں ہے، لہذا عقود نیز زکاۃ وغیرہ میں اس پر سونے کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔



طبی مسائل

طبی اخلاقیات اور اطباء کے فرائض ☆

۱: الف- علاج کرنے کا حق اس شخص کو حاصل ہے جو فن کا علم رکھتا ہو اور تجربہ کار ہو، اور اس کے علم اور تجربہ کی کسی مستند و معتبر ذریعہ نے تصدیق کی ہو، صحیح علم و تجربہ کے بغیر علاج معالجہ کرنا جائز نہیں۔

ب- جس شخص کو علاج معالجہ کی شرعاً اجازت نہیں ہے، اگر اس کے علاج کی وجہ سے مریض کو غیر معمولی ضرر لاحق ہو جائے تو ضمان عائد ہوگا۔

۲- اگر کسی مستند معالج نے علاج میں کوئی کوتاہی کی اور اس کی وجہ سے مریض کو ضرر پہنچ گیا تو معالج ضامن ہوگا۔

۳- اس طرح قدرت کے باوجود مریض یا اس کے اولیاء کی اجازت کے بغیر اگر ڈاکٹر مریض کا آپریشن کر دے اور آپریشن مضر یا مہلک ثابت ہو تو ضمان لازم آئے گا۔

۴- اگر مریض بے ہوش ہے اور اس کے اولیاء وہاں موجود نہ ہوں اور ڈاکٹر یہ محسوس کرتا ہو کہ اس کی جان یا عضو کی حفاظت کے لئے فوری آپریشن ضروری ہے، اور اس نے اجازت کے بغیر آپریشن کر دیا مگر مریض کو نقصان پہنچ گیا تو ڈاکٹر ضامن نہ ہوگا۔

۵- اگر کسی شخص کے رشتہ نکاح کی بات چل رہی ہے اور وہ کسی مرض یا عیب میں مبتلا ہے جس پر مطلع ہونے کے بعد مخطوبہ عورت اس سے نکاح کرنے پر راضی نہ ہوگی، ڈاکٹر کو اپنے

☆ آٹھواں فقہی سمینار (علی گڑھ، یوپی) بتاریخ ۲۷-۲۹ جمادی الاول ۱۴۱۶ھ مطابق ۲۲-۲۴ اکتوبر ۱۹۹۵ء۔

مریض کے مرض یا عیب کا علم ہے، اس صورت میں اگر عورت یا اس کا ولی ڈاکٹر سے ملاقات کر کے مریض کے مرض یا عیب کے بارے میں رشتہ نکاح کے حوالہ سے مریض کی صحیح صورت حال معلوم کرنا چاہیں تو ڈاکٹر کے لئے ضروری ہے کہ صحیح صورت حال کی خبر دے دے، لیکن ڈاکٹر سے اگر اس بارے میں عورت یا اس کے اولیاء کو اس مرض یا عیب کی اطلاع دے۔

۶- ڈرائیور کی بینائی کے متاثر ہونے کی صورت میں ڈاکٹر پر ضروری ہوگا کہ وہ متعلقہ محکمہ کو باخبر کر دے، اسی طرح ہوائی جہاز کا پائلٹ یا ٹرین اور بس کا ڈرائیور اگر نشہ کا عادی ہو اور اس سے مسافروں کو خطرہ لاحق ہو تو ڈاکٹر پر لازم ہوگا کہ وہ متعلقہ محکمہ کو آگاہ کر دے۔

۷- اگر ڈاکٹر کو اپنے مریض کے جرم کی اطلاع ہو اور جرم میں کوئی بے گناہ شخص ماخوذ ہو رہا ہو تو اس بے گناہ شخص کی براءت کے لئے ڈاکٹر پر حقیقت حال کا اظہار ضروری ہے، رازداری سے کام لینا اس کے لئے جائز نہ ہوگا۔



☆ ضبط ولادت

۱- کوئی بھی ایسا عمل جس کا مقصد نسل انسانی کے سلسلے کو منقطع یا محدود کرنا ہو اسلام کے بنیادی تصورات کے خلاف اور ناجائز ہے۔

۲- بطور فیشن خاندان کو مختصر رکھنے یا تجارت و ملازمت کی مشغولیتوں کے متاثر ہونے یا سماجی دلچسپیوں میں رکاوٹ پیدا ہونے کی وجہ سے اولاد کی ذمہ داری سے انکار و گریز کو شرع اسلامی کسی حال میں قبول نہیں کر سکتی۔

۳- جو خواتین بلند معیار زندگی کے حصول یا زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کی خاطر نوکریاں کرنا چاہتی ہیں اور اپنے مقصد تخلیق اور اس مقدس فریضے کو بھول جاتی ہیں جو قدرت نے نسل انسانی کی ماں کی حیثیت سے ان پر عائد کیا، ان مقاصد کی خاطر خاندان کو محدود کرنے کا تصور قطعاً غیر اسلامی ہے۔

۴- جو بچہ موجود ہے اس کی پرورش، رضاعت، اور نشوونما میں اگر ماں کے جلد حاملہ ہونے کی وجہ سے نقصان کا خطرہ ہے تو ایسی صورت میں مناسب وقفہ قائم رکھنے کی خاطر عارضی مانع حمل تدابیر اختیار کرنا جائز ہے۔

۵- دائمی منع حمل کی تدابیر کا استعمال مردوں کے لئے کسی بھی حال میں درست نہیں ہے، عورتوں کے لئے بھی منع حمل کی مستقل تدابیر ممنوع ہیں، سوائے ایک صورت کے۔ وہ استثنائی صورت یہ ہے کہ ماہر قابل اعتماد اطباء کی رائے میں اگلا بچہ پیدا ہونے کی صورت میں

☆ پہلا فقہی سمینار (دہلی) بتاریخ ۲۳-۲۵ شعبان ۱۴۰۹ھ مطابق ۱-۳ اپریل ۱۹۸۹ء۔

عورت کی جان جانے یا کسی عضو کے تلف ہو جانے کا ظن غالب ہو، تو اس صورت میں عورت کا آپریشن کر دینا تاکہ استقرار حمل نہ ہو سکے جائز ہے۔

۶- عارضی منع حمل کی تدابیر اور ادویہ کا استعمال بھی عام حالت میں جائز نہیں۔

۷- چند استثنائی صورتوں میں عارضی منع حمل کی تدابیر و ادویہ کا استعمال مردوں اور عورتوں کے لئے درست ہے، مثلاً:

☆ عورت بہت کمزور ہے۔ ماہر اطباء کی رائے میں وہ حمل کی متحمل نہیں ہو سکتی اور حمل ہونے سے اسے شدید ضرر لاحق ہونے کا قوی اندیشہ ہو۔
☆ ماہر اطباء کی رائے میں عورت کو ولادت کی صورت میں ناقابل برداشت تکلیفوں اور ضرر میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو۔



اعضاء کی پیوند کاری ☆

۱- کسی انسان کا کوئی عضو نا کارہ ہو چکا ہو اور اس عضو کے عمل کو آئندہ جاری رکھنے کے لئے کسی متبادل کی ضرورت ہو تو اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے:

الف- غیر حیوانی اجزاء کا استعمال۔

ب- ایسے جانوروں کے اعضاء کا استعمال جن کا کھانا شرعاً جائز ہے اور جو بطریقہ شرعی ذبح کئے گئے ہوں۔

ج- جان کی ہلاکت یا عضو کے ضائع ہونے کا قوی خطرہ ہو اور اس مطلوبہ عضو کا بدل صرف ایسے جانوروں میں ہی مل سکتا ہے جن کا کھانا حرام ہے، یا حلال تو ہے لیکن بطریق شرعی ذبح نہیں کئے گئے ہیں، تو ایسی صورت میں ان غیر ماکول اللحم یا ماکول اللحم مگر غیر مذبوح جانوروں کے اعضاء کا استعمال جائز ہے۔

اور اگر جان یا عضو کی ہلاکت کا شدید خطرہ نہ ہو تو خنزیر کے اجزاء کا استعمال جائز نہیں۔

۲- اسی طرح ایک انسان کے جسم کا ایک حصہ اسی انسان کے جسم میں بوقت حاجت استعمال کیا جانا جائز ہے۔

۳- اعضاء انسانی کا فروخت کرنا حرام ہے۔

☆ دوسرا فقہی سمینار (دہلی) بتاریخ ۸-۱۱/جمادی الاول ۱۴۱۰ھ مطابق ۸-۱۱/دسمبر ۱۹۸۹ء۔

۴- اگر کوئی مریض ایسی حالت میں پہنچ جائے کہ اس کا کوئی عضو اس طرح بے کار ہو کر رہ گیا ہے کہ اگر اس عضو کی جگہ کسی دوسرے انسان کا عضو اس کے جسم میں پیوند نہ کیا جائے تو قوی خطرہ ہے کہ اس کی جان چلی جائے گی، اور سوائے انسانی عضو کے کوئی دوسرا متبادل اس کمی کو پورا نہیں کر سکتا، اور ماہر قابل اعتماد اطباء کو یقین ہے کہ سوائے عضو انسانی کی پیوندکاری کے کوئی راستہ اس کی جان بچانے کا نہیں ہے، اور عضو انسانی کی پیوندکاری کی صورت میں ماہر اطباء کو ظن غالب ہے کہ اس کی جان بچ جائے گی اور متبادل عضو انسانی اس مریض کے لئے فراہم ہے، تو ایسی ضرورت، مجبوری اور بے کسی کے عالم میں عضو انسانی کی پیوندکاری کرنا اپنی جان بچانے کی تدبیر کرنا مریض کے لئے مباح ہوگا۔

۵- اگر کوئی تندرست شخص ماہر اطباء کی رائے کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ اگر اس کے دو گردوں میں سے ایک گردہ نکال لیا جائے تو بظاہر اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اور وہ اپنے رشتہ دار مریض کو اس حال میں دیکھتا ہے کہ اس کا خراب گردہ اگر نہیں بدلا گیا تو بظاہر حال اس کی موت یقینی ہے اور اس کا کوئی متبادل موجود نہیں ہے تو ایسی حالت میں اس کے لئے جائز ہوگا کہ وہ بلا قیمت اپنا ایک گردہ اس مریض کو دے کر اس کی جان بچالے۔

۶- اگر کسی شخص نے ہدایت کی کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے اعضاء پیوندکاری کے لئے استعمال کئے جائیں، جسے عرف عام میں وصیت کہا جاتا ہے، از روئے شرع اسے اصطلاحی طور پر وصیت نہیں کہا جاسکتا اور ایسی وصیت اور خواہش شرعاً قابل اعتبار نہیں۔
(نوٹ: مولانا برہان الدین سنہلی صاحب کو دفعہ ۴، ۵ سے اتفاق نہیں ہے)۔



☆ ایڈز

۱- اگر کوئی مرد ایڈز کا مریض ہو، مگر اس نے اپنا مرض ظاہر کئے بغیر کسی خاتون سے نکاح کر لیا تو ایسی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔

اور اگر نکاح کے بعد مرد اس بیماری میں مبتلا ہو جائے اور خطرناک حد تک پہنچ جائے تو خاتون کے لئے فسخ نکاح کا حق ہوگا۔

۲- ایڈز کی مریضہ اگر حاملہ ہو جائے اور مستند ڈاکٹروں کی رائے میں غالب گمان یہ ہے کہ بچہ بھی اس مرض سے متاثر ہوگا، تو ایسی صورت میں حمل میں جان آنے سے پہلے جس کی مدت فقہاء نے ۱۲۰ دن لکھی ہے، اسقاط کرانے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

۳- ایڈز کے مریض کو اگر مرض نے پورے طور پر اپنی گرفت میں لے لیا ہو اور وہ زندگی کے معمولات کو ادا کرنے سے معذور ہو گیا ہو تو ایسے شخص کو مرض موت کا مریض سمجھا جائے گا۔

۴- ایڈز کے مریض کی یہ اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گھر والوں یا متعلقین کو اس مرض سے مطلع کر دے اور خود بھی احتیاطی تدابیر ملحوظ رکھے۔

۵- ایڈز کا مریض اگر اپنے مرض کو چھپانے پر ڈاکٹر سے اصرار کر رہا ہے اور ڈاکٹر کی رائے میں اس کے مرض کو راز میں رکھنے سے اس کے اہل خانہ، متعلقین اور سماج کو ضرر لاحق

☆ آٹھواں فقہی سمینار (علی گڑھ، یو پی) بتاریخ ۲۷-۲۹ / جمادی الاول ۱۴۱۶ھ مطابق ۲۲-۲۴ / اکتوبر ۱۹۹۵ء۔

ہونے کا قوی اندیشہ ہے تو ڈاکٹر کی ذمہ داری ہے کہ محکمہ صحت اور متعلقہ حضرات کو اس کی اطلاع کر دے۔

۶- ایڈز اور دوسرے متعدی امراض میں مبتلا افراد کے بارے میں ان کے اہل خانہ، متعلقین اور سماج کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان کو تنہا اور بے سہارا نہ چھوڑیں، طبی احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی پوری نگہداشت کریں اور انہیں علاج معالجہ اور احتیاطی تدابیر فراہم کرنے میں پورا تعاون کریں۔

۷- ایڈز زدہ بچے بچیوں کو تعلیم سے محروم کرنا درست نہیں ہے، ضروری احتیاطی طبی تدابیر کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی تعلیم و تربیت کا نظم کیا جائے۔

۸- طاعون زدہ علاقہ میں آمدورفت پر پابندی مستحسن چیز ہے، البتہ ضرورت و مجبوری کے حالات مذکورہ پابندی سے مستثنیٰ ہیں۔

۹- ایڈز کے مرض میں مبتلا شخص کا اپنے مرض کی نوعیت سے واقف ہونے کے باوجود اس مرض کو کسی بھی صحت مند انسان کی طرف عمداً منتقل کرنا حرام ہے اور ایسا کرنا گناہ کبیرہ ہے، اس طرح کے عمل کا مرتکب اس عمل کی نوعیت اور اس کے فرد یا معاشرے پر بُرے اثرات پڑنے کے اعتبار سے سزا کا مستحق ہے۔



☆ کلوننگ

۱- کلوننگ کے سلسلہ میں جو تفصیلات اور صورتیں اب تک سامنے آئی ہیں، اور ان کی وجہ سے جن اخلاقی اور سماجی نقصانات کا خطرہ ہے ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے کسی بھی طریقہ پر انسانی کلوننگ حرام ہے۔

۲- نباتات و حیوانات میں ایسی کلوننگ جو انسانی مفاد میں ہو اور جو انسان کے لئے دینی اخلاقی اور جسمانی اعتبار سے مضرت رساں نہ ہو، جائز ہے۔

۳- اسلامک فقہ اکیڈمی کا یہ سمینار حکومت ہند سے اپیل کرتا ہے کہ ایسے قوانین وضع کئے جائیں جن کی رو سے ملکی یا غیر ملکی تحقیقاتی ادارے یا تجارتی کمپنیاں ہمارے ملک کو انسانی کلوننگ کی تجربہ گاہ نہ بنائیں۔



☆ جلاٹین

۱- جلاٹین ایک نامیاتی (Organic) مرکب ہے، جو ایک قسم کا پروٹین ہے۔ یہ جانوروں کی کھال اور ہڈیوں میں موجود ایک دیگر قسم کے پروٹین کولاجن (Collagen) سے کیمیائی تبدیلیوں کے بعد بنایا جاتا ہے۔ جو کیمیائی اور طبعی طور سے کولاجن سے یکسر مختلف ایک نئی قسم کے پروٹین کی شکل اختیار کر لیتا ہے، اور اپنی رنگت، بو، ذائقہ اور کاصیات میں بھی کولاجن سے جدا ہوتا ہے۔

۲- شریعت نے جن اشیاء کو حرام قرار دیا ہے اگر ان کی حقیقت اور ماہیت تبدیل ہو جائے تو ان کا سابق حکم باقی نہیں رہتا ہے۔ کسی شے کے وہ خصوصی اور بنیادی اوصاف جن سے اس شے کی شناخت ہوتی ہے، وہی اس شے کی حقیقت و ماہیت ہیں۔ اکیڈمی کے سامنے فنی ماہرین کے ذریعہ جو تحقیق سامنے آئی ہے، اس کے مطابق جلاٹین میں ان جانوروں کی کھالوں اور ہڈیوں کی حقیقت باقی نہیں رہتی ہے جن کے کولاجن سے جلاٹین بنایا جاتا ہے۔ بلکہ وہ ایک نئی حقیقت کے ساتھ نئی چیز ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس کے استعمال کی گنجائش ہے۔ ماہرین کی رائے میں اختلاف کے پیش نظر شرکاء سمینار میں سے مولانا بدر الحسن قاسمی نے حرام جانوروں کے اجزائے جسم سے حاصل شدہ جلاٹین کے استعمال سے گریز کرنے کو ترجیح دی۔

۳- فقہاء کے اختلاف اور غذائی اشیاء کی اہمیت و نزاکت کو سامنے رکھتے ہوئے سمینار مسلمان صنعت کاروں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ حلال جانور اور اس کے حلال اور پاک اجزاء سے جلاٹین تیار کریں، تاکہ اس کے حلال و پاک ہونے میں کوئی شبہ نہ رہے۔

☆ چودہواں فقہی سمینار (حیدرآباد) بتاریخ ۱-۳ جمادی الاول ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۰-۲۲ جون ۲۰۰۴ء۔

☆ الکحل

۱- الکحل ایک کیمیائی مادہ ہے، جو مختلف پھلوں اور اناج کے نشاستہ (Carbohydrate) یا شکر سے بنایا جاتا ہے، اس کی بہت ساری قسمیں ہیں جن میں صرف ایک قسم نشہ آور ہے۔

۲- بعض دواؤں میں ایٹھائیٹل الکحل (Ethyl Alcohol) کا استعمال ہوتا ہے، یہ الکحل نشہ آور ہے، اور دوا میں شامل ہونے کے بعد بھی اس کی حقیقت نہیں بدلتی لیکن علاج و معالجہ کے باب میں شریعت نے جو سہولت روارکھی ہے اس کے تحت مجبوراً الکحل آمیز ادویہ کا استعمال درست ہے۔

۳- عطریات میں جو الکحل استعمال ہوتا ہے، فنی ماہرین کی تحقیق و اطلاع کے مطابق وہ نشہ آور نہیں ہے۔ اس لئے یہ ناپاک نہیں ہے۔



☆ میڈیکل انشورنس

شریعت اسلامی میں جوئے کی کوئی بھی شکل جائز نہیں۔ اس وقت میڈیکل انشورنس کی جو صورت رائج ہے وہ اپنے نتیجہ کے اعتبار سے جو میں شامل ہے اور اس نے علاج کو خدمت کے بجائے نفع آور تجارت بنا دیا ہے۔ اس پس منظر میں سمینار نے میڈیکل انشورنس کے بارے میں درج ذیل فیصلے کئے ہیں:

۱- میڈیکل انشورنس، انشورنس کے دوسرے تمام شعبوں کی طرح بلاشبہ مختلف قسم کے ناجائز امور پر مشتمل ہے، لہذا عام حالات میں میڈیکل انشورنس ناجائز ہے اور اس حکم میں سرکاری وغیرہ سرکاری اداروں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

۲- اگر قانونی مجبوری کے تحت میڈیکل انشورنس لازمی ہو تو اس کی گنجائش ہے، لیکن جمع کردہ رقم سے زائد جو علاج میں خرچ ہو، صاحب استطاعت کے لئے اس کے بقدر بلا نیت ثواب صدقہ کرنا واجب ہے۔

۳- موجودہ مروج انشورنس کا متبادل اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ممکن ہے اور آسان صورت یہ ہے کہ مسلمان ایسے ادارے و نظام قائم کریں، جن کا مقصد علاج و معالجہ کے ضرورت مندوں کی ان کی ضرورت کے مطابق مدد کرنا ہو۔



☆ جنیٹک ٹسٹ

موجودہ سائنسی ترقی نے انسانیت کو بہت سے فائدے پہنچائے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ انسانی نقطہ نظر سے اس میں بعض منفی پہلو بھی موجود ہیں، اسی سلسلے کی ایک کڑی جنیٹک سائنس اور DNA ٹسٹ ہے، چنانچہ جنیٹک سائنس کے سلسلے میں جو تجویزیں پاس ہوئیں، وہ اس طرح ہیں:

۱- اگر جنیٹک ٹسٹ کے ذریعہ ثابت ہو جائے کہ رحم مادر میں پرورش پانے والا بچہ ایسا ناقص العقل اور ناقص الاعضاء ہے جو ناقابل علاج ہے اور پیدائش کے بعد اس کی زندگی ایک بوجھ اور اس کے اور گھر والوں کے لئے تکلیف دہ رہے گی، تو ایسی صورت میں حمل پر ایک سو بیس دن گزرنے سے پہلے والدین کے لئے اس کا اسقاط جائز ہے۔

۲- اگر جنیٹک ٹسٹ کے ذریعہ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کسی شخص کی اگلی نسل میں پیدائشی نقائص کے امکانات ہیں، تو اس اندیشہ کے پیش نظر سلسلہ تولید کو روکنا قطعاً ناجائز ہے۔

۳- اگر جنیٹک ٹسٹ کے ذریعہ کسی شخص کے بارے میں یہ اندیشہ ہو کہ وہ آئندہ جنون یا کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو سکتا ہے جو شرعاً فسخ نکاح کا سبب ہے تو فسخ نکاح کے لئے محض یہ ٹسٹ کافی نہیں ہوگا۔

۴- علاج کی غرض سے امراض کی شناخت اور تحقیق کے لئے جنیٹک ٹسٹ کرانا اور اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

☆ پندرہواں فقہی سمینار (میسور، کرناٹک) بتاریخ ۱۰-۱۲/صفر ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۱-۱۳/مارچ ۲۰۰۶ء۔

☆ ڈی این اے ٹسٹ

- ڈی این اے (DNA) ٹسٹ کے سلسلے میں سمینار نے حسب ذیل فیصلے کئے ہیں:
- ۱- جس بچے کا نسب شرعی اصول کے مطابق ثابت ہو اس کے بارے میں ڈی این اے ٹسٹ کے ذریعہ اشتباہ پیدا کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔
 - ۲- اگر کسی بچے کے بارے میں چند دعوے دار ہوں اور کسی کے پاس واضح شرعی ثبوت نہ ہو تو ایسے بچے کا نسب ڈی این اے ٹسٹ کے ذریعہ متعین کیا جاسکتا ہے۔
 - ۳- جو جرائم موجب حد و قصاص ہیں ان کے ثبوت کے لئے منصوص طریقوں کے بجائے ڈی این اے ٹسٹ کا اعتبار نہیں ہوگا۔
 - ۴- حدود و قصاص کے علاوہ دوسرے جرائم کی تفتیش میں ڈی این اے ٹسٹ سے مدد لی جاسکتی ہے اور قاضی ضرورت محسوس کرے تو اس پر مجبور بھی کر سکتا ہے۔



☆ موت کی حقیقت اور مصنوعی آلہ تنفس

۱- جب سانس کی آمد و رفت پوری طرح رک جائے اور موت کی علامات ظاہر ہو جائیں تب ہی موت کے واقع ہونے کا حکم لگایا جائے گا اور اسی وقت سے موت سے متعلق وصیت کا نفاذ، میراث کا اجراء اور عدت کا آغاز وغیرہ احکام جاری ہوں گے۔

۲- اگر مریض مصنوعی آلہ تنفس پر ہو، لیکن ڈاکٹر اس کی زندگی سے مایوس نہ ہوئے ہوں اور امید ہو کہ فطری طور پر تنفس کا نظام بحال ہو جائے گا تو مریض کے ورثہ کے لئے اسی وقت مشین کا ہٹانا درست ہوگا جب کہ مریض کی املاک سے اس علاج کو جاری رکھنا ممکن نہ ہو، نہ ورثہ ان اخراجات کو برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور نہ اس علاج کو جاری رکھنے کے لئے کوئی اور ذریعہ میسر ہو۔

۳- اگر مریض آلہ تنفس پر ہو اور ڈاکٹروں نے مریض کی زندگی اور فطری طور پر نظام تنفس کی بحالی سے مایوسی ظاہر کر دی ہو تو ورثہ کے لئے جائز ہوگا کہ مصنوعی آلہ تنفس علاحدہ کر دیں۔



یوتھنیز یا کاحکم ☆

شریعت اسلامی میں انسانی جان کی بڑی اہمیت ہے اور حتی المقدور اس کی حفاظت خود اس شخص کا اور دوسروں کا فریضہ ہے، اس لئے:

۱- کسی مریض کو شدید تکلیف سے بچانے یا اس کے متعلقین کو علاج اور تیمارداری کی زحمت سے نجات دلانے کے لئے عمداً ایسی تدبیر کرنا کہ جس سے اس کی موت واقع ہو جائے حرام ہے اور یہ قتل نفس کے حکم میں ہے۔

۲- ایسے مریض کو گو مہلک دوا نہ دی جائے مگر قدرت کے باوجود اس کا علاج ترک کر دیا جائے تاکہ جلد سے جلد اس کی موت واقع ہو جائے، یہ بھی جائز نہیں ہے۔



☆ سولہواں فقہی سمینار (مہذب پور، اعظم گڑھ) بتاریخ ۱۰-۱۳ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ مطابق ۳۰ مارچ

- ۲۰۰۷ء اپریل ۲ -

☆ پلاسٹک سرجری

۱- جسمانی عیب دور کرنے کے لئے پلاسٹک سرجری جائز ہے، اور عیب سے مراد جسم میں پائی جانے والی ایسی صورت ہے، جو معروف و معتاد اور عمومی تخلیقی کیفیت سے مختلف ہو، چاہے پیدائشی عیب ہو یا بعد میں پیدا ہو جائے۔

۲- جسمانی تکلیف کے ازالہ کے لئے — اگر ڈاکٹر کا مشورہ ہو — پلاسٹک سرجری جائز ہے۔

۳- درازی عمر کی وجہ سے طبعی طور پر انسان کی ظاہری حیثیت میں جو تغیر آتا ہے، جیسے جھریوں کا پیدا ہو جانا وغیرہ، ان کو ختم کرنے کے لئے پلاسٹک سرجری جائز نہیں۔

۴- ناک اور دوسرے اعضاء، خلقی طور پر کم خوبصورت اور غیر متناسب ہوں؛ مگر انسان کی عمومی معتاد خلقت کے دائرہ سے باہر نہ ہوں تو زینت اور محض خوبصورتی کے لئے پلاسٹک سرجری جائز نہیں۔

۵- اپنی شناخت چھپانے کے لئے پلاسٹک سرجری جائز نہیں، سوائے اس کے کہ مظلوم کو ظالم سے بچنے کے لئے ایسا کرنا پڑے۔



☆ اعضاء و اجزاء انسانی کا عطیہ

انسانی اعضاء و اجزاء کے عطیہ سے متعلق تمام مقالات کے جائزے اور مباحث کے بعد سمینار یہ محسوس کرتا ہے کہ اس موضوع کا تعلق جہاں شرعی احکام سے ہے وہیں طبی جدید سہولیات اور تحقیقات سے بھی ہے، اس سمت میں آئے دن نئی تحقیقات سامنے آرہی ہیں اس لئے بتدریج شرعی احکام بھی آتے رہیں گے۔ اس وقت تک کی جو جدید طبی تحقیقات سامنے آئی ہیں ان کو سامنے رکھتے ہوئے درج ذیل تجاویز سمینار نے طے کئے ہیں:

۱- خون انسانی جسم کا ایک اہم اور بنیادی جزء ہے جس سے حیات انسانی کا بقا مربوط ہے، اگر کسی انسان کو خون کی ضرورت پڑ جائے اور ماہر ڈاکٹر کی تجویز ہو کہ اس کے لئے خون ناگزیر ہے تو انسانی جان بچانے کے لئے ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان یا غیر مسلم کو عطیہ کرنا جائز ہے، اسی طرح کسی مسلمان کے لئے اس سے لینا بھی جائز ہے۔

۲- ایسے بلڈ بینک جہاں لوگ رضا کارانہ طور پر خون کا عطیہ دیتے ہیں اور وہ بینک ضرور تمندوں کو مفت خون فراہم کرتے ہیں وہاں مسلمان کے لئے خون کا عطیہ کرنا جائز ہے۔

۳- رضا کارانہ بلڈ کیمپ لگانا اور بلڈ بینک قائم کرنا بھی انسانی ضرورت کے پیش نظر جائز ہے اور یہ انسانی خدمت میں شامل ہے۔

۴- ایسے نازک موقع پر جہاں خون کا عطیہ نہ کرنے کی صورت میں جان کا خطرہ ہے

وہاں مطلوبہ گروپ کے حامل موجود شخص کے لئے اپنا خون عطیہ کرنا ایک اہم انسانی فریضہ اور شرعاً پسندیدہ عمل ہے۔

۵۔ موجودہ طبی تحقیق کے مطابق زندہ شخص کے جگر کے بعض حصہ کو دوسرے ضرورتمند انسان کو منتقل کرنا ممکن ہو گیا ہے اور عطیہ کرنے والے کے جگر کے بقیہ بچے ہوئے حصے کا چند مہینوں میں مکمل ہو جانا تجربہ میں آچکا ہے، اس لئے جگر کی منتقلی اور پیوند کاری اپنے کسی عزیز یا دوست کے لئے رضا کارانہ طور پر جائز ہے، البتہ خرید و فروخت قطعاً جائز نہیں ہے۔

۶۔ انسانی دودھ کا بینک قائم کرنا جائز نہیں، اگر بینک قائم ہو تو اس میں دودھ جمع کرنا اور اس میں کسی طرح کا تعاون کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

۷۔ مرد یا عورت کے مادہ تولید کا بینک قائم کرنا یا کسی مرد یا خاتون کا کسی بینک کو یا کسی ضرورتمند کو مادہ تولید فروخت کرنا یا بلا قیمت فراہم کرنا یا لینا حرام ہے۔

۸۔ زندہ شخص کی آنکھ کا قرنیہ دوسرے ضرورتمندوں کے لئے منتقل کرنا جائز نہیں ہے، البتہ مردہ کا قرنیہ کسی ضرورتمند کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں اس سلسلہ میں فیصلہ کو موخر کیا جاتا ہے۔



جدید آلات و ذرائع

انٹرنیٹ اور جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال ☆

اس موضوع پر گفتگو اور بحث و تمحیص کے بعد باتفاق شرکاء سمینار درج ذیل فیصلے کئے گئے:

۱- اسلام کی نشر و اشاعت اور اس کی حفاظت و بقا کے لئے ہر ممکن جدوجہد و سعی امت

مسلمہ کا اہم فریضہ ہے۔

۲- ”وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ“ کے مطابق اس فریضہ کی انجام دہی کے

لئے جدید و قدیم ہر ممکن جائز ذریعہ و وسیلہ کا استعمال کرنا درست ہے، بلکہ ضرورت و حالات کے مطابق مفید و موثر وسیلہ کا استعمال کرنا ضروری ہے۔

۳- ابلاغ و ترسیل کے جدید ذرائع میں ریڈیو کا استعمال دینی مقاصد کے لئے کوئی

قبحات نہیں رکھتا، خواہ یہ استعمال اس کے پروگرام سے استفادہ کی صورت میں ہو، یا پروگرام میں عملاً شرکت کر کے ہو، یا یہ کہ خود اپنا ریڈیو اسٹیشن قائم کر کے۔

۴- بنیادی طور پر انٹرنیٹ آج کے زمانے کا سب سے اہم ذریعہ ابلاغ ہے، اس کی

حیثیت اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کے لئے ایک ذریعہ اور وسیلہ کی ہے، اور ذرائع کا حکم شرعی متعین کرتے وقت یہ دیکھنا ہوگا کہ ان ذرائع کا استعمال کن مقاصد کے لئے ہو رہا ہے، ذرائع و وسائل کا استعمال جائز مقاصد کے لئے شرعاً جائز اور ناجائز مقاصد کے لئے ناجائز ہے، پھر ان کا شرعی حکم اس طرح متعین ہوگا کہ ان مقاصد کا حصول فرض و واجب ہے یا مستحب ہے یا مباح ہے۔ اور ان وسائل کا استعمال مکمل طور پر ان مقاصد کے حصول کے لئے جس حد تک

☆ بارہواں فقہی سمینار (بستی، یوپی) بتاریخ ۵-۸ مئی ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۱-۱۴ فروری ۲۰۰۰ء۔

ضروری ہو اسی کے بقدر ان وسائل کا استعمال فرض یا مستحب یا جائز ہوگا۔

ان اصولوں کی روشنی میں شرکاء سمینار کی رائے ہے کہ انٹرنیٹ کا استعمال ایک شرعی، دینی، دعوتی، اجتماعی فلاح کے ذریعہ اور وسیلہ کی حیثیت سے جائز اور بعض دفعہ ضروری ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ عرض اور پیشکش کے طریقے میں منکرات اور محرمات شرعیہ سے بچا جائے۔

۵- ٹیلی ویژن ایک ایسا ذریعہ ابلاغ ہے جس کے ذریعہ نہ صرف آواز بلکہ بولنے والوں کی صورتیں بھی سامعین و ناظرین کے سامنے پیش ہو جاتی ہیں، کبھی نقل نشر مباشر (براہ راست) کے ذریعہ چلتی پھرتی صورتیں منتقل کی جاتی ہیں، اور کبھی کسی مجلس، کسی عمل، کسی کھیل یا کسی تقریب کو ویڈیو کیسٹ میں محفوظ کر لیا جاتا ہے اور بعد میں اس کو نشر کیا جاتا ہے۔

ٹیلی ویژن کے مسئلہ میں ایک دشواری تو یہ ہے کہ اس میں جو صورتیں ناظرین تک منتقل ہوتی ہیں آیا وہ اس تصویر کشی کا محل اور مورد ہیں جن کے ممنوع ہونے کی صراحت حدیث نبوی میں آئی ہے یا نہیں؟ عام طور پر علماء ہند اس طرح کے عکس ریز کیمروں سے لی گئی تصویر کو بھی اس تصویر کشی کا حصہ مانتے ہیں۔ ممالک عربیہ کے بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ فوٹو گرافی ممنوع تصویر سازی کا محل نہیں۔

ٹیلی ویژن کے ساتھ دوسری دشواری اس کے استعمال کی ہے، تفریحات (Entertainment)، تجارتی اشتہارات کے ذریعہ عورتوں کی عُریاں تصویروں کی اشاعت، بے حیائی فحاشی کو عام کرنا، ایسی فحش فلموں کا نشر کیا جانا جس کو باپ بیٹا، ماں بیٹی ایک ساتھ دیکھ نہیں سکتے، پھر بچوں کو اس طرح اپنے سحر میں گرفتار کر لینا کہ ان کی تعلیمی دلچسپی ختم ہو جائے۔ یہ وہ بُرائیاں ہیں جن کی وجہ سے ٹیلی ویژن موجودہ سماج کے لئے ایک بڑا ناسور بن گیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ٹیلی ویژن کے ذریعہ کچھ مفید کام لئے جاسکتے ہیں اور

لئے جاتے ہیں، لیکن معاشرے کو پہونچنے والا ضرر اس سے حاصل ہونے والے نفع سے کہیں زائد ہے ”وإثمهما أكبر من نفعهما“۔

ان حالات میں شرکاء سمینار ٹیلی ویژن کے استعمال اور اس کے ذریعہ ان منکرات و فواحش کی اشاعت کو ناجائز اور معاشرے کے لئے تباہی کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے اس سے اجتناب کی تلقین کرتے ہیں۔

۶۔ ایک اہم سوال ان چینلس کے حکم شرعی کا ہے جو خالص دینی و دعوتی مقاصد کے لئے قائم کئے گئے ہیں اور قائم کئے جا رہے ہیں اور ہر طرح کی فحاشی، عُریانی سے پاک اور خالی ہیں، کیا ایسے چینلس (Channels) کا قائم کرنا اور ان سے استفادہ کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟
تمام شرکاء سمینار اس کو جائز قرار دیتے ہیں، جبکہ بعض حضرات ان حالات میں بھی اجازت نہیں دیتے جن کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ مولانا عبداللطیف پالنپوری صاحب

۲۔ مولانا عبدالقیوم پالنپوری صاحب

۳۔ مولانا محمد حمزہ گورکھپوری صاحب

۴۔ مولانا عبدالرحمن پالنپوری صاحب

۵۔ مولانا مفتی محمد زید صاحب

۶۔ مولانا زبیر احمد صاحب مظاہر علوم

مولانا برہان الدین سنہلی اور مولانا ارشد قاسمی کی رائے یہ ہے اگر براہ راست نشر

(Live) ہو تو جائز ہوگا، اور اگر محفوظ کیا ہوا پروگرام (Recorded Programme) نشر کیا جائے تو جائز نہیں ہوگا۔



ذبح کے مسائل ☆

محو راول

۱- ذبح لغت میں چیرنے پھاڑنے کو، اور شرع میں قابو یافتہ جانور کے غذا و سانس کی نالیاں اور دونوں شہ رگ یا ان میں سے اکثر کے کاٹنے، اور غیر قابو یافتہ جانور کے بدن کے کسی بھی حصہ کو زخمی کرنے کو کہتے ہیں۔

۲- ذبح کی دو قسمیں ہیں: ذبح اختیاری اور ذبح غیر اختیاری۔

ذبح اختیاری میں جانوروں کی چاروں رگیں (حلقوم، مری، ودجین) یا ان میں سے اکثر کاٹ دی جاتی ہیں، اور یہ ان جانوروں میں ہوتا ہے جو عمل ذبح کو انجام دیتے وقت ذابح کے قابو میں ہوں، پالتو جانوروں میں عام طور پر ذبح اختیاری ہوتی ہے، سوائے اس کے کہ جانور قابو سے باہر ہو جائے۔

ذبح غیر اختیاری جانور کے بدن کے کسی بھی حصہ کو زخمی کر کے خون بہا دینے کو کہتے ہیں۔ ذبح غیر اختیاری ان جانوروں میں ہوتا ہے جو عمل ذبح کو انجام دیتے وقت ذابح کے قابو میں نہ ہوں۔ غیر پالتو (شکاری) جانوروں میں ذبح غیر اختیاری ہوتا ہے، الا یہ کہ ایسے جانور کو پال لیا جائے یا وہ کسی اور طریقہ سے زندہ حالت میں قابو میں آجائے۔

۳- ذبح اختیاری اور غیر اختیاری کے مشترکہ شرائط درج ذیل ہیں:

☆ ساتواں فقہی سمینار (بھروچ گجرات) بتاریخ ۲۶-۲۹ رجب ۱۴۱۵ھ مطابق ۳۰ دسمبر ۱۹۹۴ء-۲ جنوری ۱۹۹۵ء۔

- ۱- ذبح کا مسلمان یا کتابی ہونا۔
- ۲- ذبح کا عاقل ہونا۔
- ۳- بوقت ذبح اللہ کا نام لینا۔
- ۴- اللہ کے نام کے ساتھ کسی اور کا نام شامل نہ کرنا۔
- ۵- بوقت ذبح جانور کا زندہ رہنا۔
- ۶- جانور کی موت ذبح کی وجہ سے ہونا۔
- ۷- آلہ کا تیز دھار دار کا ٹٹنے والا ہونا۔

ذبح اختیاری کے مخصوص شرائط:

- ۱- متعین مذبوح پر تسمیہ پایا جانا۔
- ۲- متعین رگوں کا کاٹنا۔
- ۳- تسمیہ اور عمل ذبح میں زیادہ فاصلہ نہ ہونا۔

ذبح غیر اختیاری کے مخصوص شرائط:

- ۱- شکاری حالت احرام میں نہ ہو۔
- ۲- جانور حرم کا شکار نہ ہو۔
- ۳- شکار کرنے والا جانور یا پرندہ تربیت یافتہ ہو۔
- ۴- شکار اگر شکاری جانور کے ذریعہ ہو تو اس کو شکار کے لئے چھوڑتے وقت اور اگر تیر و نیزہ وغیرہ سے کیا جائے تو اس کو پھینکتے وقت تسمیہ کہا گیا ہو۔
- ۵- ذبح اختیاری اور غیر اختیاری دونوں کے مواقع علیحدہ علیحدہ ہیں، جب ذبح اختیاری ناممکن ہو اسی وقت ذبح غیر اختیاری کی اجازت ہوتی ہے، لہذا اختیاری کی جگہ غیر اختیاری کی گنجائش بالاتفاق نہیں ہے۔

محور دوم

- ۱- ذبح کرنے والے کے لئے شریعت میں جس اہلیت کا اعتبار کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ذبح کرنے والا عاقل ہو، بالغ ہو، یا اگر نابالغ ہو تو باشعور ہو، اور مسلمان ہو یا کتابی ہو۔
- ۲- کتابی سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے پاس کوئی آسمانی کتاب ہو جس کی تصدیق قرآن نے کی ہو، آج کے دور میں یہود و نصاریٰ کتابی ہیں۔
- ۳- آج کے زمانہ میں جو لوگ اپنے کو عیسائی یا یہودی کہتے ہیں انہیں کتابی تصور کیا جائے گا اور ان کا ذبیحہ حلال ہوگا، الا یہ کہ ان کا ملحد، منکر خدا ہونا یقینی طور پر معلوم ہو جائے۔
- ۴- قادیانی کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا، چاہے وہ اپنے کو احمدی کہے یا لاہوری۔
- ۵- واضح رہے کہ ذبح کی شرعی حقیقت کا پایا جانا ضروری ہے، چاہے ذابح مسلم ہو یا کتابی، اس لئے وہ تمام صورتیں جن میں براہ راست یا کسی مشین کے ذریعہ کسی جانور کو اس طرح ہلاک کیا جائے کہ اسے شرعاً ذبح نہیں قرار دیا جاسکتا تو وہ ہلاک شدہ جانور ذبیحہ نہیں کہا جائے گا اور حلال نہیں ہوگا، مثلاً گولی مار کر ہلاک کر دینا، یا بجلی کی لہروں کے ذریعہ ذبح کی جگہ کو جلا دینا، یا جسم کے کسی اور حصہ کو زخمی کر کے خون نکال دینا، یا اس جیسی دوسری صورتیں۔

محور سوم

- ۱- از روئے شرع اسلام ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جانا چاہئے، اور غیر اللہ کے نام پر اگر کوئی جانور ذبح کیا جائے تو وہ حلال نہیں رہتا۔
- اگر کوئی جانور ذبح کیا جائے اور اس پر بسم اللہ نہیں کہی گئی تو ایسا یا تو بھول کر ہوا ہوگا یا قصداً بسم اللہ ترک کی گئی ہوگی، اگر بسم اللہ بھول کر چھوڑی گئی تو وہ ذبیحہ حلال ہوگا، اور اگر بسم اللہ

قصداً چھوڑی گئی تو جمہور فقہاء کے مسلک کے پیش نظر وہ ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر بطور استخفاف بسم اللہ نہیں پڑھی جائے تو ذبیحہ حلال نہیں ہوتا، لیکن اگر مقصود استخفاف نہ ہو مگر جان بوجھ کر کوئی شخص بسم اللہ نہ کہے تو چونکہ بسم اللہ کہنا ان کے نزدیک سنت ہے، ایسا ذبیحہ حلال ہوگا۔

واضح رہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک بسم اللہ کہنا واجب ہے اور سیدنا امام شافعیؒ کے نزدیک مسنون ہے، بہر حال تسمیہ واجب ہو یا مسنون، ہر مسلمان سے یہی امید کی جاتی ہے کہ وہ جان بوجھ کر بغیر اللہ کا نام لئے ذبح نہیں کرتا۔ لہذا ذبیحہ کسی بھی مسلمان کا ہو اس کے بارے میں ہم اس تحقیق کے مکلف نہیں ہیں کہ آیا اس پر قصداً بسم اللہ چھوڑی گئی ہے، اس لئے ہر مسلمان کے ذبیحہ کو حلال تصور کرنا چاہئے۔

۲- واضح رہے کہ بسم اللہ کہنا عمل ذبح پر واجب ہے، اس لئے اگر عمل ذبح متعدد ہوگا تو بسم اللہ بھی متعدد ہوگا، اور اگر عمل ذبح ایک ہوگا تو بسم اللہ بھی ایک بار کہنا کافی ہوگا۔ مثلاً ایک جانور کو بسم اللہ کہہ کر ذبح کیا گیا لیکن عمل ذبح مکمل ہونے سے پہلے وہ بھاگ کھڑا ہوا، اب اگر دوبارہ اسے ذبح کیا جائے گا تو دوبارہ بسم اللہ کہنی ہوگی۔

اور اگر ایک ہی بار چھری چلائی جائے اور اس ایک عمل ذبح سے بیک وقت کئی جانور ذبح ہو جائیں تو ایک بار کہی ہوئی بسم اللہ کافی ہوگی۔

واضح رہے کہ ذبح اختیاری میں ہر بار ذبح اور بسم اللہ کہتے وقت ذبیحہ کا معلوم و متعین ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ ایک یا زائد جن جانوروں کی نیت کر کے بسم اللہ کہی گئی ہے ان کی جگہ دوسرے جانور ذبح ہوں گے تو وہ حلال نہیں ہوں گے۔

۳- بعض اوقات جانور ذبح کرتے ہوئے ایک سے زائد افراد ذبح کے عمل میں شریک ہوتے ہیں، مثلاً چھری کے قبضہ پر دو آدمیوں کا ہاتھ ہو یا ایک کمزور شخص کے ہاتھ کے اوپر

دوسرے شخص کا ہاتھ ہو، تو ایسی صورت میں دونوں ہی افراد کو بسم اللہ کہنی ہوگی، جانور کا ہاتھ پیروسر پکڑنا ذبح کرنے میں شرکت نہیں ہوگی۔

محور چہارم

۱- آج یہ طریقہ رواج پارہا ہے کہ جانوروں کو ذبح کرنے سے پہلے بجلی یا کسی اور ذریعہ سے بے ہوش کیا جاتا ہے اور اسے جانوروں کے لئے الم اور تکلیف کم کرنے کا ذریعہ تصور کیا جاتا ہے۔ سمینار کو اس نقطہ نظر سے اتفاق نہیں ہے، اور بہتر طریقہ یہی ہے کہ بغیر بے ہوش کئے عمل ذبح پورا کیا جائے۔

لیکن اگر کہیں یہ عمل رائج ہو اور جانور کو بے ہوش کر کے ہی ذبح کیا جاتا ہو، اور اس کا اطمینان ہو کہ الیکٹرک شاک یا دوسرے بے ہوشی کے ذرائع کے استعمال کی وجہ سے جانور محض وقتی طور پر بے ہوش ہوا ہے، مرا نہیں ہے، اور اس کا اطمینان ہو کہ پوری احتیاط کے ساتھ الیکٹرک والٹیج اس طرح ایڈجسٹ کیا جاتا ہے کہ اس سے صرف بے ہوشی عمل میں آتی ہے، تو ایسے بے ہوش جانور کو اگر ذبح کیا جائے تو ذبیحہ حلال ہوگا۔



مشینی ذبیحہ ☆

مشینی ذبیحہ کے مسئلہ پر اسلامک فقہ اکیڈمی کے ساتویں سمینار منعقدہ بھروچ میں بحث کی گئی تھی اور اس کی بعض صورتوں کے جواز اور بعض صورتوں کے ناجائز ہونے پر اتفاق ہو گیا تھا۔ ایک صورت کی بابت علماء و مفتیان کرام کی رائیں مختلف تھیں، اور سمینار کا احساس تھا کہ اس مسئلہ پر دوبارہ غور کیا جائے اور مجوزین و مانعین کے دلائل کا خلاصہ دوبارہ مندوبین کی خدمت میں بھیجا جائے تاکہ وہ پھر غور کر کے مسئلہ پر رائے دے سکیں۔ چنانچہ اکیڈمی نے دوبارہ اسی سلسلہ میں مفصل سوالنامہ بھیجا اور اس پر جو جوابات آئے ان کی روشنی میں درج ذیل امور طے پائے:

۱- اگر جانور بجلی کے ذریعہ چلنے والی زنجیر یا پٹھ سے لٹک کے بے ہوشی کے مرحلہ سے گزرنے کے بعد ذبح کے سامنے پہنچتا ہے اور ذبح بسم اللہ کہہ کر اس کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر دیتا ہے، اور جانور کے ذبح کے وقت اس کے زندہ ہونے کا یقین ہے، تو یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔ اس لئے کہ اس میں صرف جانور کا نقل و حمل مشین کے ذریعہ ہو رہا ہے، باقی فعل ذبح ہاتھ سے انجام دیا جاتا ہے۔ اکیڈمی مسلمان ارباب مسالٰح سے خواہش کرتی ہے کہ وہ اسی طریقہ کو رواج دیں، اور اگر ضرورت محسوس ہو تو ذبح کی رفتار کو تیز کرنے کے لئے کئی ذبح کا تقرر کیا جائے۔

۲- مشینی ذبیحہ کی ایسی صورت جس میں جانور کے نقل و حمل اور ذبح دونوں کام مشین سے انجام پائیں، اس طرح کہ بٹن دبانے کے ساتھ مشین حرکت میں آجائے اور اس مشین پر

☆ نواں فقہی سمینار (جے پور) بتاریخ ۲۰-۳۰ جمادی الاول ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۱-۱۲ اکتوبر ۱۹۹۶ء۔

باری باری جانور آتا جائے۔ اس صورت کی بابت تین رائیں ہیں:

الف۔ پہلا جانور حلال ہوگا۔ اس کے بعد جو جانور ذبح ہوتے جائیں وہ جائز نہیں ہیں، یہ اکثر شرکاء سمینار کی رائے ہے۔

ب۔ پہلا جانور بھی حلال نہ ہوگا، یہ بعض حضرات کی رائے ہے جو درج ذیل ہیں:

مفتی شبیر احمد قاسمی، مراد آباد
مولانا مجیب الغفار اسعد اعظمی، بنارس
مولانا بدر احمد مجیبی، پٹنہ
مولانا ابوالحسن علی، گجرات

ج۔ پہلا جانور بھی حلال ہوگا، اور بعد میں جو جانور اس فعل ذبح کے منقطع ہونے سے پہلے ذبح ہو جائیں وہ بھی حلال ہیں۔ یہ رائے درج ذیل حضرات کی ہے:

مولانا رئیس الاحرار ندوی، مولانا صباح الدین ملک فلاحی، مولانا سلطان احمد اصلاحی،
مولانا جلال الدین انصر عمری، مولانا یعقوب اسماعیل، مولانا صدر الحسن ندوی، قاضی مجاہد الاسلام
قاسمی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی نسیم احمد قاسمی اور مولانا اعجاز احمد قاسمی۔

۳۔ جن حضرات کے نزدیک مشین کے ذریعہ ذبح کی صورت میں پہلا جانور حلال ہو جاتا ہے ان کے نزدیک اگر ایسی مشین ایجاد ہو جائے جس سے بڑی تعداد میں چھریاں متعلق ہوں، اور بٹن دباتے ہی بیک وقت چل کر ایک ایک جانور کو ایک ساتھ ذبح کر دیتی ہوں تو یہ تمام جانور حلال ہو جاتے ہیں۔

۴۔ واضح رہے کہ مشینی ذبیحہ کے بارے میں یہ احکام مشین کی مخصوص ہیئت اور وضع کو سامنے رکھ کر طے کئے گئے ہیں، ہر طرح اور ہر وضع کی مشین پر اس کا اطلاق نہیں ہوگا، بلکہ مشین کی مخصوص ہیئت اور طریقہ کار کی روشنی میں اس کا حکم مقرر کیا جاسکتا ہے۔



متفرق مسائل

☆ اعلامیہ برائے اتحاد امت

ہندوستانی مسلمان اس وقت نئے مسائل میں گھرے ہوئے ہیں، ان مسائل میں سب سے بڑا مسئلہ اپنے دین و ایمان اور تہذیبی شناخت و پہچان کو ہندوستان کے موجودہ ماحول میں باقی رکھنا ہے، اور اسی جذبہ کو اپنی نئی نسل میں منتقل کرنا ہے اور یہ کام سب کو مل جل کر کرنا ہے، تاکہ اس سرزمین میں اسلام کی کھیتی ہری بھری اور سرسبز و شاداب رہے اور ہم اپنے وجود سے برادران وطن کو بھی نفع پہنچاتے رہیں۔

اس اہم ضروری اور بنیادی کام کے لئے ہم سب کو ذات، برادری، خاندان کی تقسیم سے اونچا اٹھ کر اور مسلک و مشرب کے تمام اختلافات سے بالاتر ہو کر خدا کی رسی کو مضبوط پکڑنا ہے، رنگ و نسل کے فرق کو مٹانا ہے، زبان اور علاقہ کے بت کو آستین سے نکالنا ہے، اور اس حقیقت کو دل و دماغ میں بٹھانا ہے کہ اتحاد و اتفاق ہی زندگی ہے اور انتشار و اختلاف موت، مگر افسوس کہ کچھ دنوں سے یہ بات شدت کے ساتھ محسوس کی جا رہی ہے کہ ہندوستانی مسلمان زندگی کی شاہراہ (اتحاد و اتفاق) کو چھوڑ کر موت (انتشار و اختلاف) کی طرف بڑھ رہے ہیں جو ہماری دینی، ملی اور اسلامی زندگی کے لئے حد درجہ خطرناک ہے، اس لئے عالم اسلام کے باوقار ادارہ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی مجلس فقہی نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲۴ تا ۲۷ صفر ۱۴۰۸ھ میں دنیا بھر کے مسلمانوں

☆ (اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی جانب سے دسواں فقہی سمینار حج ہاؤس ممبئی میں ۲۱-۲۴ جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۴-۲۷ اکتوبر ۱۹۹۷ء کو منعقد ہوا جس میں ملک بھر سے آئے ہوئے علماء، فقہاء اور اہل افتاء نے بڑی فکر مندی اور دردمندی کے ساتھ اپنے دستخط سے درج ذیل اعلامیہ برائے اتحاد امت جاری کیا)۔

سے اخوت و اتحاد کی اپیل کرتے ہوئے کہا ہے کہ مسلمان اپنے فقہی اور مسلکی اختلافات میں اعتدال اور توازن کے دامن کو نہ چھوڑیں اور ایک دوسرے کی دل آزاری نہ کریں۔

آئیے اس موقع پر ہم اپنے اس سبق کو تازہ کریں کہ:

ہم ایک خدا کے بندے ہیں، ہم سب حضرت محمد ﷺ کو اپنا آخری رسول مانتے ہیں، ہمارا ایمان ہے کہ قرآن حکیم خدا کی آخری کتاب ہے، ہم جب نماز پڑھتے ہیں تو کعبہ ہی کو اپنا قبلہ بناتے ہیں، ہمارا دین ”اسلام“ ہے جس سے قیامت تک کے لئے اللہ راضی ہو گیا، اور ہم نے اپنی نجات کے لئے اس دین اسلام کو اپنا لیا۔

اس لئے ہم عہد کرتے ہیں کہ:

۱- ہم تمام مسلمان خواہ کسی ذات، برادری، خاندان اور مسلک و مشرب سے وابستہ ہوں، ایک رہیں گے، اور اپنی عملی زندگی سے اسلامی اخوت اور مساوات کا ثبوت دیں گے۔

۲- اپنے مسلک اور مشرب کے اختلاف کو علمی دائرہ تک محدود رکھتے ہوئے امت کی اجتماعیت کو متاثر نہ ہونے دیں گے۔

۳- ایک دوسرے کے امام، رہنما اور پیشوا کے احترام کو ملحوظ رکھیں گے، اور ان کی شان میں ایسی باتوں کے اظہار سے پرہیز کریں گے جن سے ان کی عزت و توقیر میں فرق آتا ہو۔

۴- ہم لوگ آپس میں بھی ایک دوسرے کا احترام کریں گے، نہ کسی کا مذاق اڑائیں گے اور نہ دل آزاری کریں گے، ایک دوسرے کی جان و مال اور عزت و آبرو کا پاس و لحاظ رکھیں گے۔

۵- اچھے اور نیک کام میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے، ایک دوسرے کے خلاف الزام تراشی، اخباری بیان بازی اور پوسٹر بازی سے گریز کریں گے، اور ہم اپنی زندگی سے اس حقیقت کو اجاگر کریں گے کہ ہم ایک دوسرے کے رفیق ہیں نہ کہ فریق۔

۶- اپنے اختلافی اور نزاعی مسائل آپسی گفتگو سے حل کریں گے، اور جہاں شرعی دارالقضاء قائم ہو وہاں اپنے مسئلہ کو پیش کریں گے۔

۷- ہم اپنی اجتماعی زندگی میں صبر، تحمل، برداشت اور رواداری کا ثبوت دیں گے۔

۸- ذات، برادری، قبیلہ اور خاندان کی تقسیم میں الجھ کر اپنی زندگی اور اجتماعی شیرازہ بندی کو ہرگز نقصان نہ پہنچنے دیں گے، اور اس حقیقت کا اظہار کریں گے کہ اللہ کے یہاں بڑائی کا معیار تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

۹- اپنے فروعی اور جزوی اختلافات کو دین اور عقیدہ کی بنیاد اور اساس نہیں بنائیں گے، اور اپنی اجتماعی اور ملی زندگی میں ایک مستحکم عمارت کی طرح رہیں گے جس کی اینٹیں ایک دوسرے سے تقویت حاصل کرتی ہیں۔

۱۰- بعض فرقہ پرست عناصر اور سیاسی استحصال کرنے والی قوتیں منظم سازش کے تحت مسلمانوں کو مختلف قسم کی گروہ بندی اور فرقہ بندی میں مبتلا کر رہی ہیں، ہم مسلمان اپنے شعور اور مؤمنانہ فراست سے ان سازشوں اور منصوبوں کو ناکام بنائیں گے۔

نوٹ: اس اعلامیہ کی خواندگی و باضابطہ منظوری ممتاز علماء کی موجودگی میں ہوئی۔



دینی وعصری اداروں کے طلبہ ☆

یہ سمینار عربی مدارس کے ذمہ داروں سے درخواست کرتا ہے کہ:

۱- طلبہ کو جدید حالات پر احکام شرعیہ کے انطباق کا اہل بنانے کے لئے فقہی سمینار میں آنے والے مسائل اور دوسرے جدید مسائل پر طلبہ کا بین المدارس مذاکرہ منعقد کرائیں، اور اگر مدارس خواہش کریں تو اسلامک فقہ اکیڈمی ایسے مذاکروں میں تعاون کے لئے ممتاز علماء میں سے کسی صاحب سے ایسے مواقع پر شرکت کے لئے درخواست کر سکتی ہے۔

۲- دینی مدارس کے طلبہ کے لئے سمینار یہ بھی مناسب سمجھتا ہے کہ معاشیات اور مختلف عصری علوم کے محاضرات کا نظم کیا جائے تاکہ طلبہ ان علوم کی مبادیات اور اس کی بنیادی فکر کو سمجھ سکیں اور احکام شرعیہ کو ان سے مربوط کر سکیں، اور اسلامک فقہ اکیڈمی اس سلسلہ میں ممکن تعاون کے لئے تیار ہے۔

یہ سمینار اس بات کی بھی ضرورت محسوس کرتا ہے کہ عصری درسگاہوں کے طلباء کے لئے ایسے محاضرات اور کیمپس (Camps) کا نظم کیا جائے کہ اس کے ذریعہ ان کو اسلام کے مختلف شعبوں کی بنیادی تعلیمات، اسلام کے بنیادی اصول تعلیم، اسلامی قانون کی تاریخ اور اس کی ہر عہد میں انسانیت کی رہنمائی کی صلاحیت اور ضروری اصطلاحات سے واقف کرایا جائے۔

سمینار کی خواہش ہے کہ اسلامک فقہ اکیڈمی اس سلسلہ میں مناسب اقدام کرے۔



☆ تیسرا فقہی سمینار (بنگلور) بتاریخ ۱۳-۱۳ رزی قعدہ ۱۴۱۰ھ مطابق ۸-۱۱ جون ۱۹۹۰ء۔

☆ وظیفہ طلبہ

مدرسہ میں طلباء کے قیام و طعام اور تعلیم وغیرہ پر جو مجموعی مصارف آتے ہیں، ان کا حساب لگا کر ہر طالب علم پر واجب الادا ماہانہ اخراجات کے بقدر مد زکوٰۃ سے ادا کئے جائیں۔ یہ ادائیگی بصورت نقد یا چیک طالب علم کو دی جائے، اور خود مہتمم مدرسہ بھی یہ رقم زکوٰۃ اکاؤنٹ سے نکال کر مدرسہ کے عام اکاؤنٹ میں اس کی طرف سے جمع کر سکتا ہے، بشرطیکہ بوقت داخلہ، فارم داخلہ میں طالب علم کی طرف سے اور اگر نابالغ ہو تو اس کے ولی کی طرف سے یہ تصریح کرادی جائے کہ مہتمم مدرسہ اس کی طرف سے از مد زکوٰۃ اس کے اخراجات مدرسہ کو ادا کرنے کا مجاز ہوگا۔



اسلام اور امن عالم ☆

۱- تشدد کا ہر وہ عمل جس کے ذریعہ کسی فرد یا جماعت کو کسی شرعی جواز کے بغیر خوف و ہراس میں مبتلا کیا جائے یا اس کی جان و مال، عزت و آبرو، وطن و دین اور عقیدے کو خطرے سے دوچار کیا جائے دہشت گردی ہے، خواہ یہ عمل کسی فرد کی طرف سے ہو یا جماعت و حکومت کی طرف سے۔

۲- کسی بھی حکومت و ریاست کی طرف سے ایسی تدبیریں اختیار کرنا جن سے کسی فرد اور جماعت کو اس کے واجبی حقوق سے محروم کیا جائے، یا ان کو کسی طرح کا نقصان پہنچایا جائے دہشت گردی میں داخل ہے۔

۳: الف- کسی بھی طرح کی نا انصافی کے خلاف مناسب اور مؤثر طریقہ پر آواز کا اٹھانا مظلوم کا ایک حق ہے۔

ب- مظلوم کی طرف سے ظلم کا دفاع دہشت گردی نہیں ہے۔

۴- ظلم کرنے والوں کا تعلق جس طبقہ اور گروہ سے ہو، اس کا بے قصور افراد سے ظلم کا بدلہ لینا جائز نہیں ہے۔

۵- دہشت گردی کے سد باب کی صورت یہ ہے کہ تمام لوگوں کو مساوی طریقہ پر عدل و انصاف فراہم کیا جائے، انسانی حقوق کا مکمل احترام، جان و مال اور آبرو کا مکمل تحفظ کیا جائے، نسلی، قبائلی، مذہبی اور لسانی امتیازات کا لحاظ کئے بغیر تمام انسانوں کو باعزت زندگی گزارنے کا موقع دیا جائے۔

۶- کسی کی جان و مال اور عزت و آبرو پر حملے کی صورت میں اس کو مدافعت کرنے کا

پورا حق حاصل ہے۔

☆ چودھواں فقہی سمینار (حیدرآباد) بتاریخ ۱-۳ جمادی الاول ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۰-۲۲ جون ۲۰۰۴ء۔

تفریح و سیاحت - اس کے احکام و شرعی ضوابط ☆

۱- فلم سازی، کارٹون اور ڈرامہ:

- ۱- غیر ذی روح اشیاء مثلاً تاریخی مقامات اور قدرتی مناظر کی عکس بندی جائز ہے۔
- ۲- تفریحی مقاصد کے لئے ذی روح کی عکس بندی جائز نہیں ہے۔
- ۳- تعلیمی، اصلاحی اور دعوتی مقاصد کے لئے عکس بندی اور اس سے استفادہ کی گنجائش ہے خواہ اس میں ضمناً ذی روح کا عکس آ گیا ہو۔
- ۴- ایسی عکس بندی جن میں کسی عورت کی تصویر ہو یا انبیاء و صحابہ کی تمثیل ہو یا دیگر کوئی شرعی منکر ہو، بنانا اور ان کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔
- ۵- ایسے کارٹون جن میں خدوخال واضح ہوں وہ تصویر میں شمار ہو کر ناجائز ہیں۔
- ۶- ایسے کارٹون بنانا جس سے کسی کی اہانت مقصود ہو جائز نہیں ہے اگرچہ اس میں خدوخال واضح نہ ہوں۔
- ۷- ایسے کارٹون جو عریانی پر مشتمل ہوں یا برائی کی ترغیب دے رہے ہوں وہ بھی جائز نہیں ہیں۔
- ۸- تربیتی مقصد سے بچوں کے لئے ایسے کارٹون بنانا جن میں خدوخال واضح نہ ہوں اور بچوں کے لئے نفسیاتی، اخلاقی اور لسانی نقطہ نظر سے مفید ہوں جائز ہے۔
- ۹- کارٹون سازی کی جو شکلیں جائز ہیں ان کو ذریعہ آمدنی بنانے اور اس مقصد کے

☆ بیسواں فقہی سیمینار (راپور، یوپی) بتاریخ: ۲۹ ربیع الاول - ۱ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ مطابق ۵-۷ مارچ ۲۰۱۱ء۔

لئے ملازمت کرنے کی گنجائش ہے۔

۱۰۔ اچھے کاموں کی ترغیب اور معاشرہ کے مفاسد پر تنقید کے لئے مکالمات اسٹیج کئے جاسکتے ہیں بشرطیکہ اس میں موسیقی یا کسی کی کردار کشی یا مردوزن کا اختلاط یا انبیاء و ملائکہ اور صحابہ کی تمثیل نہ ہو نیز غیر شرعی اور غیر اخلاقی امور سے پاک ہو۔

۲۔ مزاج:

الف۔ مزاج جائز ہے بشرطیکہ وہ جھوٹ، فحش نیز استہزاء و ایذا رسانی پر مشتمل نہ ہو۔
ب۔ ایسے مزاجیہ پروگرام یا مزاجیہ مشاعرے جن سے دینی یا دنیوی مصالح متاثر ہوں، جائز نہیں ہیں۔

ج۔ لطیفہ گوئی یا مزاح نویسی کو ذریعہ معاش بنالینا مناسب نہیں ہے۔
د۔ ایسے پروگرام جن کا مقصد صرف ہنسنا ہنسانا ہو شریعت کے مزاج کے خلاف ہیں؛
البتہ یہ غرض علاج اس کی گنجائش ہے۔

۳۔ سیاحت:

الف۔ اسراف سے بچتے ہوئے تفریحی مقصد کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر کرنا جائز ہے۔

ب۔ ایسے مقامات جہاں جان یا عزت و آبرو کا تحفظ خطرے میں ہو، وہاں نہ خود جانا درست ہے اور نہ اہل و عیال کو ساتھ لے جانا درست ہے۔

ج۔ تفریح کے لیے ایسی جگہوں میں جانا جہاں غیر شرعی امور کا غلبہ ہو جائز نہیں ہے، اور ایسے مقامات پر جانے والوں کو سواری کرائے پر دینے یا اشیاء خورد و نوش فروخت کرنے کے لئے دکان لگانے کی گنجائش ہے۔

د۔ جائز مقاصد کے لیے ٹراویس کمپنیوں کا قیام درست ہے۔

ھ- سیاحت کا تعلق مذہبی، تہذیبی اور ثقافتی رشتوں کو مضبوط کرنے، اپنے گزرے ہوئے لوگوں کے کارناموں کو اجاگر کرنے اور مذہبی و قومی تاریخ سے روشناس کرانے سے ہے، اس لئے جو مسلمان اس پیشہ سے جڑے ہوئے ہیں، ان سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے لئے اسلامی نقطہ نظر سے ان مقاصد کو پورا کرنے والے پیکیج تیار کریں تاکہ مسلمان نوجوانوں کو بے راہ روی اور احساس کمتری سے بچایا جاسکے اور غیر مسلم بھائیوں کے سامنے بھی مسلمانوں کی صحیح تصویر آ سکے۔

۴- کھیل کود:

الف- ایسے کھیل جو انسان کے وسیع تر مفاد میں ہوں، جن سے جسمانی قوت، چستی و نشاط کی بحالی میں مدد ملتی ہو جائز ہیں بشرطیکہ وہ منکرات سے خالی ہوں۔ دینی یا دنیوی حقوق و فرائض سے غفلت یا کسی بھی جاندار کی اذیت کا باعث نہ ہوں۔

ب- عام حالات میں شریعت نے مرد و عورت کی ستر پوشی کے لیے جو اصول مقرر کیے ہیں، کھلاڑیوں کے لیے بھی ان کی پابندی ضروری ہے۔

ج- جن کھیلوں کے بارے میں احادیث میں ترغیب آئی ہے وہ مستحب ہیں، ان کے علاوہ مروجہ کھیلوں میں جو مذکورہ بالا اصول کے مطابق ہوں وہ جائز ہیں۔

د- کھیل کی ہارجیت میں پیسے کی شرط اگر یک طرفہ ہو یا کسی تیسرے فریق کی جانب سے ہو تو جائز ہے، اور اگر شرط جانبین سے ہو تو ناجائز ہے۔

ھ- وقت انسانی زندگی کا قیمتی سرمایہ ہے، لہذا از روئے شرع کوئی بھی ایسا کھیل کراہت سے خالی نہیں ہوگا جو اپنے طریقے اور لباس کے اعتبار سے تو محرمات پر مشتمل نہ ہو لیکن اس میں کھیلنے یا دیکھنے والوں کا کافی وقت ضائع ہوتا ہو۔

و- جو کھیل جائز ہیں انہیں دیکھنے اور ان کے لیے ٹکٹ خریدنے کی گنجائش ہے۔

ز۔ جو لوگ کھیل میں شریک نہیں ہیں لیکن کسی فریق یا فرد کے جیتنے پر آپس میں پیسوں کی بازی لگائیں تو یہ بھی قمار میں داخل ہے اور حرام ہے۔

ح۔ کھیل کی ایک وقتی تفریح کی حد تک تو گنجائش ہے، مگر اس کو زندگی کا مقصد بنالینا جائز نہیں ہے۔

ط۔ تعلیم و کسب معاش کے جائز سرگرمیوں کو چھوڑ کر اپنے آپ کو کھیل کے لئے وقف کر دینا مناسب نہیں ہے۔



تجويز بہ سلسلہ تحفظ خواتين ☆

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على خاتم النبيين

ومن تبعهم باحسان إلى يوم الدين ، أما بعد ۔

اس وقت پوری دنیا میں خواتين کے حقوق اور ان کے تحفظ کا مسئلہ زیر بحث ہے، خواتين کے حقوق کے سلسلہ میں مغربی دنیا کا تصور یہ ہے کہ شوہر و بیوی ایک دوسرے کے پارٹنر ہیں، ان میں کسی کی حیثیت صدر خاندان اور قوام کی نہیں ہے؛ اس لئے اہل مغرب کا خیال یہ ہے کہ حق طلاق کے معاملہ میں مرد و عورت کو یکساں درجہ حاصل ہونا چاہئے اور کوئی بھی فریق عدالت کے رابطہ کے بغیر علاحدگی حاصل نہیں کر سکتا، اسی طرح تعدد از دواج کی اجازت نہ عورت کے لئے ہونی چاہئے اور نہ مرد کے لئے، میراث میں دونوں کا حق برابر ہونا چاہئے، حق ولایت باپ اور ماں دونوں کو حاصل ہونا چاہئے، ۱۸ سال سے پہلے نہ لڑکیوں کو نکاح کی اجازت ہونی چاہئے اور نہ لڑکوں کو، ولد الزنا کا نسب زانی سے ثابت ہونا چاہئے، لڑکا ہو یا لڑکی ۱۸ سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد وہ اپنے جسم کے مکمل طور پر مالک ہیں، اور ان کے حق میں جنسی لذت اندوزی پر کوئی ممانعت نہیں ہونی چاہئے، املاک پر مشترکہ ملکیت ہونی چاہئے اور طلاق کے بعد املاک کی دونوں کے درمیان مساویانہ تقسیم ہونی چاہئے، مرد خود اپنی منکوحہ سے اگر اس کی رضامندی کے بغیر جنسی تمتع کرے، تو اس کو بھی جرم اور زنا شمار کیا جانا چاہئے، خواتين کو مانع حمل وسائل استعمال کرنے اور اپنا حمل ساقط کرانے کی اجازت ہونی چاہئے۔

☆ بانیسواں فقہی سمینار (امروہہ، یوپی) بتاریخ: ۲۵-۲۷ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ مطابق ۹-۱۱ مارچ ۲۰۱۳ء۔

یہ وہ تجاویز ہیں جو اقوام متحدہ کی خواتین کمیٹی کے ۵۷ ویں اجلاس منعقدہ: ۱۴-۱۵ مارچ ۲۰۱۳ء میں پیش کی جانے والی ہیں، جس کا عنوان ہے: ”عورتوں اور نوجوان لڑکیوں کے خلاف تشدد اختیار کئے جانے والے تمام طریقوں کی روک تھام اور ان کا خاتمہ“ — نیز مغربی قوتوں کی طرف سے کوشش کی جا رہی ہے کہ اقوام متحدہ کے تمام ممبر ممالک اس پر دستخط کر دیں، اور جو ممالک اس پر دستخط کریں گے، اگر ان ممالک میں اس کے خلاف قانون باقی رکھا گیا تو اقوام متحدہ کو اس میں مداخلت کرنے اور ان حکومتوں کو بین الاقوامی عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

اگرچہ ان قوانین کی زد تمام ہی آسمانی اور غیر آسمانی مذاہب پر پڑتی ہے؛ لیکن صورت حال یہ ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ تمام مذہبی گروہوں نے اس بات کو عملاً قبول کر لیا ہے کہ مذہب سے ان کا تعلق محض رسمی ہوگا، زندگی کے دوسرے مسائل میں مذہب کا کوئی دخل نہیں ہوگا، یہ صرف اُمت مسلمہ ہے، جو آج بھی مذہب کو اپنی پوری زندگی میں حکمراں تسلیم کرتی ہے؛ اس لئے ٹکراؤ براہ راست مسلمانوں سے ہوگا، عالم اسلام اور ملت اسلامیہ کا فریضہ ہے کہ وہ حکمت اور بلند حوصلگی کے ساتھ اس صورت حال کا مقابلہ کریں اور ہرگز ایسی غیر اخلاقی مہم سے متاثر نہ ہوں۔

ایک اہم مسئلہ پوری دنیا میں خواتین کے ساتھ ظلم و زیادتی اور تشدد کا بڑھتا ہوا رجحان ہے، خود ہمارے ملک ہندوستان میں خواتین پر تشدد اور جنسی ہراسانی کے جو واقعات پیش آرہے ہیں، وہ انتہائی افسوس ناک بلکہ پوری قوم کے لئے باعث شرم ہیں، ہر طرف سے اس کی روک تھام کے لئے سخت قوانین بنائے جانے کا مطالبہ ہو رہا ہے، اور حکومت اس پر غور کر رہی ہے۔

اسلام کا تصور یہ ہے کہ خود فطرت نے مردوں اور عورتوں کے درمیان صلاحیتوں کا اور قویٰ کا فرق رکھا ہے؛ اس لئے خاندانی نظام کے استحکام اور سماج کو پاکیزہ رکھنے کے لئے مساوات کی نہیں، عدل کی ضرورت ہے، مردوں پر ان کی صلاحیتوں کے مطابق ذمہ داریاں عائد

کی جائیں اور عورتوں پر ان کی صلاحیت کے لحاظ سے، پھر جس پر جو ذمہ داریاں ہوں اور ان کی جو صلاحیتیں ہوں، اسی لحاظ سے ان کے حقوق و فرائض مقرر ہوں؛ اسی لئے اسلام نے تمام مالی ذمہ داریاں، خاندان کی کفالت اور اس کی حفاظت مردوں کے ذمہ رکھی ہے، عورتوں کو اس سے فارغ رکھا گیا ہے؛ لیکن خاندانی نظام میں استحکام اور انتظام کو برقرار رکھنے کے لئے مرد کو صدر خاندان بنایا گیا ہے اور اس کی حیثیت ”قوام و نگران“ کی مقرر کی گئی ہے، عائلی زندگی سے متعلق تمام احکام کی بنیاد اسی اصول پر ہے۔

اسی طرح اسلام کی نظر میں خواتین کے تحفظ کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور مردوں پر اس کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے؛ لیکن وہ اس بات پر بھی توجہ دیتا ہے کہ ان اسباب و محرکات کو ختم یا کم سے کم کر دیا جائے جو انسان کو جرم پر اکساتی ہیں، ایسا ماحول بنایا جائے جس میں لوگوں کے اندر جرم کی تحریک ہی پیدا نہ ہو، پھر اس کے ساتھ ساتھ جرائم پر سخت سزائیں مقرر کی جائیں؛ تاکہ مظلوم کے ساتھ بھی انصاف ہو اور مجرم کے ساتھ بھی نا انصافی نہ ہو، جرم کے محرکات کو روکے بغیر صرف سخت سزائیں مقرر کر دی جائیں، تو اس سے جرم کا سد باب نہیں ہو سکتا اور یہ بات تقاضاء انصاف کے بھی خلاف ہے۔

اس پس منظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے بانیسواں فقہی سیمینار منعقدہ: ۲۶-۲۸ / ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ مطابق ۹-۱۱ / مارچ ۲۰۱۳ء، جامعہ اسلامیہ عربیہ، جامع مسجد امروہہ میں اس موضوع سے متعلق درج ذیل تجاویز منظور کی جاتی ہیں:

(۱) انسانی آبادی — بہ شمول مغربی اور مغرب زدہ ممالک — کا غالب ترین حصہ کسی نہ کسی مذہب سے وابستہ ہے اور سماجی و ازدواجی زندگی میں عورتوں اور مردوں کے درمیان مکمل مساوات، نیز لڑکوں اور لڑکیوں کو بغیر کسی قانونی رشتہ کے فطری اور غیر فطری طریقہ پر جنسی لذت اندوزی کی اجازت دینا تمام مذاہب کی مسلمہ تعلیمات کے خلاف ہے؛ اس لئے جب یہ ممالک

جمہوریت اور رائے عامہ کے احترام پر مبنی نظام حکومت کا دعویٰ کرتے ہیں تو ان کا فریضہ ہے کہ ایسے مذہب بیزار اور اخلاق باختہ قوانین سے خود بھی اپنا دامن بچائیں اور دوسروں پر بھی ان کو مسلط کرنے کی کوشش نہ کریں۔

(۲) یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مساوات کا یہ تصور اپنی تفصیلات کے ساتھ قانونِ فطرت سے متصادم ہے اور جب بھی انسان قانونِ فطرت سے ٹکراتا ہے تو اللہ کے عذاب میں گرفتار ہوتا ہے، جس کی ایک مثال ایڈز جیسی جان لیوا اور موذی بیماری ہے؛ اس لئے پوری دنیا کا فریضہ ہے کہ وہ قانونِ فطرت سے متصادم ہونے کا خیال ترک کر دے اور الہامی قوانین کی برتری کو تسلیم کرے؛ کیوں کہ یہ خود خالقِ فطرت کا نازل کیا ہوا قانونِ زندگی ہے، جس سے بڑھ کر کوئی اور ذات انسانیت کی مصلحت اور مضرت سے آگاہ و باخبر نہیں ہو سکتی۔

(۳) عالم اسلام سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ مغرب کی اس سازش کو سمجھنے کی کوشش کریں، جس کا مقصد خواتین کے حقوق کا تحفظ نہیں ہے؛ بلکہ خاندان سے متعلق اسلام کے بنیادی تصور کو ڈھا دینا ہے؛ اس لئے وہ پوری قوت کے ساتھ اس خدا بیزار، انسانیت مخالف اور اخلاق دشمن مہم کی مخالفت کریں اور ہرگز ایسے کسی مسودہ پر دستخط نہ کریں۔

(۴) حکومت ہند سے اپیل کی جاتی ہے کہ اس ملک میں بسنے والی تمام ہی مذہبی اکائیوں کے نزدیک اس طرح کے قوانین ناقابلِ قبول ہیں، اور ملک کے دستور میں تمام شہریوں کو جو مذہبی آزادی عطا کی گئی ہے، سراسر اس کے مغائر ہے، اس لئے ہندوستان کو ان تجاویز پر ہرگز دستخط نہیں کرنا چاہئے۔

(۵) حکومت ہند سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ جنسی جرائم کے سدباب کے لئے صرف زنا پر سخت سزا کو کافی نہ سمجھے؛ بلکہ ان اسباب و محرکات کو روکے، جو اس گناہ پر اُکساتے ہیں، جیسے: شراب کے کارخانے بند ہوں، مکمل طور پر نشہ پر پابندی عائد کی جائے، جو دستور ہند کے رہنما

اُصول کا حصہ ہے، جداگانہ نظام تعلیم کی تشکیل کی جائے، اجنبی مرد و عورت کے اختلاط کو حتیٰ المقدور روکا جائے، لڑکوں اور لڑکیوں کو ڈھیلے ڈھالے اور سائتر لباس پہننے کا پابند کیا جائے، فحش فلموں اور میڈیا کے ناشائستہ پروگراموں کو روکا جائے، خواتین کے لئے نائٹ ڈیوٹی کو ممنوع قرار دیا جائے، نکاح کے لئے لڑکوں کے حق میں ۲۱ سال کی اور لڑکیوں کے حق میں ۱۸ سال کی شرط ختم کر دی جائے اور اس طرح کی احتیاطی تدابیر کے ساتھ پھر زنا پر --- خواہ وہ باہمی رضا مندی سے ہو یا جبر کے ساتھ --- سخت سزا مقرر کی جائے۔

(۶) یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ صرف قانون کے ذریعہ کسی برائی کو روکا نہیں جاسکتا، جب تک کہ دل و دماغ میں تبدیلی نہ لائی جائے، اس لئے اس وقت زنا، قتل، رہزنی اور کرپشن کے بڑھتے ہوئے واقعات اور ان واقعات میں تعلیم یافتہ لوگوں کے یکساں طور پر ملوث ہونے کے اعتبار سے یہ بات ضروری ہو گئی ہے کہ حکومت اخلاقی تعلیم کو تعلیمی اداروں کے نصاب میں لازمی جزو کی حیثیت سے شامل کرے، ذرائع ابلاغ کے ذریعہ اخلاق پر مبنی تربیتی پروگرام نشر کئے جائیں اور تجارتی اشتہارات کو اخلاقی قدروں کا پابند بنایا جائے۔

(۷) مسلمان ایک داعی گروہ ہیں اور ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ صرف زبان ہی سے نہیں؛ بلکہ اپنے عمل کے ذریعہ بھی اسلام کی دعوت پیش کریں، خواتین سے متعلق حقوق ادا کرنے کا اہتمام کریں، ان پر مظالم کے ارتکاب سے بچیں، عورتوں کو شرعی اصولوں کے مطابق میراث میں ان کا حق دیا کریں، طلاق کے بے جا استعمال سے پرہیز کریں، نکاح کو عبادت کے بجائے تجارت نہ بنالیں اور ایک ایسے سماج کی تعمیر کریں، جو واقعی اُس حسن سلوک کا بہترین مظہر ہو، جس کا اسلام میں حکم دیا گیا ہے اور جس میں خواتین کی عزت و توقیر کا پورا پورا لحاظ رکھا جاتا ہو۔



شہریت سے متعلق مسائل ☆

۱- اسلام ایک دین اور مسلمان ایک امت ہیں، اسلام مسلمانوں کو ایک وحدت سے جوڑتا ہے اور ان کو ایک جسم و جان کا درجہ دیتا ہے، اس لحاظ سے اسلام کا اصل مزاج یہ ہے کہ مسلمان خواہ وہ دنیا کے کسی حصے میں ہوں، کلمہ کی بنیاد پر ایک امت ہیں، اور ان کے درمیان کسی تفریق و امتیاز کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاسکتی اور نہ کسی جانبدارانہ سلوک کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

۲- البتہ عہد جدید میں مغرب کے اثرات سے موجودہ نظام شہریت نے جو حد بندیاں قائم کی ہیں اور جغرافیائی بنیادوں پر انسانوں میں تقسیمات کی گئی ہیں نیز ہر ملک کے شہری کو ایک الگ قوم تصور کیا جاتا ہے، افسوس کہ اس کے اثرات امت مسلمہ پر بھی پڑے ہیں، مختلف ملکوں میں رہنے والے مسلمانوں کو قوم واحد کی بجائے مختلف قوموں میں تقسیم کر دیا گیا ہے اور ان کی آزادانہ نقل و حرکت اور قیام و سکونت میں مشکلات پیدا ہو گئی ہیں، گو یہ نظام، اسلام کے آفاقی نظریہ وحدت سے ہم آہنگ نہیں ہے، لیکن موجودہ بین الاقوامی احوال اور علاقائی مصالح و اسباب کے تحت ملکوں میں شہریت کا جو نظام رائج ہے، موجودہ حالات میں اس کو قبول کرنے کی گنجائش ہے۔

۳- مسلم یا غیر مسلم ملک کا مسلمان کسی مسلم ملک میں شہریت کا خواہش مند ہو اور اس کے اپنے ملک میں دین و ایمان، جان و مال اور عزت و آبرو کو سخت خطرہ درپیش ہو تو اس مسلم ملک پر اس کی درخواست کو قبول کرنا لازم ہوگا۔

☆ تنیسواں فقہی سمینار (جمہور، گجرات) بتاریخ: ۲۸، ۲۹ ربیع الثانی و یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ مطابق ۱-۳ مارچ ۲۰۱۴ء۔

۴- کسی ملک کے مسلمان مجبور ہو کر دوسرے مسلم ملک میں پناہ گزریں ہو جائیں تو ایسے ملک کا فریضہ ہے کہ وہ ان پناہ گزینوں کو تمام شہری حقوق عطا کرے۔

۵- کسی مسلمان کے لیے غیر مسلم ملک کی شہریت اختیار کرنے کی درج ذیل صورتیں ہیں:
(الف) ایسا غیر مسلم ملک جہاں دین و ایمان جان و مال اور نسل کے تحفظ کو خطرہ ہو وہاں کی شہریت اختیار کرنا جائز نہیں ہے؛

البتہ اس قسم کے خطرات نہ ہوں تو جائز ہے۔

(ب) کسی ملک کی غیر اسلامی تہذیب و تمدن سے متاثر ہو کر وہاں کی شہریت حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

(ج) محض معیارِ زندگی بلند کرنے کے لیے مسلم ملک کے کسی شہر کا غیر مسلم ملک کی شہریت اختیار کرنا ناپسندیدہ ہے۔

(د) معاشی مجبوریوں طبی ضرورتوں، اور تعلیمی مقاصد کے لیے غیر مسلم ملک کی شہریت کا حصول جائز ہے۔

(ه) دعوتی اغراض کے لیے غیر مسلم ملک کی شہریت اختیار کرنا مستحب ہے۔



رحم کو کرایہ یا عاریت پر دینا ☆

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس فطرت پر پیدا کیا ہے، اس پر قائم رہنے میں نہ صرف آخرت کی نجات ہے؛ بلکہ دنیا کی بھی فلاح ہے، شریعتِ اسلامی چونکہ اس ذات کی نازل کی ہوئی ہے، جس نے اس کائنات کو وجود بخشا ہے اور اس کی فطرت بنائی ہے؛ اس لئے یہ شریعت پوری طرح فطرتِ انسانی سے ہم آہنگ ہے ”فطرة الله التي فطر الناس عليها“ شیطان چونکہ انسانوں کا دشمن ہے، اس لئے اس کی خاص مہم یہ ہے کہ بنی نوع انسان کو فطرت سے بغاوت پر اکسایا جائے اور اس کو اُن فطری قوانین سے برگشتہ کر دیا جائے، جن میں اس کی بھلائی مضمر ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کے عزائم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

”وَلَا ضَلٰلَہُمْ وَلَا مَنٰیہُمْ وَلَا مَرٰنَہُمْ فَلَیٰتَکُنْ اٰذَانُ الْاَنْعَامِ
وَلَا مَرٰنَہُمْ فَلِیَغٰیِرْنَ خَلْقَ اللّٰہِ وَمَنْ یَتَّخِذِ الشَّیْطٰنَ وَلِیًّا مِّنْ دُوْنِ
اللّٰہِ فَقَدْ خَسِرَ خَسِرًا مُّبِیْنًا“ (نساء: ۱۱۹)۔

افسوس کہ موجودہ مغربی تہذیب اس تصور پر مبنی ہے کہ انسانی زندگی میں مذہب و اخلاق کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے؛ اس لئے وہ فطرت سے بغاوت کی راہ پر چل رہی ہے، نکاح کے بجائے غیر قانونی رشتہ کی اجازت، ہم جنسی کی اجازت، بے پردگی و عریانیت کو بنیادی حق کی حیثیت دینا، نسلِ انسانی کی افزائش کو روکنا اور اس طرح کے کتنے ہی مسائل ہیں، جو پوری طرح اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی فطرت سے متصادم ہیں، اور ان کا ارتکاب نہ صرف اخلاقی نقطہ نظر سے

☆ تنیسواں فقہی سمینار (جبوسر، گجرات) بتاریخ: ۲۸، ۲۹ ربیع الثانی و یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ مطابق ۱-۳ مارچ ۲۰۱۴ء۔

بلکہ طبی پہلو سے بھی سخت ضرر رساں ہے، اور لا علاج بیماریوں کو پیدا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام جانداروں میں افزائشِ نسل کے لیے جنسی جذبات رکھے ہیں، اور ان میں انسان بھی شامل ہے، لیکن اس باب میں انسان کو ایک خصوصی شرف عطا کیا گیا ہے کہ وہ عفت و عصمت کا جوہر رکھتا ہے، صنفی اعتبار سے شوہر اور بیوی کی وفاداری ایک دوسرے تک محدود ہوتی ہے، شوہر و بیوی کے ذریعہ توالد و تناسل کا سلسلہ آگے بڑھتا ہے، یہ انسانی فطرت ہے، اور پہلے انسان ابوالبشر حضرت آدمؑ کے وقت سے یہ سلسلہ جاری و ساری ہے:

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ

مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً“ (النساء: ۱)۔

اسی سے خاندان وجود میں آتے ہیں، والدین اور اولاد کی شناخت قائم ہوتی ہے، اور ایک دوسرے سے متعلق حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین ہوتا ہے، دوسرے جانداروں کا کوئی خاندان نہیں ہوتا، نہ ان کی کوئی نسلی شناخت ہوتی ہے، اور نہ ہی ایک دوسرے کے حقوق اور ذمہ داریوں کا اس طرح کا نظام ہوتا ہے جو نظام انسانی سماج میں پایا جاتا ہے، یہ پہچان سماجی اعتبار سے انسان کا بہت بڑا شرف ہے؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے احسانات میں شمار کیا ہے:

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا

وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا“ (الحجرات: ۱۳)۔

ایک اور موقع پر فرمایا گیا ہے:

”وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا“

(الفرقان: ۵۴)۔

عصر حاضر میں خدا نا آشنا اور اخلاق بیزار تمدن اس بات کی کوشش کر رہا ہے کہ انسان صنفی مسائل میں پوری طرح قانونِ فطرت سے آزاد ہو جائے اور اپنی شناخت کو کھودینے میں

اسے کوئی تامل نہ ہو، ایسی ہی صورتوں میں ایک وہ ہے جس کو رحم کو کرایہ پر یا عاریت پر دینے سے تعبیر کیا جاتا ہے، آج کل اس کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے جاتے ہیں:

الف: مادہ منویہ شوہر کا ہو، بیضہ اجنبی عورت کا ہو، اور اس کی پرورش خود اس شخص کی بیوی کے رحم میں ہو۔

ب: مادہ شوہر کا ہو، بیضہ خود اس کی بیوی کا ہو، لیکن جنین کی پرورش اجنبی عورت کے رحم میں ہو۔

ج: مادہ اجنبی مرد کا ہو، بیضہ اس عورت کا ہو جو اپنے شوہر کی اجازت سے اولاد کی خواہاں ہو، اور کسی اور عورت کے رحم میں اس کی پرورش ہو۔

د: مادہ اجنبی مرد کا ہو، جو عورت اولاد کی خواہاں ہے، اسی کا بیضہ ہو، اور خود اسی کے رحم میں جنین کی پرورش ہو۔

ان چاروں صورتوں میں یہ بات مشترک ہے کہ یا تو جو عورت ماں بننا چاہتی ہے، اس کی اولاد کے لئے اجنبی مرد کا مادہ استعمال کیا جائے یا اجنبی عورت کا بیضہ، یا اجنبی عورت کا رحم، ان تمام ہی صورتوں میں متعدد اخلاقی اور نفسیاتی مفاسد شامل ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

☆ ایک عورت اپنے رحم میں ایک اجنبی مرد کے نطفہ کی پرورش کرتی ہے، اس طرح وہ انجام اور مال کے اعتبار سے اسی فعل کی مرتکب ہوتی ہے جس کا ارتکاب کوئی زانیہ عورت کرتی ہے۔

☆ یہ بات انسانی شرافت کے مغائر ہے کہ اس کے اعضاء اور خاص کر صنفی اعضاء کا استعمال متاع تجارت کی طرح ہونے لگے۔

☆ اس سے مادریت کا تقدس مجروح ہوتا ہے، اور اس طرح بے حد مقدس و محترم اور پاکیزہ رشتہ ایک تجارتی عمل کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

☆ اس سے نفسیاتی اثرات پڑ سکتے ہیں، جس عورت نے نو دس ماہ حمل کی تکلیف اٹھائی ہو،

بچہ پیدا ہوتے ہی اسی بچے سے اس کی گود محروم ہو جائے، یہ بات اس کو سخت صدمے سے دوچار کر سکتی ہے، یہاں تک کہ اس کے دماغ پر بھی اثر انداز ہو سکتی ہے۔

☆ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ ماں چونکہ اپنے پیٹ میں بچہ کی پرورش کے وقت اور پھر ولادت کے مرحلہ میں غیر معمولی تکلیف سے گزرتی ہے، چنانچہ خود قرآن کریم نے ”حملتہ أمہ کرہا ووضعتہ کرہا“ (الاحقاف: ۱۵) کے الفاظ میں اس کا نقشہ کھینچا ہے، جو عورت ان مشقتوں سے گزری نہیں ہو، کیا اس کے دل میں وہی درد مندانہ جذبات پیدا ہو سکتے ہیں، جو ان مرحلوں سے گزرنے والی ماں کے اندر ہوتے ہیں؟

☆ جس شوہر نے اپنی بیوی کے لئے کسی اجنبی مرد کے نطفہ کو قبول کیا ہو، کیا اس کے بارے میں توقع کی جاسکتی ہے کہ اس کے نتیجے میں اگر لڑکی پیدا ہوئی تو وہ اس کے ساتھ ایک باپ جیسا رویہ اختیار کرے گا، اور عصمت و آبرو کے پہلو سے وہ اس فطری حجاب کو برقرار رکھے گا جو ایک باپ اور بیٹی کے درمیان ہوتا ہے۔

☆ اس کی وجہ سے بیضہ دینے والی، حمل کی تکلیف اٹھانے والی خواتین کے درمیان مولود کے حق پرورش کے بارے میں نزاع پیدا ہو سکتا ہے، بلکہ اس طرح کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔

☆ سب سے اہم بات یہ ہے کہ نسلی شناخت اور تشخیص انسان کے لئے سرمایہٴ افتخار ہے، اور ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کی یہ شناخت کھونے نہ پائے، شناخت کا کھوجانا اس کے لئے انتہائی ذلت کی بات ہوتی ہے، اور وہ ہر طریقے پر اس کا تحفظ چاہتا ہے، اسی لئے شریعت نے زنا کو اتنی شدت کے ساتھ منع کیا اور اس کے لئے سخت ترین حد مقرر کی ہے، خود جس شخص کو باپ یا ماں کے بارے میں شک ہو کہ معلوم نہیں کہ میری ماں یہ ہے یا وہ ہے؟ تو یہ بات بھی اس کے لئے بے حد تکلیف دہ ہوتی ہے، نسب کی شناخت

جیسے باپ سے متعلق ہوتی ہے، ویسے ہی ماں کے ساتھ بھی اس کا تعلق ہوتا ہے، بلکہ بعض خاندان تو اولادِ نرینہ نہ ہونے کی صورت میں ماں کی طرف سے ہی چلتے ہیں۔

ان مصالح کو سامنے رکھتے ہوئے یہ اجلاس متفقہ طور پر فیصلہ کرتا ہے کہ:

۱۔ بطور اجارہ یا عاریت کسی عورت کا اپنے رحم میں اجنبی مرد کے نطفہ یا دوسرے کے بیضہ کی پرورش کرنا قطعاً حرام ہے، یہ انسان کو اس کی شناخت سے محروم رکھنے کی ایک سازش ہے، اور اللہ تعالیٰ کے قانون اور اس کے بنائے ہوئے فطری نظام سے بغاوت ہے۔

۲۔ کسی مرد کے لئے یہ بات قطعاً جائز نہیں کہ وہ اپنا مادہ کسی اجنبی عورت کے رحم میں بار آور کرنے کے لئے یا اس کے بیضہ سے اختلاط کے لئے دے۔

۳۔ ڈاکٹروں کے لئے بھی یہ بات جائز نہیں کہ وہ ایسے غیر اخلاقی عمل میں تعاون کریں۔

۴۔ حکومتِ ہند کو ایسا قانون بنانا چاہئے جو انسانی اہانت، شرافتِ انسانی کی پامالی اور نسب کے اختلاط پر مبنی اس عمل کو سختی سے روکے۔

۵۔ برادرانِ وطن سے بھی اپیل کی جاتی ہے کہ وہ حکومت سے اس اہانت آمیز عمل کو روکنے کے سلسلہ میں مطالبہ کریں، کیونکہ اس طرح کے غیر اخلاقی حیاء سوز قانون فطرت کے مغائرِ فعل کی کسی بھی مذہب میں اجازت نہیں۔

۶۔ اس قانون کے علاوہ بھی علماءِ ہند کا یہ نمائندہ اجتماع حکومت سے اپیل کرتا ہے کہ وہ ایسے کسی بھی عمل کی اجازت دینے سے باز رہے جو مذاہب کے مسلمہ اخلاقی اقدار اور ہندوستان کی ثقافتی روایات کے مغایر ہو۔



اعلامیہ

تعلیم اور تعلیمی اداروں کی فرقہ واریت سے حفاظت ☆

ہندوستان ایک جمہوری ملک اور مختلف مذاہب اور ثقافتوں کا گلدستہ ہے، یہی رنگارنگی اس ملک کی اصل خوبصورتی ہے، اور اسی نسبت سے پوری دنیا میں اس کو عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، ملک کا دستور بنانے والے نے بھی اس حقیقت کو پیش نظر رکھا ہے، مگر افسوس کے فرقہ پرست طاقتیں اس ملک کی شبیہ کو بگاڑ دینا چاہتی ہیں، اور وہ اقلیتوں کے مذہبی حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے کوشاں ہیں، اسی سلسلہ کی ایک سازش تعلیمی اداروں کو زعفرانی رنگ میں رنگ دینے کی نازیبا کوشش ہے، حکومت کی ہدایت پر بعض ریاستوں میں سورہہ نمسکار کو لازم قرار دیا گیا ہے یا اس کی ترغیب دی جا رہی ہے، بچوں سے مورتنی پوجا کرائی جاتی ہے، نیز گیتا اور اکثریت کے مذہبی تصورات کو نصاب کا جزء بنانے کی کوشش ہو رہی ہے، اس پس منظر میں ملک بھر کے علماء اور فقہاء اور اہل دانش کا یہ اجتماع حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ایسی نامناسب کوششوں سے باز آجائے، اقلیتوں کی مذہبی آزادی، ملک کے دستور اور اس کی تکثیری روایت کو پیش نظر رکھیں، اور تمام مذاہب کے یکساں احترام کو زندگی کے تمام شعبوں اور خاص کر تعلیم میں ملحوظ رکھیں، نیز یہ اجتماع علماء اور ملت کے خواص سے اپیل کرتا ہے کہ وہ عصری تعلیم کے ایسے

☆ (اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی جانب سے ۲۴ ویں فقہی سمینار دارالعلوم اسلامیہ، اوچیرہ، کیرالا میں ۹-۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ مطابق ۱-۳ مارچ ۲۰۱۵ء کو منعقد ہوا جس میں ملک بھر سے آئے ہوئے علماء، فقہاء اور اہل افتاء نے بڑی فکر مندی اور دردمندی کے ساتھ درج ذیل اعلامیہ برائے اتحاد امت جاری کیا)۔

اسکول قائم کریں جو معیاری عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ بنیادی دینی تعلیم اور اسلامی تربیت سے طلبہ و طالبات کو آراستہ کریں، اور ان کا بنیادی مقصد تجارت نہ ہو بلکہ ملت کے نونہالوں کو بہتر تعلیم و تربیت اور اخلاق سے آراستہ کرنا ہو۔



بین مذہبی مذاکرات - اصول و آداب ☆

آج مورخہ ۲۷/۲/۲۰۱۶ء کو تجویز کمیٹی کی میٹنگ میں بین مذہبی مذاکرات اصول و آداب کے موضوع پر غور و خوض کے بعد مندرجہ ذیل تجاویز بہ اتفاق مرتب ہوئیں:

۱- مذہبی، سماجی اور سیاسی بنیادوں پر بین مذہبی مذاکرات کئے جاسکتے ہیں، بشرطیکہ ان مذاکرات سے مسلمانوں کے مذہبی تصورات و عقائد متاثر نہ ہوں، اور ان کو رواداری، پُر امن بقاء باہم، دعوت دین، غلط فہمیوں کے ازالہ اور سماجی و سیاسی مشکلات کے حل کے لئے استعمال کیا جائے۔

۲- مختلف مذاہب کے درمیان بعض قدریں مشترک ہیں، اس لئے مفید مقاصد کے لئے دیگر مذاہب کی کتابوں سے استفادہ اور حوالہ کی گنجائش ہے۔

۳- دیگر اہل مذاہب کے مذہبی رسوم و اعمال میں شرکت جائز نہیں ہے۔

۴- ہم آہنگی برقرار رکھنے اور فتنہ و فساد سے بچنے کے لئے عام حالات میں ایسے مباح اعمال سے دست بردار ہونا درست نہیں جو مسلمانوں کی متواتر تہذیب کا حصہ ہیں۔

۵- عقیدہ توحید و رسالت اقوام عالم کے سامنے پیش کرنا اور جملہ کفر و شرک کے رسوم و اعمال سے براءت کا اظہار کرنا مسلمانوں کا دینی فریضہ ہے، البتہ اس بات کی پوری کوشش کی جائے کہ اظہار براءت کے ایسے طریقے اور اسالیب اختیار نہ کیے جائیں جن سے دیگر اہل مذاہب کی دل آزاری ہو۔

۶- صحت مندانسانی معاشرہ کی تشکیل کے لئے مشترکہ سماجی مسائل جیسے غربت، کرپشن

☆ ۲۵ واں فقہی سمینار (بدر پور، آسام) بتاریخ ۲۵ تا ۲۷ ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ، مطابق ۵ تا ۷ فروری ۲۰۱۶ء۔

(بدعنوانی)، بے حیائی، عورتوں، مزدوروں اور سن رسیدہ افراد کے ساتھ زیادتی وغیرہ پر مختلف اہل مذاہب کے ساتھ مذاکرات وقت کی اہم ضرورت ہیں اور مسلمانوں کو اس میں حصہ لینا چاہئے۔

۷۔ مسلمانوں کے دینی، قومی اور اجتماعی مفادات کے تحفظ کے لیے مختلف سیاسی جماعتوں، مذہبی تنظیموں اور شخصیات کے ساتھ بہ وقت ضرورت شرعی اصولوں کی رعایت کرتے ہوئے مذاکرات کرنا نہ صرف جائز، بلکہ مستحسن ہے۔

۸۔ بین مذہبی مذاکرات کو ثمر آور بنانے کے سلسلہ میں درج ذیل اقدامات مفید ثابت ہو سکتے ہیں:

- الف۔ مذاکرات کی صلاحیت کے حامل مسلم اسکالرس کا ایک وفاق بنایا جائے۔
- ب۔ ہر صوبہ کے ممتاز دینی مدارس اور جامعات میں تقابلی مطالعہ ادیان و مذاہب پر خصوصی توجہ دی جائے، اور اس کے لیے ایک خاص شعبہ قائم کیا جائے۔
- ج۔ ملک کی مختلف یونیورسٹیوں اور تحقیقی اداروں میں قائم مذاہب و ادیان کے شعبوں سے مسلسل رابطہ رکھا جائے اور ان سے استفادہ کی بھرپور کوشش کی جائے۔
- د۔ مختلف ادیان و مذاہب کے رہنماؤں کا ایک متحدہ پلیٹ فارم تشکیل دیا جائے، جس کے اجتماعات و قافو قفاً ملک کے مختلف اہم علاقوں میں منعقد کیے جائیں۔
- ه۔ ملک کی مختلف مذہبی تنظیموں اور اداروں سے براہ راست مذاکرات کا سلسلہ شروع کرنے کے عملی اقدامات کیے جائیں۔
- و۔ مسلمانوں میں خدمت خلق کے رجحانات کو فروغ دینے کی کوشش کی جائے، اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے رفاہی تنظیمیں (N.G.O) قائم کی جائیں اور اس غرض کے لیے قائم اداروں کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جائے۔



ماحولیات کا تحفظ ☆

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس دنیا میں پیدا کیا ہے، اس میں اس کی راحت و سکون کے اسباب بھی پیدا فرمائے ہیں، ان میں بعض ایسی چیزیں ہیں جو آلودگی کا سبب بنتی ہیں، لیکن رب کائنات نے اسی دنیا میں ایسے وسائل بھی پیدا فرمادیئے ہیں جو آلودگیوں کو تحلیل کرتے رہتے ہیں، انسان کو ان کے مضر اثرات سے بچاتے ہیں، اور جو چیزیں آلودگی کا سبب بنتی ہیں وہی تحلیل ہونے کے بعد کائنات کے فطری نظام میں تقویت اور بہتری کا باعث بن جاتی ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صنعتی انقلاب نے جہاں انسانیت کو بہت سے مفید و راحت بخش وسائل زندگی فراہم کئے ہیں، وہیں ان کی وجہ سے فضائی، آبی اور صوتی آلودگیوں میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے، موسموں کا توازن متاثر ہوا ہے، طرح طرح کی بیماریاں جنم لے رہی ہیں، اور سائنس دانوں کا خیال ہے کہ اگر اس پر قابو نہیں پایا گیا تو اس کے نتائج انسانیت کے لئے نہایت تکلیف دہ اور ہلاکت خیز ہوں گے، ان آلودگیوں کو جذب کرنے کے وسائل کی بھی سائنس نے رہنمائی کی ہے، لیکن کم سے کم اخراجات کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کی غرض سے صنعت کاران کا استعمال نہیں کر رہے ہیں، جو غیر اسلامی اور غیر انسانی طرز عمل ہے، اس پس منظر میں حسب ذیل تجویزیں منظور کی جاتی ہیں:

۱۔ صنعت کاروں پر واجب ہے کہ اگر ایسی صنعتیں قائم کریں جو آلودگی پیدا کرتی ہوں، تو ایسے وسائل بھی استعمال کریں جو ان آلودگیوں کو تحلیل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہوں،

☆ ستر ہواں فقہی سمینار (برہان پور، ایم پی) بتاریخ ۲۸-۳۰ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ مطابق ۵-۷ اپریل ۲۰۰۸ء۔

تاکہ ماحول کو اور ماحول کے واسطے سے دوسرے انسانوں کو اس کا نقصان نہیں پہنچے۔

۲۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں کا ملک میں آنا بعض جہتوں سے یقیناً مفید ہے، کہ اس سے مارکیٹ میں مسابقت پیدا ہوتی ہے اور صارفین کو معیاری اشیاء فراہم ہوتی ہیں، لیکن یہ صنعتیں اپنے ساتھ صنعتی فضلوں کا انبار اور مختلف نوع کی آلودگیاں بھی ساتھ لارہی ہیں، اس لئے سمینار حکومت ہند سے مطالبہ کرتا ہے کہ ملکی کمپنیاں ہوں یا غیر ملکی ان کے لئے ایسے قوانین بنائے جائیں اور ان پر عمل کا پابند کیا جائے جو ماحول کے تحفظ میں معاون ہوں اور مضر اثرات سے بچاتے ہوں۔

۳۔ اس وقت ماحولیاتی آلودگی کے سبب جن خطرات سے دنیا دوچار ہے، یہ زیادہ تر ترقی یافتہ ممالک کی دین ہے، ان ممالک نے زیادہ سے زیادہ نفع کمانے اور سستی سے سستی پیداوار حاصل کرنے کی غرض سے صنعتوں کو ماحول دوست بنانے پر توجہ نہیں دی، اور آلودگیوں کو تحلیل کرنے کے وسائل اختیار نہیں کئے، یہاں تک کہ اب جب کہ آلودگی کا مسئلہ ایک بھیانک صورت اختیار کر چکا ہے، وہ اس کے اثرات کو دور کرنے کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داریاں قبول کرنے سے گریز کر رہے ہیں۔ سمینار مطالبہ کرتا ہے کہ وہ انسانیت کے تئیں اپنے رویہ کو درست کریں اور حکومت ہند سے اپیل کرتا ہے کہ وہ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت اور ایک اہم عالمی طاقت ہونے کی حیثیت سے اس سلسلہ میں ترقی یافتہ ممالک کو ان کی ذمہ داریوں کا پابند کرنے کی کوشش کرے۔

۴۔ تمام ابناء وطن کو ہدایت دی جاتی ہے کہ وہ اپنے ماحول کو صاف ستھرا رکھنے کا اہتمام کریں، ایسی چیزیں جو آبادی میں آلودگی پیدا کرنے والی ہیں اور دوسروں کو تکلیف پہنچانے والی ہیں، جیسے راستوں اور آبادیوں کے درمیان قضاء حاجت، گھر سے باہر کھلی ہوئی نالیاں نکالنا، صاف جمع شدہ پانی میں گندگیوں کا اخراج، آبادی کے درمیان بھٹی اور چمنیاں قائم کرنا، گاڑیوں میں کراسن تیل کا استعمال، بے جا طریقہ پر لاؤڈ اسپیکر کا استعمال وغیرہ، ان سے احتراز کریں، تاکہ سماج خطرناک بیماریوں اور دوسرے نقصانات سے محفوظ رہے۔

☆ فضائی آلودگی

صحت مند زندگی کے لئے ایک پاکیزہ ماحول کی ضرورت ہے لیکن جدید ٹکنالوجی کی وجہ سے جہاں بہت سے فوائد حاصل ہوئے وہیں بہت سی ایسی چیزیں وجود میں آرہی ہیں جن سے زندگی کو خطرات لاحق ہیں، اس لئے قدرتی اور فطری ماحول کی حفاظت کے لئے درج ذیل تجاویز منظور کی جاتی ہیں:

۱- تمام ضرورتوں میں حتی الامکان کم آلودگی پھیلانے والے ایندھن کا استعمال کیا جائے اور قدرت و استطاعت کے باوجود زیادہ آلودگی پھیلانے والے ایندھن کے استعمال سے گریز کیا جائے۔

۲- گاڑیوں میں ایسے ایندھن کے استعمال کو ترجیح دی جائے جس سے کم سے کم آلودگی پیدا ہوتی ہو اور اگر اس سلسلہ میں حکومت کی جانب سے ہدایات موجود ہوں تو ان کی پابندی کی جائے۔

۳- روشنی اور دیگر مقاصد کے لئے جن ذرائع کا استعمال کیا جاتا ہے (مثلاً جنریٹر وغیرہ) ان میں بھی کم سے کم آلودگی پیدا کرنے والے ایندھن کا استعمال کیا جائے اور اگر حکومتی ہدایات اس سلسلہ میں موجود ہوں تو ان کو ملحوظ رکھا جائے۔

۴- جن علاقوں میں شمسی توانائی کا حصول آسان اور مفید ہو وہاں اس کا استعمال مستحسن ہوگا۔

۵- کارخانوں اور فیکٹریوں کی آلودگی پر قابو پانے کے لئے حکومت نے جو قوانین

بنائے ہیں ان کی پابندی ضروری ہے البتہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اس کے لئے مناسب سہولیات فراہم کرے۔

۶۔ جانور کے ناقابل استعمال اجزاء کے سلسلہ میں ایسی تدابیر اختیار کی جائیں جن سے تعفن اور ماحول میں آلودگی پیدا نہ ہو۔

۷۔ بلا ضرورت پلاسٹک کی تھیلیوں کے استعمال سے احتراز کیا جائے اور اس کے متبادل وسائل کے استعمال کو ترجیح دی جائے۔

۸۔ تمباکو اور اس سے بنی اشیاء کے استعمال سے احتراز کیا جائے خاص طور پر عوامی مقامات پر اس کا استعمال نہ کیا جائے۔

۹۔ عوامی جگہوں پر قضاے حاجت جائز نہیں ہے۔ اسی طرح حتی الامکان کھلی نالیوں میں فضلات کے بہانے سے احتراز کیا جائے۔

۱۰۔ عوامی مقامات پر تھوکنہ مکروہ اور ناپسندیدہ ہے اور اگر حکومت کی جانب سے اس سلسلہ میں ہدایات ہوں تو ان پر عمل کرنا چاہیے۔

۱۱۔ شعاع خارج کرنے والے الیکٹرانک آلات (فریج، واشنگ مشین، موبائل، اے سی وغیرہ) کے ضرورت سے زیادہ استعمال سے اجتناب کیا جائے۔

۱۲۔ اسلام میں شجرکاری کی بڑی اہمیت ہے اس لئے بلا ضرورت جنگلات اور ہرے درختوں کو کاٹنے سے احتراز کیا جائے۔



صوتی آلودگی

صوتی آلودگی اس دور کا انتہائی اہم مسئلہ ہے اور اس سلسلہ میں ہونے والی بے اعتدالیاں اسلامی تعلیمات کے منافی ہیں اس لئے:

۱- پُر شور مشینوں کے سلسلہ میں جو سرکاری ہدایات جاری کی جاتی ہیں ان کی پابندی کی جائے۔

۲- غیر ضروری ہارن بجانا یا بہت تیز آواز کا ہارن لگانا درست نہیں اور اس سلسلہ میں حکومتی ہدایات کی پاسداری لازم ہے۔

۳-DJ وغیرہ پر گانا بجانا شرعاً ناجائز ہے اس کے علاوہ اس کی آواز انسانی صحت اور ماحول کے لئے بھی سخت نقصان دہ ہے، لہذا اس پہلو سے بھی اس کا استعمال درست نہیں۔

۴- جلسوں اور مشاعروں میں ضرورت سے زیادہ لاوڈ اسپیکر کا استعمال درست نہیں ہے اور اس سلسلہ کے قوانین کی پابندی کرنی چاہیے۔

